اسلام ہمارا انتخاب

نومسلموں کی فکر انگیز اور روح پرور داستانیں

ملک احمد سرور
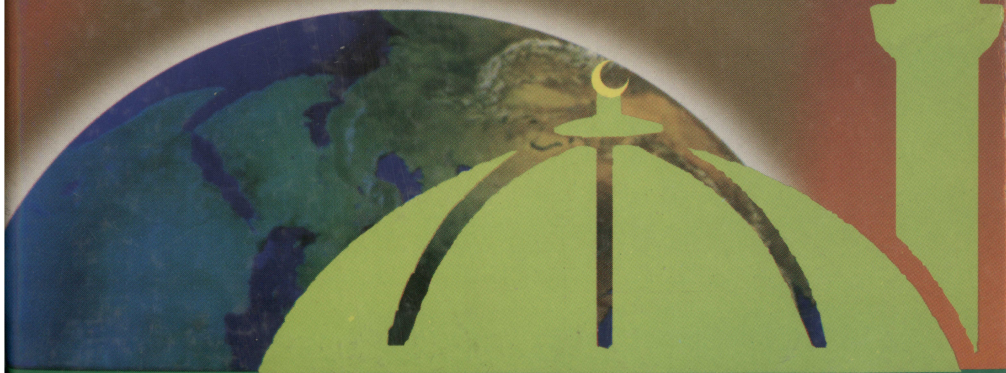
من الظلمت الی النور

اسلام ہمارا انتخاب

نومسلموں کی فکر انگیز اور روح پرور داستانیں

ترجمہ و تالیف
ملک احمد سرور

اسٹاکسٹ
البدر پبلی کیشنز 23-راحت مارکیٹ' اُردو بازار لاہور
ادارہ مطبوعاتِ سلیمانی رحمٰن مارکیٹ' غزنی سٹریٹ' اُردو بازار لاہور

ضابطہ

نام کتاب	....	اسلام ہمارا انتخاب
مصنف و ناشر	....	ملک احمد سرور (فون: 7730166)
مطبع	....	شرکت پرنٹنگ پریس لاہور
کمپوزنگ	....	words maker Tel : 7231391
سرورق	....	قمر الزمان
طبع اوّل	....	اکتوبر 2001ء
تعداد	....	1200
قیمت	....	150 روپے

اسٹاکسٹ

البدر پبلی کیشنز

23 - راحت مارکیٹ اُردو بازار لاہور' فون: 7225030

ادارہ مطبوعات سلیمانی

رحمان مارکیٹ' غزنی سٹریٹ' اُردو بازار' لاہور فون: 7232788

رَبَّنَا اغْفِرْلِی وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ (ابراھیم : 41)

اے میرے رب ! مجھے اور میرے والدین اور سب ایمان لانے والوں کو اس دن معاف کر دیجیو جب حساب قائم ہو گا۔

انتساب

اپنی محنت کش والدہ ماجدہ

مرحومہ برکت بی بی زوجہ ملک محمد مالی مرحوم

کے نام

☆ جنہوں نے اپنی اولاد کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے اپنے زیور کے ساتھ ساتھ باورچی خانہ کے برتن تک بیچ دیے

☆ جن کی زندگی میں اُن کی دعاؤں کے باعث کوئی ناکامی میرے قریب بھی نہ پھٹکی اور ان کے انتقال کے بعد جب ان کی دعاؤں سے محروم ہوا تو کوئی قابل ذکر کامیابی نصیب نہ ہوئی۔

حضرت محمد ﷺ ہندوؤں کی ویدوں میں

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ''کلکی اوتار'' کے نام سے ملتا ہے جس کے معنی سب سے بڑے اور آخری رسول کے ہیں۔ کتاب بھوشیہ پران میں ہے: ''جو رسول " کل جگ "میں پیدا ہوگا' اس کا نام "سروانما" ہوگا''۔ ''سروانما'' سنسکرت زبان کا لفظ ہے اور اس کا مطلب ہے ایسا شخص جس کی سب سے زیادہ تعریف کی جائے۔ عربی زبان کے لفظ ''محمد'' کے معنی بھی یہی ہیں۔ کتاب کلکی پران میں ہے: ''کلکی اوتار 'سومتی' سے پیدا ہوگا اور اس کے باپ کا نام 'ویشنو ویش' ہوگا''۔ سومتی کا ترجمہ ''آمنہ'' اور ویشنوویش کے معنی ''عبداللہ'' کے ہیں۔ آمنہ حضرت محمدؐ کی والدہ اور عبداللہ ان کے والد کا نام ہے۔ کتاب بھاگوت پران میں ہے: ''کلکی اوتار "شنبل گرام" میں "ویشنوویش" کے ہاں ان کے برہمن مہنت (دینی پیشوا) کے گھر پیدا ہوگا''۔ شنبل گرام کے معنی ہیں امن والا شہر یا قصبہ۔ پوری دنیا جانتی ہے کہ امن والا شہر ''مکہ'' کو کہتے ہیں اور قرآن مجید میں اسے ''البلدالامین'' کہا گیا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب دینی پیشوا تھے اور عبداللہ ان کے بیٹے۔ کلکی پران اور بھاگوت پران میں ہے: ''کلکی اوتار کے والد اس کی پیدائش سے پہلے انتقال کر جائیں گے اور والدہ پیدائش کے تھوڑا ہی عرصہ بعد''۔ کلکی پران میں مزید ہے: ''کلکی اوتار ایک پہاڑ کی گھپا (غار) میں جائے گا اور وہاں شورام سے علم حاصل کرے گا''۔ غار سے مراد ''غارِ حرا'' ہے اور شورام کے معنی روح القدس یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کے ہیں۔ بھاگوت پران میں واقعہ معراج کا ذکر بھی ملتا ہے: ''کلکی اوتار کو ایک اڑنے والا گھوڑا دیا جائے گا جو بجلی سے بھی تیز ہوگا اور وہ اس پر سوار ہو کر زمین اور ساتوں آسمانوں کی سیر کرے گا''۔ بھاگوت پران میں کلکی اوتار کو ''جگت پتی'' بھی کہا گیا ہے جس کے معنی ہیں دنیا کا سردار اور مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''سرور عالم'' ہی کہتے ہیں۔ بھاگوت پران میں کلکی اوتار کو آخری پیغمبر بھی کہا گیا ہے۔ سنسکرت کے ممتاز عالم اور الٰہ آباد یونیورسٹی کے پروفیسر پنڈت وید پرکاش نے ''کلکی اوتار'' کے نام سے باقاعدہ ایک کتاب لکھی ہے جس میں ہندو مذہبی کتابوں کے حوالوں سے حضرت محمدؐ ہی کو ''کلکی اوتار'' یعنی ہادی عالم ثابت کیا ہے۔ یہ تحقیق آٹھ بڑے پنڈتوں کے سامنے بھی پیش کی گئی اور ان پنڈتوں نے اس تحقیق کو درست تسلیم کیا مگر ہندو پھر بھی بدقسمت ہیں کہ اپنی کتابوں اور اپنے ہی محققین کی بات تسلیم نہیں کرتے۔

فہرست

(حصہ اوّل)

حصہ اوّل میں مؤلف کے اپنے قلم سے لکھی اور ترجمہ کی گئی روداد یں، انٹرویوز اور مضامین شامل ہیں

(حصہ دوم)

حصہ دوم میں وہ روداد یں، انٹرویوز اور مضامین شامل ہیں
جو دیگر اہل قلم نے لکھے یا ترجمہ کئے ہیں

(ضمیمہ جات)

حضرت محمد ﷺ کے بارے میں انجیل یوحنا کی پیشین گوئیاں

وہ پیشین گوئیاں ملاحظہ فرمائیں جو انجیل یوحنا میں مسلسل باب 14 سے 16 تک منقول ہوئی ہیں:

1 - اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے نہ جانتی ہے تم اسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے اور تمہارے اندر ہوگا۔

2 - میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔ (26,25:14)

3 - اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔ (30:14)

4 - ''لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روحِ حق جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔ (26:15)

5 - لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ (7:16)

6 - مجھے تم سے اور بھی بہت سے باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے' لیکن جب وہ فارقلیط آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ وہ میرا جلال ظاہر کرے گا اس لئے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا۔ جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے۔ اس لئے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے اور تمہیں خبریں دے گا۔ (15,12:16) (فارقلیط: ابن ہشام نے یونانی لفظ فارقلیط کے بجائے ''منحمنا'' استعمال کیا ہے جس کے معنی ''محمد'' ہیں۔ اردو نسخہ میں عیسائیوں نے اس کا ترجمہ ''روح حق'' کر دیا ہے)

پیش لفظ

یہ 69-1968ء کی بات ہے، میں ''اُردو ڈائجسٹ'' کے ادارے سے وابستہ تھا۔ وہاں ایک اسٹور میں ردّی رسائل کا بڑا ڈھیر پڑا تھا۔ ایک روز جائزہ لیا تو کراچی سے شائع ہونے والے ایک انگریزی رسالے ''یقین انٹرنیشنل'' کے بہت سے شمارے بھی نظر آئے۔ ورق گردانی کی تو تقریباً ہر پرچے میں ایک عنوان مستقل نظر آیا۔ "Why I accepted Islam"۔ اس کے تحت کسی ایک نومسلم کے قبولِ اسلام کا تذکرہ شامل ہوتا تھا۔ یہ موضوع بڑا دلچسپ اور چونکا دینے والا تھا اور اپنے اندر غیر معمولی انفرادیت اور افادیت رکھتا تھا۔ چنانچہ اس اسٹور سے ''یقین انٹرنیشنل'' کے جتنے شمارے بھی ملے، وہ سب میں نے تلاش کر کے اپنے پاس محفوظ کر لئے۔

تحقیق کی تو اندازہ ہوا کہ اردو میں اس موضوع پر کوئی قابل ذکر کتاب نہیں ہے۔ ''اسلام زندہ باد'' کے نام سے صرف ایک کتابچہ ہے جو علامہ اقبالؒ کی فرمائش پر عبدالمجید قرشی نے اُس زمانے میں مرتب کیا تھا جب مشہور ہندو صحافی، مصنف اور سیاست دان کنہیا لال گابا مسلمان ہوئے تھے اور علامہ اقبال بھی شاہی مسجد لاہور کی اس تقریب میں بنفس نفیس شامل شامل تھے جس میں گابا نے اپنے قبولِ اسلام کے حوالے سے ایک مفصل تقریر کی تھی، لیکن جیسا کہ میں نے دیکھا ''اسلام زندہ باد'' اپنے موضوع پر ایک نا تمام کوشش ہے جس میں آٹھ نومسلموں کے واقعات تھے اور اُن میں بھی صرف چار ایسے تھے جو مستند اور ثقہ واقعات پر مبنی تھے۔ چنانچہ خیال آیا کہ علامہ اقبال کی خواہش ہنوز تشنۂ تکمیل ہے اور جس نوعیت کی کتاب موصوف محترم دیکھنا چاہتے تھے، وہ اُردو میں ابھی تک مرتب نہیں ہوئی۔

عبدالمجید قرشی نے علامہؒ کی یہ خواہش اِن الفاظ میں نقل کی ہے:

''آپ ایک کتاب لکھئے'' ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔

''کیسی کتاب؟'' میں نے پوچھا

تحقیقات کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہندوستان کے قصبات اور دیہات میں ہزارہا غیر مسلم اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ اگر کوئی شخص اِن از خود مسلمان ہونے والوں سے ملے اور اُن سے قبولِ اسلام کی وجوہات دریافت کر کے ایک کتاب میں جمع کر دے تو اس سے تبلیغ اسلام کے مقصد کو بے حد تقویت حاصل ہوگی'' (28 اکتوبر 1930ء)

چنانچہ میں نے اللہ کا نام لے کر اس کام کا بیڑا اُٹھا لیا اور تگ و دو اور جستجو سے انگریزی میں لکھے ہوئے بیسیوں نومسلموں کے احوال تلاش کر لئے اور انہیں اُردو کا جامہ پہنا کر کتابی صورت میں شائع کر دیا۔ نوے نومسلموں کا یہ تذکرہ ''ہم کیوں مسلمان ہوئے؟'' کے عنوان سے بحمد اللہ تعالیٰ اُردو کے دینی لٹریچر میں اپنی ایک شناخت بنا چکا ہے اور گیارہ ایڈیشن چھپنے کے بعد بھی بدستور مقبول ہے (ثم الحمد للہ تعالیٰ)۔ اس کے بعد میں نے 2000ء کے اوائل میں 81 نومسلم خواتین کا تذکرہ ''ہمیں خدا کیسے ملا؟'' کے عنوان سے مرتب کیا۔ اِسے بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے علمی اور دینی حلقوں میں خصوصی پذیرائی حاصل ہو رہی ہے۔

نومسلموں کا موضوع اپنی نوعیت کے اعتبار سے دینی لٹریچر کا شاید سب سے دلچسپ اور مفید موضوع ہے۔ اپنے اندر تقابل ادیان کا ایک اچھوتا انداز رکھتا ہے' اسلام کی حقانیت اور دیگر مذاہب کے کھوکھلے پن کا جیتا جاگتا ثبوت ہے' دینی معلومات اور ایمانی تقویت کا عجیب و غریب مرقع ہے اور لطف یہ کہ کہانی کا پیرایہ ہونے کی وجہ سے قاری کسی مرحلے پر اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا اور وہ بعض اوقات ثقیل نوعیت کی مذہبی معلومات بھی دلچسپی کے ساتھ پڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہی اسباب ہیں کہ اس موضوع کو قارئین کے وسیع حلقے میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی ہے اور بے شمار جرائد و رسائل اور اخبارات اسے ذوق و شوق کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔

ملک احمد سرور اعلیٰ ادبی وصحافتی صلاحیتوں کے حامل ایک بے حد مخلص اور ایثار پیشہ نوجوان ہیں جنہوں نے دینی و دعوتی و تبلیغی جذبے کے تحت میڈیکل کی تعلیم ترک کی، اپنے آپ کو افغان جہاد کی صحافتی خدمات کے لئے وقف کردیا اور ماہانہ جریدے ''بیدار ڈائجسٹ'' کی ادارت شروع کردی۔ یہ جریدہ وسائل کی کمی کی وجہ سے اگرچہ کثیر الاشاعت نہیں ہے، لیکن دیانت اور انصاف کی نظر سے دیکھیں تو جملہ خوبیوں کے اعتبار سے دینی و دعوتی جرائد میں اپنا جواب نہیں رکھتا بلکہ اپنی سند، ثقاہت اور مضامین کے تنوع کے حوالے سے بہتوں پر بھاری ہے —— اسی دعوت و تبلیغ کے جذبے سے ملک صاحب نے بھی نومسلموں کے بارے میں انگریزی مضامین کے تراجم شروع کئے جو ''بیدار ڈائجسٹ'' میں شائع ہوتے رہے اور اپنے بیان و اسلوب اور خوبصورت انشاء کی وجہ سے مقبول ٹھہرے اور قارئین کے حلقے میں پسندیدہ قرار پائے۔

یہ امر خوش آئند ہے کہ ملک صاحب نے ''بیدار ڈائجسٹ'' میں شائع ہونے والے اپنے انہی مضامین کو کتابی صورت میں مرتب کردیا ہے۔ میں نے ان میں سے بیشتر کا مطالعہ کیا ہے اور انہیں بے حد دلچسپ، معلومات افزا اور ایمان افروز پایا ہے۔ امید واثق ہے کہ انشاء اللہ اب یہ مستقل کتابی شکل میں خصوصی پذیرائی حاصل کریں گے اور دینی و دعوتی اور تبلیغی حوالے سے ان کے بہترین اثرات مرتب ہوں گے۔ ملک صاحب کی نثر ماشاء اللہ سادگی و پرکاری کی خوبصورت مثال ہے جس کے مطالعے سے قاری کا ذوق فرحت حاصل کرتا ہے اور دلچسپی کا عنصر برقرار رہتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ یہ کتاب ملک احمد سرور صاحب کے لئے صدقۂ جاریہ اور رضائے الٰہی کا سبب بن جائے گی۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

(سابق صدر شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج آف سائنس

وحدت روڈ لاہور)

حضرت محمد ﷺ کے بارے میں انجیل برناباس کی چند پیشین گوئیاں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

1 - تمام انبیاء جن کو خدا نے دنیا میں بھیجا' جن کی تعداد ایک لاکھ 44ہزار تھی' انہوں نے ابہام کے ساتھ بات کی۔ مگر میرے بعد تمام انبیاء اور مقدس ہستیوں کا نور آئے گا جو انبیاء کی کہی ہوئی باتوں کے اندھیرے پر روشنی ڈال دے گا کیونکہ وہ خدا کا رسول ہے۔ (باب 17)

2 - فریسیوں اور لادیوں نے کہا کہ اگر تو نہ مسیح ہے' نہ الیاس' نہ کوئی اور نبی' تو کیوں تو نئی تعلیم دیتا ہے اور اپنے آپ کو مسیح سے بھی زیادہ بنا کر پیش کرتا ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ جو معجزے خدا میرے ہاتھ سے دکھاتا ہے وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ میں وہی کچھ کہتا ہوں جو خدا چاہتا ہے' ورنہ در حقیقت میں اپنے آپ کو اس (مسیح) سے بڑا شمار کئے جانے کے قابل نہیں قرار دیتا جس کا تم ذکر کر رہے ہو۔ میں تو اس خدا کے رسول کے موزے کے بند یا اس کی جوتی کے تسمے کھولنے کے لائق بھی نہیں ہوں جس کو تم مسیح کہتے ہو' وہ مجھ سے پہلے بنایا گیا تھا اور میرے بعد آئے گا اور صداقت کی باتیں لے کر آئے گا تا کہ اس کے دین کی کوئی انتہا نہ ہو۔ (باب 42)

3 - بالیقین میں تم سے کہتا ہوں کہ ہر نبی جو آیا ہے وہ صرف ایک قوم کے لئے خدا کی رحمت کا نشان بن کر پیدا ہوا ہے' اس وجہ سے ان انبیاء کی باتیں ان لوگوں کے سوا کہیں اور نہیں پھیلیں جن کی طرف وہ بھیجے گئے تھے۔ مگر خدا کا رسول جب آئے گا' خدا گویا اس کو اپنے ہاتھ کی مہر دے گا' یہاں تک کہ وہ دنیا کی تمام قوموں کو جو اس کی تعلیم پائیں گی' نجات اور رحمت پہنچا دے گا۔ وہ بے خدا لوگوں پر اقتدار لے کر آئے گا اور بت پرستی کا ایسا قلع قمع کرے گا کہ شیطان پریشان ہو جائے گا۔ (اس کے آگے شاگردوں کے ساتھ ایک طویل مکالمہ میں حضرت عیسیٰؑ تصریح کرتے ہیں کہ وہ بنی اسماعیل میں سے ہو گا۔ باب 43)

حرفِ آغاز

اہل کفر بالخصوص یہود و نصاریٰ گزشتہ چودہ صدیوں سے سازشوں، ظلم و جبر اور من گھڑت پراپیگنڈا کی سیاہ گھٹاؤں کے ذریعے اسلام کی روشنی کو پھیلنے سے روکنے کی سرتوڑ کوششیں کررہے ہیں مگر اسلام کی روشنی سیاہ ترین گھٹاؤں میں سے بھی گزر کر صراط مستقیم اور سچائی کے متلاشی انسانوں کی رہنمائی کررہی ہے۔ روشنی کے اس چراغ حق کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

''یہ لوگ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا پھیلا کر رہے گا، خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو''۔ (الصف:8)

تاریخ کے صفحات کو دیکھ لیں کہ مشرکین مکہ نے کیا کچھ نہ کیا۔ ظلم و جبر کے ساتھ ہر غلط ہتھکنڈا اختیار کیا۔ لوگوں کو اسلام کی طرف آنے سے روکنے کے ایک منصوبہ کا ذکر قرآن مجید اس طرح کرتا ہے: ''اور انسانوں ہی میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کلام دلفریب (یعنی فحش کلام) خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے علم کے بغیر بھٹکا دے اور اس راستے کی دعوت کو مذاق میں اڑا دے، ایسے لوگوں کے لئے سخت ذلیل کرنے والا عذاب ہے''۔ (سورہ لقمان:6)

مدینہ کے یہود نے کیسی کیسی گھٹیا حرکتیں کیں۔ اس کے بعد فلسطین و شام کے عیسائیوں نے یورپ جا کر مسلمانوں کے عقائد کے بارے میں کیسے کیسے جھوٹ بولے اور ظلم کی من گھڑت داستانیں سنائیں، تاریخ کے صفحات میں یہ سب کچھ رقم ہے۔ صلیبی جنگوں میں مسلمانوں پر انسانی تصورات سے بڑھ کر ظلم ہوا۔ چنگیزیوں کے لشکر نے مسلمانوں کی کمر

توڑ دی بلکہ ہڈی پسلی ایک کر دی۔ عیسائیوں نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہر گھٹیا ہتھکنڈا استعمال کیا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چنگیزیوں کے طوفانِ بربادی کے بعد اسلام کا چراغ پھر جلے گا مگر اسلام نے عیسائیت اور بدھ مت دونوں کو مات دی اور چنگیز کی نسل نے اسلام کی روشنی میں نظر آنے والے صراط مستقیم کو پسند کر لیا۔

گورے صلیبی ظلم و جبر اور سازشوں کے ذریعے گمراہی پھیلانے کے پروگرام پر کاربند رہے۔ مسلمان حکمرانوں کی عیاشیوں اور ملاؤں کے مناظروں نے مسلم دنیا پر صلیبی اقتدار کا راستہ ہموار کیا اور وہ مسلم ممالک پر قابض ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ اس دوران میں قتل و غارت، لوٹ مار اور مسلمانوں کی نسل کشی سمیت ظلم کا ہر حربہ استعمال کیا گیا۔ افریقہ و ایشیا کے مسلم ممالک میں وہ بدترین مظالم ڈھائے گئے کہ تاریخ کے صفحات میں ان کی محض جھلکیاں پڑھ کر خوف و دہشت سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر جنگل کے خونخوار درندے ان مظالم کو دیکھ لیتے تو وہ بھی خوف سے مر جاتے۔ ظلم کا یہ سلسلہ پہلے سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ آج بھی جاری ہے۔ آج بھی صلیبی درندے سیاسی، اقتصادی اور سائنسی برتری کے ساتھ کرہ ارض پر قابض ہیں اور دوسری غیر مسلم قوتیں (ہندو، یہودی اور بدھ مت) بھی ان کی اتحادی ہیں۔ مزید یہ کہ مسلم دنیا کے تقریباً ہر ملک پر انہی کے ایجنٹ برسراقتدار ہیں۔ اس دور کے سب سے بڑے جادوئی ہتھیار "عالمی میڈیا" پر بھی انہی کا قبضہ ہے۔ اس ہتھیار نے کرہ ارض کے ہر گھر اور فرد تک ان کی رسائی کو آسان بنا دیا ہے۔ روشن خیال، ماڈریٹ اور لبرل مسلمان دانشوروں کی ایک بڑی تعداد بھی اسلام کے خلاف پراپیگنڈے میں ان کی ہم نوا ہے اور مسلم دنیا کے ذرائع ابلاغ پر بھی یہی لوگ قابض ہیں۔ عیسائی مشنریوں کو کھربوں ڈالر فراہم کئے جا رہے ہیں اور صلیبی این جی اوز کے نیٹ ورک نے پورے کرہ ارض کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ اس کے باوجود ہر براعظم میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے۔ عیسائی، ہندو، بودھ، یہودی غرضیکہ جو بھی اسلام کا مطالعہ کرتا ہے وہ اسلام کو قبول کرتا جا رہا ہے۔

مغرب و مشرق اور شمال و جنوب کے ذرائع ابلاغ نے اسلام کو "جاہلوں، دہشت

گردوں، قاتلوں، علم دشمنوں، عورتوں پر ظلم کرنے والوں‘‘ کے مذہب کے طور پر پیش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اس کے باوجود لوگ اسلام کیوں قبول کر رہے ہیں، اس سوال کا جواب آپ کو اس کتاب میں شامل نومسلموں کی ایمان افروز اور فکر انگیز رودادوں میں ملے گا۔ کتاب میں زیادہ تر ان افراد کی رودادیں ہی شامل ہیں جو گزشتہ دس بارہ سالوں میں مسلمان ہوئے ہیں۔

میرے ذہن کے کسی خانہ میں بھی مصنف، مؤلف یا صحافی بننے کا کوئی پروگرام نہ تھا۔ اور میں نے تو ایک بالکل مختلف پروفیشن کا انتخاب کیا تھا۔ ارادوں کا بھی کمزور نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے ذہین اور محنتی بھی بنایا تھا مگر میری ذہانت، محنت اور ارادوں کی مضبوطی تقدیر کے سامنے بے بس ہو کر رہ گئی۔ قلم کے میدان میں آیا نہیں بلکہ دھکیلا گیا ہوں، اسی لئے میرے ذہن نے بطور پروفیشن اسے ابھی تک قبول نہیں کیا، ہاں بطور ایک مشن اپنایا ہوا ہے۔ لکھنے کی کوئی قابل ذکر صلاحیت نہ رکھنے کے باوجود یہی مشن اور جذبہ باطل کے خلاف میرے قلم کو متحرک رکھے ہوئے ہے۔ زیر نظر کتاب ’’اسلام ہمارا انتخاب‘‘ بھی اسی مشن کا ایک مظہر ہے۔

نومسلموں کے افکار و خیالات جاننے کا شوق استاذ محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنی فاروق کی کتاب ’’ہم کیوں مسلمان ہوئے؟‘‘ کے مطالعہ کے دوران میں پیدا ہوا۔ بھارت کے نومسلم برادر محمد علی اعظمی صاحب کی ملاقات نے اس کو مزید آگے بڑھایا۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ خصوصی شعبہ ہے اور مدت دراز سے وہ اس پر کام کر رہے ہیں۔ نومسلموں کے حوالے سے اُردو، انگریزی اور دیگر زبانوں میں جس قدر مواد ان کے پاس ہے شاید ہی دنیا میں کسی اور فرد کے پاس ہو۔ اُردو زبان میں نومسلموں کی خودنوشتوں اور انٹرویوز کے مجموعے پر مشتمل ان کی کتاب بلاشبہ ایک شاہکار ہے جس میں بیسیوں عالمی شہرت یافتہ نومسلموں کی خودنوشتیں اور انٹرویوز بھی شامل ہیں۔ نومسلم خواتین کے حوالے سے ان کی کتاب ’’ہمیں خدا کیسے ملا؟‘‘ بھی ایک شاہ پارہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی ان کتب نے مجھے بھی ڈاکٹر صاحب کے نقش قدم پر چلا دیا۔ بھارت سے شائع ہونے والے مسلم جریدے ’’ریڈینس‘‘

(Radiance) میں نومسلموں کی آپ بیتیاں آنے لگیں تو میں نے ان کا ترجمہ کر کے اپنی زیر ادارت جریدے ''بیدار ڈائجسٹ'' میں شائع کرنا شروع کر دیا مگر اس موضوع پر کتاب مرتب کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ ایک روز برادر عبدالوحید سلیمانی صاحب (امیر تحریک اسلامی لاہور) نے تجویز دی کہ ان رودادوں کو کتابی صورت میں لے آئیں۔ جناب ڈاکٹر عبدالغنی فاروق صاحب سے مشورہ کیا تو انہوں نے بھی جناب عبدالوحید سلیمانی صاحب کی تجویز سے اتفاق کیا۔ اسی دوران میں بعض نامور دیندار اہل قلم نے میری لکھی اور ترجمہ کی ہوئی نو مسلموں کی رودادوں کو اپنے جرائد میں بغیر میرے نام کے شائع کرنا شروع کر دیا۔ اس سے مجھے اپنے اس کام کی اہمیت کا اندازہ ہوا اور میں نے برادر عبدالوحید سلیمانی صاحب کی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس طرح دیکھا جائے تو اس کتاب کی اشاعت کا حقیقی کریڈٹ جناب ڈاکٹر عبدالغنی فاروق صاحب کو جاتا ہے جن کی کتاب پڑھ کر نومسلموں کی رودادیں لکھنے اور ترجمہ کرنے کا میرے اندر شوق پیدا ہوا۔ دوسرے جناب عبدالوحید سلیمانی صاحب ہیں جنہوں نے ان رودادوں کو کتابی صورت میں لانے کی تجویز دی اور تیسرے چور لکھاری جنہوں نے مجھے اپنی محنت کو محفوظ کرنے کی ترغیب دی۔

قارئین محترم! پاکستان میں غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے اور انہیں اسلام سے روشناس کرانے کا کام برائے نام ہے۔ دراصل ہم دعوت دینے کے ڈھنگ سے ہی ناآشنا ہیں۔ ہم میں اپنے قرب و جوار میں رہنے والے اور دیگر غیر مسلم احباب کو اسلام کی دعوت دینے کا رجحان ہی نہیں پایا جاتا۔ اس رجحان کو بدلیں اور فلپائن کے نامور نومسلم عبدالعزیز پیڈیلا کی یہ بات یاد رکھیں: ''دوسرے لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچانا ہمارا فرض ہے' اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو یوم حساب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری باز پرس ہو گی۔ جب کوئی شخص آپ کے ساتھ بیٹھا ہو اور آپ سچائی کو اس تک نہ پہنچائیں تو آپ ایک گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن لوگوں کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور کرنا ہمارا کام نہیں' یہ تو اللہ ہے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے' ہمارا فرض صرف اسلام کا پیغام پہنچانا ہے''۔ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے کے ابتدائی مرحلے میں یہ کتاب آپ کی مددگار ثابت ہو سکتی ہے کہ

اس میں خود انہی کے مذاہب کو چھوڑ کر اسلام قبول کرنے والوں کی روداد یں ہیں۔ ان روداد وں میں ان کے مذاہب کی خامیوں اور اسلام کی خوبیوں کو بڑے اچھے انداز میں اجاگر کیا گیا ہے۔ نومسلموں کی یہ روداد یں ان کے اندر ان کے اپنے مذاہب کے بارے میں تدبر وتفکر پیدا کریں گی اور ان کے دل میں دین حق کو جاننے کی خواہش ابھرے گی۔ اس خواہش پر عمل کرتے ہوئے جب وہ قرآن مجید اور سیرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کریں گے تو ان میں اسلام قبول کرنے کا جذبہ بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

نومسلموں کی روداد وں کی ایک اور خوبی جو میں نے ترجمہ کرتے ہوئے محسوس کی وہ یہ ہے کہ یہ آپ کے اندر بھی اسلام کے مطالعہ اور اسلامی احکام پر عمل کرنے کا جذبہ ابھارتی ہیں، آپ کی اصلاح کرتی ہیں، ضمیر کو جھنجھوڑتی ہیں، آپ کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اسلام کے دین حق ہونے کے بارے میں جو سوالات ابھرتے ہیں، ان کا جواب دیتی ہیں۔ اس طرح یہ آپ کے ایمان کی مضبوطی کا باعث بن سکتی ہیں۔

بعض روداد وں میں ایک کمی بھی آپ محسوس کریں گے کہ نومسلموں نے اپنا پورا تعارف نہیں کرایا۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ مثلاً 1 - نومسلم پیشہ ور لکھاری نہیں ہیں، انہیں معلوم ہی نہیں کہ تعارف کتنی اہمیت کا حامل ہوتا ہے اس لئے نادانستگی میں وہ اہم بنیادی معلومات چھوڑ جاتے ہیں۔ 2 - انٹرنیٹ پر اپنی روداد بیان کرتے ہوئے وہ اپنے تعارف کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے، پرنٹ لینے والے بھی بذریعہ ای میل اس طرف ان کی توجہ نہیں دلاتے۔ 3 - جن کی روداد یں ہوتی ہیں وہ اپنے علاقے میں معروف ہوتے ہیں، اس لئے تعارف کا کوئی سوال نہیں اُٹھتا۔ 4 - مغربی معاشرہ اگرچہ بظاہر آزاد ہے مگر اس میں مذہبی تعصب مشرق سے بھی زیادہ ہے۔ معاشرہ اور عزیز واقارب مذہب کی تبدیلی بالخصوص اسلام قبول کرنے کو شدید نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس لئے شناخت دانستہ چھپائی جاتی ہے مگر اسلام قبول کرنے کی وجوہات اور اس کے بعد پیدا ہونے والی کیفیت کو بیان کر دیا جاتا ہے تاکہ اسلام کی سچائیاں لوگوں کے سامنے آ سکیں۔ اس بارے میں مغربی معاشرے اور سماج کے ماہر اور آکسفورڈ یونیورسٹی کے عالمی شہرت یافتہ ریسرچ سکالر عبداللہ

کریم مراد ایک یورپی ملک برطانیہ کا حوالہ دیتے ہوئے بتاتے ہیں: ''برطانیہ کے معاشرے اور سماجی حالات کے باعث اکثریت تبدیلی مذہب کا سرعام اعلان نہیں کرتی۔ برطانوی سماج میں تبدیلی مذہب کو اب بھی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر اور ان کی بیوی کو ذاتی طور پر جانتا ہوں جنہوں نے 30 سال قبل اسلام قبول کیا تھا مگر ان کے رفقاء میں سے اب تک کسی کو کچھ علم نہیں۔ علاوہ ازیں بے شمار برطانوی دانشوروں کے قبولِ اسلام کا ان کی موت کے بعد پتا چلا۔'' دیگر یورپی اور مسیحی ممالک کی صورتحال اس سے مختلف نہیں۔

میں شکر گزار ہوں رب کائنات کا جس نے اپنے فضل و کرم سے حروف و قلم کے رموز سے ناآشنا مجھ جیسے فرد کو یہ کتاب مرتب کرنے کی توفیق دی اور اشاعت کے حالات پیدا کیئے۔ میں جامع شانِ اسلام کے جنرل سیکرٹری محمد اسلم ترین صاحب کا خصوصی طور پر شکر گزار ہوں جنہوں نے ترجمہ کے دوران میں میری بڑی مدد کی۔ ریڈیئنس اور دوسرے رسائل جن سے میں نے ترجمہ کے لئے مضامین کا انتخاب کیا ان کے مدیران اور پبلشرز کا بھی تہہ دل سے ممنون ہوں۔ کتاب میں چند رودادیں ایسی بھی ہیں جن کا نہ میں نے ترجمہ کیا ہے اور نہ میں نے لکھی ہیں۔ بہرحال لکھنے والوں اور رسائل و جرائد کا حوالہ دیا گیا ہے۔ میں ان تمام مضمون نگار حضرات کا بھی شکر گزار ہوں اور ان کے لئے دعا گو ہوں۔ ممتاز مورخ اور سیرت نگار جناب طالب ہاشمی، برادر عبدالحفیظ احمد (جنرل سیکرٹری جماعت اسلامی لاہور)، شیخ آصف احمد (سرپرست اعلیٰ بیدار ڈائجسٹ)، لاہور کے بزرگ سماجی کارکن جناب محمد سلیم ہاشمی اور میرے عزیز دوست ڈاکٹر احسان اللہ خان ترین صاحب بھی میرے دلی شکریے کے مستحق ہیں کہ یہ احباب نہ صرف میری ہمت افزائی کرتے رہتے ہیں بلکہ میرے لئے دعا گو بھی رہتے ہیں۔

ملک احمد سرور

ستمبر 2001ء

کملا داس سے ثریا بننے تک

یہ گیارہ دسمبر 1999ء کا ایک یادگار دن تھا۔ جنوبی بھارت کے شہر کوچی (بعض کوچین یا کوچن بھی لکھتے ہیں) میں کیرالا لائبریری کونسل کا اجلاس ہو رہا تھا۔ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اس اجلاس میں ایک ایسا اعلان ہونے والا ہے جو اس اجلاس کو نہ صرف عالمی شہرت بخش دے گا بلکہ اسے تاریخ کے صفحات میں بھی محفوظ کر دے گا' خود اعلان کرنے والی خاتون بھی اپنے اس اعلان سے آگاہ نہ تھی۔ جب وہ تقریر کرنے کے لئے آئی تو اس نے محسوس کیا کہ ایک نور نے اس کی ذات کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے' اس کے ہاتھ آسمان کی طرف بلند ہوئے اور زبان سے بے ساختہ نکلا ''یا اللہ''۔ اس کے ساتھ ہی ساری مجلس پر ایک سناٹا چھا گیا اور حیرت نے سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ سناٹا اس وقت ٹوٹا جب اس نے کہا:

''اب میں اس کی پرستار ہوں جو اپنی ذات میں یکتا ہے''۔ یہ اعلان کرنے والی کوئی مسلمان خاتون نہ تھی بلکہ انگریزی اور ملیالم زبان کی بین الاقوامی شہرت یافتہ بھارت کی ہندو مصنفہ کملا داس تھی' جو اعلان کرتے ہی مسلمان ہو چکی تھی۔

67 سالہ کملا داس ضلع تھریسور (THRISSUR) کے گاؤں پنا یور کولام میں پیدا ہوئیں۔ ان کی ماں نالا پاٹ بالامنی اما (NALAPAT BALAMANI AMMA) مشہور شاعرہ تھیں جبکہ والد وی ایم نائر ایک اہم اخبار ماتر بھومی کے مینیجنگ ایڈیٹر تھے۔ ان

کے شوہر مادھوداس ایک بینک کے افسر اور آئی ایم ایف کے سنیئر مشیر تھے۔اسلام قبول کرنے کے بعد کملا نے بتایا: ''میں نے اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد اس مذہب کو قبول کیا ہے' یہ محبت اور امن و سلامتی کا مذہب ہے' عورت کو تحفظ دیتا ہے جس کی مجھے ضرورت ہے۔ ماہِ رمضان انسانی عقائد کی تبدیلیوں کا مہینہ ہے لہٰذا میرے اندر بھی یہ تبدیلی آ گئی ہے۔ ہندو دیوتا انسانوں کو سزائیں دیتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کرم فرماتا ہے' وہ رحمٰن و رحیم ہے اور کریم ہے۔ اس کا رحم' محبت' شفقت اور فضل و کرم اس کے غصے اور سزا پر حاوی ہے۔ بس وہی میرا اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے رسول ہیں۔ ماضی میں میرا کوئی مذہب نہیں تھا' میں نے سوچا کہ انسان کا کوئی عقیدہ تو ہونا چاہئے' آخر میں کب تک اس لفافے کی صورت میں رہوں گی جس پر کوئی پتہ درج نہ ہو' اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے' میں ہر انسان سے محبت کرتی ہوں''۔

بعد میں ایک پرائیویٹ ٹی وی چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے 67 سالہ کملا نے بتایا: ''اسلام قبول کرنے پر مجھے کسی کی تنقید کی کوئی پروانہیں' یہ میرا اپنا فیصلہ ہے۔ میں نے ہندو دیوتاؤں کی مورتیاں اور تصویریں اپنے کمرے سے اتار کر مہمان خانہ میں رکھ دی ہیں''۔ انہوں نے بتایا: ''ہندوؤں نے مجھے صرف دکھ ہی دیئے ہیں اور میرے سکینڈل ہی بنائے ہیں' اب اسلام قبول کر کے میں نے نیا جنم لیا ہے۔ میں نے کچھ قرآن سیکھ لیا ہے اور اس پر تین نظمیں بھی لکھی ہیں' اب میں اپنے گاؤں نالاپت میں ایک مسجد بنواؤں گی۔ اس مسجد میں گونجنے والی اذان کی آواز سے میرے آبائی ہندووانہ گھر کی تصویر بدل جائے گی''۔ انہوں نے بتایا کہ وہ ملیالم زبان میں مادھوی کٹی کے نام سے ہی لکھتی رہیں گی جبکہ انگریزی میں اپنے نئے مسلم نام ''ثریا'' کے نام سے لکھیں گی۔

کملا داس کے قبولِ اسلام کی داستان کا آغاز 27 برس قبل ہوتا ہے جب انہوں نے امتیاز اور ارشاد نامی دو مسلمان بچوں کو گود لیا اور انہیں ہندو بنانے کے بجائے ان کی تعلیم و تربیت اسلام کے مطابق کی۔ اس طرح ان کا اسلامی تعلیمات سے واسطہ پڑا اور آہستہ آہستہ اسلام ان کے دل میں گھر بناتا چلا گیا۔ مسلمان گھرانوں سے تعلقات نے بھی دین اسلام کی

حقانیت سے ان کے ذہن کو روشن کیا۔ کملا داس نے اپنے اندر پیدا ہونے والی تبدیلیوں سے اپنے شوہر کو آگاہ کیا، شوہر ایک آزاد خیال انسان تھا، اس نے آنے والی تبدیلیوں میں رکاوٹ بننے کے بجائے بیوی کو اسلام کے مزید مطالعہ کی اجازت دے دی۔ اسلام کے مطالعہ سے ان کے قلب و ذہن میں روشنی پھیلنے لگی اور تاریکی دور ہونا شروع ہو گئی۔ اور پھر 11 دسمبر 1999ء کو اس روشنی کی کرنوں نے رام مندر کی تاریکی میں شگاف ڈال دیئے۔

برطانوی دور کے معروف ہندو بنگالی دانشور اور شاعر رابندر ناتھ ٹیگور نے ایک بار کہا تھا کہ آئندہ 60 سالوں میں اسلام ہندوستان کے ہر گھر کی تقدیر بن جائے گا۔ اگر برصغیر کے مسلمان فرقہ وارانہ مباحث اور نسلی جھگڑوں میں پڑنے کے بجائے اسلام کی دعوت پھیلانے کی طرف توجہ دیتے، بھارت کے عوام کو توحید سے آگاہ کرتے تو آج ہندوستان کا مذہبی نقشہ مختلف ہوتا۔ اس سلسلے میں پاکستان اور بنگلہ دیش کے سرکاری ذرائع ابلاغ نے بھی کوئی مثبت کام نہیں کیا۔

15 دسمبر 1999ء کو ٹائمز آف انڈیا کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ پردہ تھا جس نے اسے اسلام کی طرف کھینچا:

"مجھے پردہ بہت پسند ہے، جو مسلمان عورتیں پہنتی ہیں۔ مجھے مسلمان عورتوں کا مروجہ طرز حیات (ORTHODOX LIFESTYLE) مرغوب ہے۔ پردہ نہایت عمدہ اور قابل تعریف لباس ہے، یہ عورت کو تحفظ کا احساس دلاتا ہے"۔ مزید کہا: "حقیقت یہ ہے کہ میں گزشتہ 24 سالوں کے دوران میں حجاب اوڑھتی اور اتارتی رہی ہوں، میں نے بازار اور سینما میں اور بیرون ملک بھی حجاب اوڑھا ہے، میرے پاس کئی حجاب ہیں۔ پردہ میں عورت قابل احترام ہوتی ہے، کوئی آپ کو تنگ نہیں کرتا، مکمل تحفظ ملتا ہے"۔

کملا داس جو کبھی ایک روشن خیال اور آزادئ نسواں کی حامی خاتون تھیں، پردہ کے بارے میں ان کے خیالات پردہ کو جبر کا نام دینے والوں کے منہ پر ایک زبردست طمانچہ ہیں۔ مستشرقین جو آئے روز حجاب کے نام پر مسلمان عورتوں کی تذلیل کرتے ہیں، سکارف کو میز پوش، برقعہ کو خیمہ اور نہ جانے کیا کیا نام دیتے ہیں، کملا ثریا نے اپنے خیالات کا اظہار

کر کے ان کو اصلیت دکھا دی ہے۔ حجاب کے بارے میں کملا ثریا کے افکار ان سب لوگوں کے منہ پر ایک تھپڑ ہیں جو عورت کو مساوات مرد و زن' عورتوں کی معاشی بہتری اور ان کا معیار زندگی بلند کرنے کے نام پر ایک جنسی کھلونا بنانا چاہتے ہیں اور اس کے لئے سخت محنت کر رہے ہیں۔ کملا ثریا کے خیالات سے ان ترقی پسند اور روشن خیال لوگوں کو بھی سخت مایوسی ہوئی جو پردے کو مسلمان عورت کی جہالت کا باعث اور پسماندگی کی علامت قرار دیتے ہیں' اسے ظلم و جبر' تنگ نظری اور بربریت تک کہتے ہیں اور جن کے خیال میں یہ عورت کی ترقی و خوشحالی اور آگے بڑھنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ انڈیا ٹوڈے نے تو تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

"بھارت میں حقوق نسواں کی تحریک کو کملا داس کے اعلان سے دھچکا لگا ہے کیونکہ ماضی میں کملا داس آزادی نسواں کی حامی رہی ہیں جبکہ اب وہ پردہ کی حمایت اور آزادی کی مخالفت کرنے لگی ہیں' وہ تحفظ کو عورت کی اصل خواہش قرار دے رہی ہیں"۔ جریدے کے مطابق کملا داس نے کہا کہ اسلام کو پانے کے بعد وہ دنیا کی ہر چیز کو اس نعمت پر قربان کر سکتی ہیں۔

کملا ثریا کا کہنا ہے:

"اسلام عورت کو مکمل آزادی اور مرد کے برابر کا مقام و مرتبہ دیتا ہے اور اس کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تاکید کرتا ہے۔ پابندیاں صرف ان معاشروں میں ہیں جہاں اسلامی احکام کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ اسلام خواتین کے حقوق غصب نہیں کرتا' یہ سماجی ناہمواریاں ہیں جن کے باعث خواتین کے حقوق متاثر ہو رہے ہیں۔ شوہر اور بزرگوں کی اطاعت گزاری کو میں آزادی سے محرومی تصور نہیں کرتی۔ میرے پاس کافی آزادی ہے' مجھے مزید اس کی کوئی ضرورت نہیں' آزادی تو میرے لئے ایک بوجھ بن چکی ہے۔ میں تو اپنی زندگی میں نظم و ضبط کے لئے رہنمائی چاہتی ہوں۔ مجھے تو اپنے تحفظ کے لئے ایک آقا (MASTER) چاہئے۔ میں تحفظ چاہتی ہوں آزادی نہیں' میں تو اللہ کی اطاعت و بندگی کرنا چاہتی ہوں' میں تو اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کی اطاعت میں دے چکی ہوں' میں اللہ کے احکام اور اس کی

مقررہ حدود و قیود پر مطمئن اور خوش ہوں''۔

کملا ثریا کے مطابق اسلام کرہ ارض کا واحد مذہب ہے جو عورت کی عزت و عظمت اور امتیاز و شہرت کو تسلیم کرتا ہے جبکہ ہندو مت میں ایسی کوئی بات نہیں۔

اسلامی مطالعہ کے دوران میں اسلام کی حقانیت کی تو وہ قائل ہو چکی تھیں مگر اسلام قبول کرنے کا اعلان کب کرنا ہے' اس کا فیصلہ ثریا نے قدرت پر چھوڑ رکھا تھا۔ قرآن مجید میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج کے طلوع و غروب سے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس' اس کی کبریائی' عظمت اور قدرت کو پہچانا۔ ثریا نے بھی سورج ہی سے اشارہ لیا۔ وہ بتاتی ہیں:

''میں حال ہی میں مالا بار سے کوچی کی طرف کار میں سفر کر رہی تھی۔ صبح پونے چھ بجے سفر کا آغاز کیا تھا' میں نے طلوعِ آفتاب کا منظر دیکھا۔ خلاف توقع طلوعِ آفتاب کا رنگ غروبِ آفتاب جیسا تھا۔ یہ میرے ساتھ سفر کرتا رہا اور سات بجے صبح یہ سفید ہو گیا۔ میں کئی سالوں سے کسی ایسی ہی علامت کا انتظار کر رہی تھی جو یہ بتائے کہ مجھے اسلام کب قبول کرنا ہے۔ قدرت نے سورج کے بدلتے رنگ سے مجھے قبولِ اسلام کا پیغام دے دیا تھا''۔

خلیج ٹائمز اور دیگر کئی جرائد کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا:

''میں اسلام کو نئی ہزار ی کے مذہب کے طور پر متعارف کرانا چاہتی ہوں۔ میں لوگوں کو اسلام کی حقانیت اور فضیلتوں سے آگاہ کروں گی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میں جن خوشیوں کے تجربات سے گزری ہوں' لوگوں کو ان میں شریک کرنا چاہوں گی۔ قبولِ اسلام کے بعد میں جو اطمینانِ قلب محسوس کرتی ہوں' اس کو بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسی خوشی کبھی محسوس نہیں کی۔ میں اپنے آپ کو محفوظ اور چاہی جانے والی محسوس کرتی ہوں۔ میں ایک بوڑھی عورت ہوں اور میں اس محبت کو چاہتی ہوں۔ دولت ایسی خوشیاں نہیں لا سکتی' مجھے دولت کی کوئی ضرورت نہیں''۔

اسلام ہر دور کا مذہب ہے' اسے تمام باطل ادیان اور نظریات پر غالب آنا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ مسلمان ڈاکٹر کملا ثریا کے عزائم کا ساتھ دیتے ہوئے اسے نئی ہزار ی کا دین بناتے

ہیں یا نہیں۔

ڈاکٹر کملا ثریا کا قبولِ اسلام کئی لحاظ سے منفرد ہے مثلاً یہ کہ :

1- وہ بھارت کی پہلی عالمی شہرت اور ایوارڈ یافتہ ہندو مصنفہ ہے جس نے اسلام قبول کیا ہے۔

2- اس نے ایک ایسے وقت اسلام قبول کیا ہے جب بھارت میں تبدیلی مذہب کے خلاف انتہا پسند ہندو بھرپور سرگرم عمل ہیں، تشدد، قتل اور ہر گھٹیا ہتھکنڈا اختیار کئے ہوئے ہیں۔ انتہائی ظالمانہ حربوں سے وہ مسلمانوں کو بھی ہندو بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بھارت میں رہتے ہوئے کسی تنہا فرد کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اسلام قبول کرنے کا اعلان کر کے انتہا پسندوں کی دشمنی مول لے۔ اس لحاظ سے ڈاکٹر ثریا کا اعلان بے انتہا جرات مندانہ ہے۔

3- اسے کسی مسلمان مذہبی یا سیاسی لیڈر یا کسی دعوتی تنظیم نے اسلام قبول کرنے کی دعوت نہیں دی، اس کا قبولِ اسلام خالصتاً اس کی اسلام کے متعلق تحقیق کے باعث ہے۔

4- بھارت میں جو بھی مسلمان ہوتا ہے اس پر الزام لگتا ہے کہ اس نے دولت یا کسی عرب ملک کے ویزے کی خاطر اسلام قبول کیا ہے۔ کملا ثریا پر ایسا کوئی الزام نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ اس کا تعلق نہ صرف ایک امیر فیملی سے ہے بلکہ خود اس کی اپنی آمدنی بھی کم نہیں۔

5- اسلام قبول کرنے والی ہندو خواتین پر یہ الزام بھی لگتا ہے کہ انہوں نے خوبصورت مسلمان نوجوانوں سے محبت اور شادی کی خاطر اسلام قبول کیا ہے مگر کملا ثریا کی عمر تو 67 سال ہے، وہ نہ تو کسی مسلمان کی محبت میں گرفتار ہوئی ہے اور نہ اسے شادی کی ضرورت ہے۔

6- بھارت میں زیادہ تر نیچی ذات کے ہندو اسلام قبول کرتے ہیں اور کملا ثریا کا تعلق اونچی ذات کے ہندوؤں سے ہے۔

بھارت کی معروف خاتون لکھاری پروفیسر صلا جوزف نے کملا ثریا کے قبولِ اسلام پر

تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ مذہبی انتہا پسندی کے دور میں ثریا کا فیصلہ انتہائی فکر انگیز ہے' یہ کوئی معمولی یا آسان فیصلہ نہیں ہے خاص طور پر کسی اونچی ذات کے ہندو کا مذہب تبدیل کرنا بہت بڑا فیصلہ ہے۔

مسٹر ذا چاریہ (ZACHARIA) نے کہا: ''پیغمبر محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)کی جمہوری و سماجی تعلیمات کے باوجود بدقسمتی سے کیرالا میں اسلام قربانی کا بکرا بنا ہوا ہے (یعنی بلاقصور مجرم ٹھہرایا گیا ہے) لیکن یہ ایک حیران کن خوش آئند بات ہے کہ مادھوی کٹی جیسی ایک ذہین وفطین اور بارسوخ شخصیت نے اسلام قبول کیا ہے۔ اس سے ہماری سوسائٹی کی لچک کا اظہار ہوتا ہے جو اچھی اقدار کا مظہر ہے۔ قتل و غارت اور پُرتشدد کارروائیوں کی خبروں میں ثریا کے قبولِ اسلام کی خبر کیرالا کے لئے خاص طور پر ایک خوبصورت خبر ہے''۔

ایک اور لکھاری پروفیسر ایم این وجائن (VIJYAN) نے کہا: ''مادھوی کٹی نے سیاسی دیو مالائی خرافات جسے ''ہندو ازم'' کہا جاتا ہے میں دھماکہ کیا ہے''۔ معروف ادیب او۔ وی۔ وجائن نے کملا ثریا کو ان کے جرات مندانہ فیصلے پر (ٹیلی فون پر) مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ میں بہت خوش ہوں کہ مادھوی کٹی نے بالآخر اپنی آزادی کا بہترین استعمال کیا ہے۔

باوجود کہ کملا ثریا سنگھ پریوار کی زبردست حامی رہی ہیں' ہندوؤں کو ان کا فیصلہ ہضم نہ ہو پایا اور انتہا پسندوں نے انہیں جان سے مارنے تک کی دھمکیاں دیں۔ کملا ثریا اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی قدرت کاملہ پر یقین کامل رکھتی ہیں اس لئے انہوں نے ان دھمکیوں کی کوئی پروا نہ کی اور کہا: ''میں اپنا ہر معاملہ اللہ پر چھوڑ چکی ہوں' وہ زندگی کے آخری سانس تک میری حفاظت کرے گا''۔ خلیج ٹائمز کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا: ''ہندوؤں کی دھمکیوں کی مجھے کوئی پروا نہیں' میں نے اپنی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دی ہے' مجھے یقین ہے کہ وہ میرا سب سے بہتر تحفظ کرے گا کیونکہ وہی سب سے بڑا تحفظ دینے والا ہے''۔

ہندوؤں نے ان پر گوروو ایور مندر (GURUVAYOOR TEMPLE) سے ہندو دیوتا ''کرشنا'' کا بت چرانے کا الزام بھی لگایا اور کہا کہ وہ اس مورتی کو ''محمد'' بنانا چاہتی

ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ وہ تو 14 سال سے مندر ہی نہیں گئی اس لئے چوری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ثریا کے قبولِ اسلام کے کئی ہفتے بعد خلیج ٹائمز لکھتا ہے کہ بھارتی شہر کوچن کے گاندھی نگر میں وائل سٹیڈیم کے قریب سات نمبر فلیٹ ثریا کے قبولِ اسلام کے بعد سے اب تک لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے' ثریا کے ٹیلی فون کو 5 منٹ کا بھی وقفہ نہیں ملتا اور دنیا بھر سے انہیں مبارک باد کے پیغام مل رہے ہیں۔ اپنے انٹرویو میں وہ مزید بتاتی ہیں کہ قبولِ اسلام سے مجھے جو سکون قلب میسر ہوا ہے وہ بیان کی حد سے باہر ہے' میں نے زندگی میں اس قدر طمانیت کو کبھی محسوس نہیں کیا تھا' مجھے اب موت سے کوئی خوف نہیں ہے۔ میرا یہ کامل یقین ہے کہ مرنے کے بعد میرا اللہ مجھے سہارا دے گا تاہم اس عمر میں موت کو فراموش نہیں کر سکتی۔

اس سوال پر کہ کیا آپ نے ہندو ازم میں بعد از موت جلائے جانے کے عذاب سے بچنے کے لئے تو کہیں اسلام قبول نہیں کیا؟ کا جواب انہوں نے نفی میں دیا اور کہا کہ میں شروع سے ہی لاش جلانے کی مخالف تھی لیکن یہ ایک معمولی سی بات ہے' میں نے اسلام کو سمجھنے کے بعد قبول کیا ہے۔ مجھے اسلام کے بارے میں کافی فہم ہے۔ چند سال پہلے میں نے اپنے شوہر سے اسلام کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ انہوں نے مجھے اسلام کے گہرے مطالعہ کا مشورہ دیا۔ میں نے اسلام کا گہرا مطالعہ تو نہیں کیا لیکن کافی حد تک سمجھ گئی ہوں۔ میں نے قبولِ اسلام اس وقت کیا جب مجھے محبت اور تحفظ کی ضرورت محسوس ہوئی۔

ساتھی مصنفین کے ردعمل کے بارے میں انہوں نے کہا کہ کچھ لوگ ناراض ہیں لیکن مجموعی طور پر ردعمل خراب نہیں ہے۔ بچوں کے نقطہ نظر کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ میں ان کی والدہ ہوں' وہ میری خوشی ہی چاہیں گے۔ پھر ہمارے خاندان میں سب کو آزادی حاصل ہے' میرے ایک بیٹے نے بدھ مذہب اپنا لیا ہے اور میں نے اسلام قبول کیا ہے۔ اسلامی احکامات پر عملدرآمد کے بارے میں انہوں نے کہا کہ میں ایک اچھے مسلمان کی حیثیت سے ان کی پابندی کروں گی۔ مجھے دولت کی ضرورت نہیں ہے' دولت انسان کی زندگی میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی' مجھے کسی کے ردعمل کی بھی کوئی پروا نہیں' یہ چند افراد ہیں جو اعتراض کرتے

ہیں باقی مجموعی طور پر ردعمل بہت اچھا ہے۔ ہندوؤں کی طرف سے دھمکیوں کے بارے میں انہوں نے کہا کہ میں ان دھمکیوں سے خوفزدہ نہیں، پولیس نے مجھے سکیورٹی کی پیشکش کی تھی لیکن میں نے وہ مسترد کر دی، میں نے سب کچھ اپنے اللہ پر چھوڑ دیا ہے اور وہی میری حفاظت کرے گا جو پوری دنیا کا محافظ ہے۔ اس سوال کہ کیا آپ کے خیال میں بھارتی معاشرے کے مقابلے میں اسلام میں عورت کو زیادہ آزادی حاصل ہے، کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ہاں جب سے میں نے پردہ کیا ہے تو مجھے احساس تحفظ ہوا ہے، اسلام نے خواتین کو برابری کے حقوق دیئے ہیں، پردے کی حالت میں کوئی بھی مرد خاتون کو چھیڑ نہیں سکتا۔ آئندہ شاعری کے بارے میں انہوں نے کہا وہ اپنے رب کی حمد وثنا میں نظمیں لکھیں گی اور اس سال 1999ء کے اواخر تک ایک کتاب منظر عام پر آجائے گی۔ ٹائمز آف انڈیا کو دیئے گئے انٹرویو میں جب ان سے پوچھا گیا کہ اب جب آپ ہندو نہیں رہی ہیں تو ہندوستان آپ کو کیسا محسوس ہو رہا ہے، کے جواب میں انہوں نے کہا کہ بہت اچھا، یہی آزادی ہے۔ گزشتہ 14 سال سے میں مندر نہیں گئی ہوں۔

ثریا کے بچوں کا کہنا ہے: ''امی کملا داس ہوں یا ثریا وہ ہر رنگ میں ہماری ماں ہیں، ہمیں ان کے فیصلے پر کوئی تعجب نہیں، ان کے مسلمان ہونے کے باوجود ہم ان کے ساتھ ہیں اور ارشاد اور امتیاز ہمارے بھائی ہیں''۔

اپنے ایک اور انٹرویو میں انہوں نے کہا: ''میرا یہ احساس کہ'' اسلام محبت، ہمدردی، تلطف اور دردمندی کا دین ہے'' درست ثابت ہوا ہے، تمام مسلم ممالک سے مجھے برابر فون آرہے ہیں جن میں میرے لئے دعائیں، محبت اور عقیدت ہوتی ہے--- میرا ارادہ مکہ جانے کا ہے--- میں خاک مدینہ کو چومنا چاہتی ہوں''۔

(حوالہ جات: روزنامہ نوائے وقت، روزنامہ جسارت، ہفت روزہ ریڈینس کے مختلف شمارے)

☆☆☆☆☆

معہد العالمی الاسلامی حیدر آباد (بھارت) کے محمد ریاض موسیٰ ملیباری نے ڈاکٹر کملا ثریا سے 18 اپریل 2000ء کو تفصیلی انٹرویو کیا۔ یہ انٹرویو ''نور توحید، نیپال'' کے حوالہ سے

ماہنامہ دعوۃ اسلام آباد کے شمارہ جنوری 2001ء میں بھی شائع ہوا ہے۔ اگرچہ مذکورہ بالا سطور میں بیان کی گئی کئی باتوں کا انٹرویو میں تکرار ہو گا مگر پھر بھی بلا کسی قطع و برید کے یہ انٹرویو ذیل میں دیا جا رہا ہے تاکہ انٹرویو میں بیان کی گئی باتوں کا ربط متاثر نہ ہو۔

☆☆☆☆☆

رمضان 1420ھ میں ہندوستان بھر کے مسلمانوں کے درمیان اس وقت خوشی کی لہر دوڑ گئی جب بین الاقوامی شخصیت اور شہرت کی حامل ادیبہ اور انگریزی زبان کی مشہور شاعرہ کملا داس نے اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کیا۔ ''کملا'' ان کا اصل نام اور ''داس'' ان کے شوہر کے نام کا جز ہے۔ ''کملا'' جس کو اردو میں ''کنول'' کہا جاتا ہے بی جے پی کا انتخابی نشان بھی ہے۔ ''کملا'' کا قبولِ اسلام درحقیقت ایک فال نیک اور اس ''کنول'' کے اندر اس قسم کے امکانی انقلاب کی طرف ایک واضح اشارہ ہے۔ ماہ رمضان میں عمرہ کے بعد سب سے پہلی دعا میں نے ثریا کی استقامت کے لئے کی اور واقعی اس وقت بھی مخالفین اور شرپسندوں کی سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ''کملا'' کی استقامت کے لئے دعا کرنا ہمارے لئے انتہائی ضروری ہے' اس لئے بھی کہ وہ اپنی ذات کے اندر تنہا ایک فرد نہیں بلکہ ایک انجمن ہیں۔ ان کا قبولِ اسلام ایک معتدبہ تعداد کے قبولِ اسلام کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر کملا ثریا قبولِ اسلام سے قبل بھی اپنی زندگی میں ایک مصروف خاتون تھیں۔ قبولِ اسلام کے بعد تو پوری مسلم قوم اُمڈ اُمڈ کر آ رہی تھی اور ان سے ملاقات کے لئے کوشاں تھی۔ مجھے ان سے ملاقات کے لئے وقت لینے میں کافی دقت پیش آئی۔ بالآخر مولوی محمد یونس عمری کیرالا کے تعاون سے 18 اپریل 2000ء بروز منگل بعد دوپہر کا وقت طے پایا۔ جب میں شہر ایرنا کولم پہنچا تو انہیں اپنا منتظر پایا' چنانچہ میں نے ان سے درج ذیل سوالات کئے:

سوال: آپ اپنا مختصر تعارف کروا دیں؟

جواب: میرا نام کملا تھا۔ جب میں ملیالم میں کہانیاں لکھنے لگی تو اپنا قلمی نام مادھوی کٹی رکھ لیا۔ انگریزی شاعری میں نے کملا داس کے نام سے کی ہے۔ اب میرا نام کملا ثریا ہے۔ میں 1933ء میں کیرالا کے ایک مشہور نائر خاندان میں پیدا ہوئی جس کا نام نالا پاڑ ہے۔ میری

والدہ بالامنی اما بھی مشہور شاعرہ تھیں اور میرے والد وی ایم نائر ملیالم کے ایک اہم روزنامہ ماتر بھومی کے ایڈیٹر تھے۔ میرے تین لڑکے ہیں، بڑا لڑکا این ڈی نالا پاڑ ہندوستان کا ایک مشہور صحافی ہے اور روزنامہ ماتر بھومی اور ٹائمز آف انڈیا کا ایڈیٹر رہ چکا ہے اور فی الوقت ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں وزیٹنگ پروفیسر ہے۔ دوسرا لڑکا چینن داس پورے جنوبی ہند میں ٹائمز آف انڈیا کا ڈائریکٹر ہے اور آج کل بنگلور میں مقیم ہے۔ تیسرا لڑکا جے سوریا ٹائمز آف انڈیا پونا کا مینیجر ہے۔ ان کے علاوہ میرے پرورش کردہ دو مسلم لڑکے بھی ہیں۔ دونوں نابینا ہیں۔ دونوں کو میں نے اچھی طرح تعلیم دلائی ہے۔ ان میں سے ایک کا نام پروفیسر ارشاد احمد ہے۔ دوسرے کو میں نے لندن میں تعلیم دلوائی ہے، اس کا نام بیرسٹر امتیاز احمد ہے۔ یہ سارے اپنے فارغ اوقات میں میرے پاس آتے جاتے ہیں، باوجودیکہ وہ ہندوستان کے مختلف خطوں میں مصروف زندگی بسر کر رہے ہیں۔ میرے شوہر مادھو داس ریزرو بینک کے ایک افسر تھے۔ 1992ء میں وہ انتقال کر گئے۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ اس خوشحال گھریلو پس منظر، شہر کی بھیڑ بھاڑ، اور ادبی دنیا کے وسیع تعلقات کے باوجود میں ہمیشہ ایک بھیانک باطنی تنہائی کے عذاب میں مبتلا رہی۔ اب معاملہ بالکل برعکس ہے۔ رب ذوالجلال کی محبت سے میری روح پرسکون و مطمئن ہے۔

سوال : آپ اپنی ادبی خدمات کے متعلق کچھ معلومات فراہم کیجئے جو قارئین کے لئے مفید ہوں؟

جواب : میں نے بچپن ہی سے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ 1952ء میں میری پہلی کتاب ملیالم میں شائع ہوئی۔ 1964ء میں اپنے انگریزی اشعار کے مجموعہ پر مجھے ایشین پوئٹری ایوارڈ (Asian Poetry Award) ملا، 1965ء میں ایک دوسری تصنیف پر کینٹ (KENT) ایوارڈ ملا جو ایشیائی ملکوں میں لکھی جانے والی انگریزی کتابوں پر دیا جاتا ہے۔ میری اس کتاب کا نام Summer in Calcutta تھا۔ اسی سال آسان ورلڈ پرائز اینڈ اکیڈمی ایوارڈ بھی ملا۔ 1969ء میں کیرالا ساھتیہ اکیڈمی (Sahitya Academy) ایوارڈ ملا۔ ان کے علاوہ میں السٹریٹڈ ویکلی کی پوئٹری ایڈیٹر، کیرالا چلڈرنز

فلم سوسائٹی کی صدر، کیرالا فارسٹری بورڈ کی چیئرپرسن اور انگریزی رسالہ پوئٹ کی اورینٹل ایڈیٹر رہ چکی ہوں۔ اس کے علاوہ میری ایک تصنیف "میرا قصہ" (Ente Katha) ہے جو ہندوستانی زبانوں کے علاوہ پندرہ غیر ملکی زبانوں میں شائع ہو چکی ہے۔ (ڈاکٹر ثریا کے انگریزی اشعار دنیا کی کئی مشہور یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہیں۔ علاوہ ازیں گزشتہ سال نوبل پرائز کے لئے جن کے نام تجویز کئے گئے تھے ان میں وہ بھی شامل تھیں)

سوال : اسلام سے آپ کا تعلق کس زمانے میں قائم ہوا؟

جواب : ارشاد احمد اور امتیاز احمد کی پرورش جب میں نے اپنے ذمہ لی تو ارادہ کیا کہ ان کی اسلامی تعلیم کا بھی انتظام ہو مگر کوئی قابل عالم نہ مل سکا۔ مجبوراً مجھے خود اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کر کے انہیں سمجھانا پڑا، اس طرح مجھے اسلام کا تعارف حاصل ہوا۔

سوال : اسلام کی کس تعلیم نے آپ کو متاثر کیا؟

جواب : پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ نے مجھے بے انتہا متاثر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی 63 سالہ زندگی کئی مراحل سے گزری ہے۔ آغازِ زندگی میں آپؐ ایک حسین و جمیل مگر یتیم بچے تھے۔ نبوت ملی اور آپؐ ایک وسیع سلطنت کے حکمران بنے مگر آپ کی زندگی ایک مسکین اور فقیر کی زندگی رہی۔ آپؐ نے کبھی اپنا معیار زندگی نہیں بدلا یقیناً اس چیز نے مجھے بے انتہا متاثر کیا۔

سوال : قبولِ اسلام کی خواہش آپ کے دل میں کب پیدا ہوئی؟

جواب : 1972ء میں پہلے پہل اسلام قبول کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اس وقت میں نے اپنے شوہر سے اپنی خواہش ظاہر کی۔ وہ ایک بھگت ہندو تھے، انہوں نے کہا کہ بچوں کی شادی ہو جانے دو پھر اسلام قبول کر لینا ورنہ ہندو اور مسلمان دونوں ہم سے ناراض ہو جائیں گے۔ ایک ماں کی حیثیت سے میں نے اپنے بچوں کی خاطر سکوت اختیار کر لیا، میں کسی کے لئے رکاوٹ یا پریشانی کا باعث بننا نہیں چاہتی تھی۔

سوال : 11 دسمبر 1999ء کو کوچین میں کیرالا لائبریری کونسل کا افتتاح کرنے کے لئے جاتے ہوئے کیا آپ نے یہ طے کیا تھا کہ وہاں قبولِ اسلام کا اعلان کریں گی؟

جواب : نہیں، نہیں، پہلے سے ایسا کوئی فیصلہ نہیں تھا۔ افتتاحی کلمات میری زبان سے ادا ہو رہے تھے تو مجھے محسوس ہوا کہ جیسے ایک نور میرے قریب ہوا ہو۔ اسی لمحہ میرے دل نے بذات خود فیصلہ کرلیا اور زبان نے بے ساختہ اس کا اظہار کر دیا۔ میرے ہاتھ خود بخود آسمان کی طرف اٹھ گئے اور میری زبان سے ''یا اللہ'' کا لفظ نکلا اور تقریباً اسی کیفیت میں دس منٹ تک مجھ پر اور ساری مجلس پر ایک سکتہ طاری رہا۔ ہزاروں کے اس مجمع میں ایک بھی مسلمان نہ تھا۔ اس وقت میں نے اپنی دیرینہ خواہش پوری کر دی جو ایک زمانہ سے میرے سینے میں دبی ہوئی تھی۔

سوال : قبولِ اسلام کے بعد آپ اپنے اندر کیا تبدیلی محسوس کر رہی ہیں؟

جواب : قبولِ اسلام سے قبل میں جس باطنی تنہائی کے عذاب میں مبتلا تھی اس سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا مل گیا ہے۔ پہلے میرا اپنا کوئی نہ تھا اب میرے لئے اللہ ہے، اس لئے میں بے انتہا خوش ہوں۔ فجر سے قبل 3 بجے اٹھ کر اللہ کے دربار میں گڑگڑانے سے مجھے ایک عجیب سکون ملتا ہے جو گزرے ہوئے 67 سالوں میں کبھی حاصل نہ ہوا تھا۔ پہلے میں خود اپنے آپ کی بندی تھی مگر اب میں ایک مالک کی بندی ہوں جو کائنات کا پروردگار اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے۔ میں نے زندگی میں آزادی کا مزہ خوب چکھا ہے اب میں اس سے تنگ آ گئی ہوں۔ عورتوں کا خیال یہ ہے کہ انہیں آزادی چاہئے۔ میں نے اپنی 67 سالہ زندگی سے جو سب سے اہم سبق سیکھا ہے وہ ساری دنیا کی عورتوں کے سامنے بیان کر رہی ہوں، کہ عورتوں کو آزادی نہیں چاہئے۔ یہ آزادی انہیں سینکڑوں افراد کا غلام بناتی ہے، عورتوں کو تحفظ چاہئے --- کیونکہ وہ کمزور ہیں۔ میں آج محفوظ ہوں۔ عورتوں کو مطلوب تحفظ عطا کرنے والا مذہب صرف اور صرف اسلام ہے۔ ساتھ ہی ساتھ میں اپنے اندر ہونے والی جسمانی تبدیلی کا تذکرہ بھی مناسب سمجھتی ہوں۔ میں ایک بوڑھی عورت ہی نہیں ایک بیمار عورت بھی ہوں۔ ذیابیطس کی بیماری نے مجھے کمزور کر دیا ہے، تین مرتبہ دل کا دورہ پڑ چکا ہے۔ میں گھر کے اندر بھی ویل چیئر کے بغیر گھوم نہیں سکتی تھی۔ قبولِ اسلام کے بعد میرا جسم توانا ہو گیا ہے، ہر جگہ میں خود چل کر جاتی ہوں۔ ویل چیئر کو میں نے اسٹور روم میں ڈال دیا ہے۔ اس کے علاوہ

ساری دنیا کے مسلمان مجھ سے قریب ہوئے ہیں۔ وہ محبت کے ساتھ مجھ سے ملتے جلتے ہیں، مجھے خط لکھتے ہیں، مجھ سے فون پر گفتگو کرتے اور مجھے دعوت دیتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں، میں ممبئی گئی تھی جہاں ڈاکٹر ذاکر نائک اور مولانا سلمان ندوی صاحب سے ملاقات کی۔ فی الوقت میں قطر سے واپس آئی ہوں۔ بہت سے عرب ممالک کی طرف سے مجھے دعوت مل رہی ہے۔ ماں کے مقدس لقب سے نواز کر لوگ میرا احترام کرتے ہیں۔

سوال : آپ کے قبولِ اسلام پر مخالفین اسلام کے تاثرات کیا ہیں؟

جواب : بے شمار خطوط اور فون ایسے آتے رہے ہیں جن میں ہندو قوم میں واپسی کے لئے نصیحت ہی نہیں بلکہ دھمکی بھی دی گئی تھی۔ شیو سینا کے لوگوں نے وقت اور دن متعین کر کے دھمکی دی کہ اگر دیئے گئے وقت سے پہلے اسلام کو ترک نہ کیا تو ہم قتل کر دیں گے۔ شہر کی دیواروں پر میرے خلاف پوسٹر چپکائے گئے۔ اس وقت میری ایک سہیلی، پولیس I.G. کی بیوی نے مجھ سے کہا کہ پولیس کو تحفظ کے لئے درخواست دے دو، پولیس تمہاری حفاظت کرے گی۔ میں نے اسے جواب دیا کہ مجھے کسی کے تحفظ کی ضرورت نہیں۔ موت تک کے لئے مجھے تحفظ مل چکا ہے۔ یہ تحفظ اللہ کی جانب سے ہے۔ اللہ جب چاہے میں مرنے کے لئے تیار ہوں۔ رہا مسئلہ ظالموں کے حملے کا تو یوں سمجھو کہ اس سے مجھے ایک بہت بڑی فضیلت ملے گی، میں شہید کہلاؤں گی۔ یہ اتنی بڑی سعادت ہے کہ اپنی بقیہ زندگی میں پوری کوشش کے باوجود میں ایسی سعادت حاصل نہیں کر سکتی۔ میں نے اپنی سہیلی کو تسلی دی۔ ایک مرتبہ ایک شخص میرے گھر میں داخل ہوا اور مجھے اذیت پہچانا چاہی، اس وقت گھر پر میرا لڑکا موجود تھا، اس نے اسے بھگا دیا۔ ایک اور موقع پر ایک گروہ نے میرے گھر کے دروازے پر پہنچ کر رات کے وقت شور و ہنگامہ کیا۔ میں نے اپنے فلیٹ کا دروازہ کھولا اور ان سے کہا کہ جس کو اپنی جان عزیز ہو وہ واپس چلا جائے چنانچہ سبھی خاموشی کے ساتھ لوٹ گئے۔

سوال : آپ کے بچوں کے تاثرات کیا ہیں؟

جواب : میرے لڑکے میری خوشی اور میری بھلائی چاہتے ہیں۔ میری زندگی میں آنے والی تبدیلیوں کو وہ بہت پہلے سے دیکھ رہے تھے۔ میرے بڑے لڑکے سے پریس والوں نے اس

سلسلے میں سوال کیا تو اس نے جواب دیا: ''گزشتہ 67 سال سے میری ماں کے دل کی یہ تڑپ تھی جسے انہوں نے اب ظاہر کیا ہے۔ اس پر صرف میں نہیں بلکہ میرے سارے بھائی خوش ہیں۔ ماں کے قبولِ اسلام کی ضروری کارروائیوں کا اہتمام خود میں نے کیا تھا''۔

سوال : قبولِ اسلام کے بعد اپنے قدیم احباب اور ادبی دنیا سے آپ کے تعلقات کیسے ہیں؟

جواب : میں ہر ایک کو اسلام سمجھانے کی کوشش میں لگی ہوئی ہوں مگر یہ کام زبردستی کسی چیز کو مسلط کرنے کے انداز میں نہیں بلکہ نرمی اور محبت کے ساتھ سمجھا کر انجام دے رہی ہوں' اس لئے سب سے میرے تعلقات پہلے کی طرح برقرار ہیں۔ میرے اس انداز کو ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے پسند کیا اور تعریف کی ہے۔

سوال : آپ کے سفر قطر کے سلسلہ میں بھی قارئین کچھ جاننا چاہتے ہیں؟

جواب : قطر یونیورسٹی کے علاوہ وہاں کے خواص وغیرہ کے لئے مختلف اوقات اور مقامات پر آٹھ اجلاس منعقد کئے گئے۔ ان کے علاوہ کیرالا کے لوگوں کے لئے بھی دو مستقل پروگرام رہے۔ چونکہ سامعین عرب تھے لہٰذا میری انگریزی تقریر کا عربی میں ترجمہ کیا گیا' ساری مجالس باوقار' سنجیدہ اور منتخب افراد کے لئے تھیں۔ میں نے اس سے قبل دنیا کے بہت سے ممالک کے دورے کئے ہیں مگر مجھے ہمیشہ اجنبیت کا احساس ہوا تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد یہ پہلا غیر ملکی دورہ تھا جس میں محسوس ہوا کہ میں اپنے ہی خاندان کے لوگوں میں ہوں۔ تبادلہ خیال کے دوران میں' میں نے عربوں کے تعلق سے اپنے خیالات کا اظہار کیا تو انہوں الحمد للہ کہہ کر میری ہمت افزائی کی۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی اور وزیر تعلیم و تربیت سے اچھے تعلقات قائم ہوئے۔ مستقبل قریب میں منعقد ہونے والے ایک تعلیمی اجلاس میں شرکت کے لئے وزیر تعلیم نے مجھے دعوت بھی دی ہے۔ دنیا کے مختلف علاقوں میں رہنے بسنے والے مسلمانوں نے ہدیئے بھیج کر مجھے حیران کر دیا ہے۔

سوال : آئندہ آپ کیا کرنا چاہتی ہیں؟

جواب : انشاء اللہ آئندہ چھ ماہ کے اندر اللہ کی ذات مقدسہ سے متعلق اشعار کا ایک مجموعہ

شائع کرانے کا پروگرام ہے۔ نیز ملک کے ذہین طبقے میں اسلام کی دعوت پہنچانا چاہتی ہوں۔ کیرالا کے بوڑھوں کے لئے ایک قیام گاہ یا سنٹر بنانے کا منصوبہ بھی میرے مستقبل کے پروگراموں میں شامل ہے۔ میں باقی ماندہ زندگی میں کچھ نہ کچھ کر کے اللہ سے ملاقات کرنا چاہتی ہوں، اسی لئے میں نے اپنی زمین وقف کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آر ایس ایس کے لوگوں نے مجھے اس زمین پر نہ آنے کی دھمکی دی ہے۔ آپ میرے لئے دعا کریں۔

سوال : مسلمانوں سے آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟

جواب : میں ایک مسلمان کی زندگی گزاروں اور مومن کی موت مروں، اس سلسلہ میں آپ لوگ میرے حق میں دعا کریں۔

سوال : ہندوستانی مسلمانوں کے لئے آپ کا پیغام کیا ہے؟

جواب : سارے مذاہب اور فلسفوں کا زمانہ گزر چکا ہے۔ ابتداء میں وہ اچھے رہے ہوں گے مگر اب وہ ناقابل عمل (Expire) ہو چکے ہیں، صرف اسلام Expire نہ ہو سکا۔ ملک کے لوگ بھی اس کے خواہش مند ہیں مگر مسلمانوں کی بے عملی کو دیکھ کر وہ ٹھٹک جاتے ہیں۔ ہمیں اس صورت حال کو بدلنا ہے تاکہ ہمیں دیکھ کر انہیں اسلام پسند آئے۔ ایسے حالات پیدا کرنا ہمارا اصل کام ہے۔ مسلمان بہت خوش قسمت اور خوش نصیب ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مسلمان بنایا ہے، مگر اب ہمیں اپنے آپ کو اس خوش نصیبی کا مستحق ثابت کرنا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنی ہے، جاہلی تہذیبوں سے اپنے آپ کو بچانا ہے، ایک سچے مسلمان کی زندگی گزارنا اور غیر مسلموں تک اسلام کا پیغام پہنچانا ہے۔

******

حضرت محمد ﷺ کی آمد کی بشارت حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے

''اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ اے بنی اسرائیل، میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے، اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔'' (الصّف:6)

رام چندر سے محمد علی بننے تک

آزمائشوں کا سفر

ایک ہندو نوجوان کے قبولِ اسلام، ہندوؤں کے ناقابل یقین تشدد، کفر ستان سے بچ نکلنے، جہاد افغانستان میں شرکت اور بھارت میں دوبارہ گرفتاری و رہائی کی روح پرور داستان.

اپریل 1994ء کے اخبارات میں نیوز ایجنسی پی۔ پی۔ اے کے حوالے سے ایک خبر چھپی: ''ریاست اتر پردیش کے شہر اعظم گڑھ میں ''اسلامی انقلابی محاذ'' کے ایک سرکردہ رہنما محمد علی اعظمی پر دہشت گردی کا الزام لگاتے ہوئے بھارتی حکومت نے اسے گرفتار کرلیا ہے۔ محمد علی اعظمی پر الزام لگایا گیا ہے کہ انہیں پاکستان کی فوجی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی نے دہشت گردی کی تربیت دی ہے۔ پولیس حکام کے مطابق محمد علی اعظمی کے شہر میں دہشت گردی کرنے اور پانی میں زہر ملانے کے منصوبوں کو ناکام بنا دیا گیا ہے۔ پولیس نے کہا ہے کہ تحقیقات کے دوران میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ محمد علی اعظمی اصل میں ہندو پیدا ہوئے لیکن بعد میں مذہب اسلام قبول کر کے پاکستان چلے گئے۔ 1986ء کے دوران میں انہوں نے جامعہ کراچی میں عربی پڑھی اور پھر 1989ء میں وہ ایران چلے گئے۔ ایران سے واپسی پر انہیں کوئٹہ پولیس نے گرفتار کرلیا۔ 18 ماہ بعد رہائی پانے پر آئی ایس آئی نے انہیں ہاتھوں

ہاتھ لیا' تربیت دی اور جعلی پاسپورٹ پر بھارت کی جاسوسی کرنے کے لئے انہیں دہلی بھجوا دیا۔ پولیس نے انہیں دہشت گردی کے متعدد واقعات میں ملوث قرار دیا ہے''۔

یہ خبر پڑھتے ہی میرے ذہن میں نومسلم محمد علی اعظمی کی ایمان افروز زندگی کی فلم چلنے لگی۔ میری ان سے 1989ء کے موسم بہار میں اچانک شرکت پرنٹنگ پریس لاہور میں ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے ان سے گزارش کی کہ اگر ممکن ہو تو ہوسٹل تک میرے کمرے میں چلیں تاکہ سکون سے آپ کی داستان کا ایک ایک لفظ سن سکوں۔ وہ میرے ساتھ ہوسٹل میں چلے آئے' کوئی چار گھنٹے میں ان کی داستان سنتا رہا۔ ان کی یہ داستان اردو ڈائجسٹ کے شمارہ جولائی 1989ء میں شائع ہو چکی ہے۔

بھارت کے صوبہ اتر پردیش میں اعظم گڑھ خاصا معروف ہے۔ اس ضلع کی تحصیل گھوسی میں ''مانی پوراسنا'' نام کا ایک گاؤں ہے جو دریائے گنگا سے چوبیس پچیس کلومیٹر دور واقعہ ہے۔ گاؤں ڈیڑھ دو سو گھروں پر مشتمل ہے جن میں اکثریت مسلمانوں کی ہے جبکہ ہندوؤں کے گھر بمشکل سولہ سترہ ہوں گے۔ مسلمان زیادہ تر زمیندار ہیں یا پھر باہر کے ممالک میں ملازم ہیں۔ پٹھان اور شیخ برادریوں سے ان کا تعلق ہے جبکہ ہندو آبادی کا تعلق کمہار اور بنیا ذاتوں سے ہے۔ مانی پوراسنا کے اردگرد شودروں اور ہریجنوں کے گاؤں ہیں۔

مانی پوراسنا میں ایک پرچون فروش ہندو بنئے جمنا داس کے ہاں اس کا تیسرا بیٹا رام چندر 1966ء میں پیدا ہوا۔ 13اپریل 1983ء کو رام چندر مسلمان ہو گیا۔ مسلمان ہونے کے بعد وہ لامتناہی مصائب و مشکلات کا شکار ہوا اور ظلم کے دریاؤں میں سے اسے گزرنا پڑا۔ اس کی داستان سن کر ذہن میں حضرت بلالؓ' حضرت خبیبؓ اور حضرت مصعبؓ بن عمیر کی داستانوں کی فلم چلنے لگتی ہے۔ اس کے ایمان افروز سفر آزمائش کی روداد اسی کی زبانی سنئے:

(ملک احمد سرور)

ہمارے گاؤں میں زیادہ تر گھر مسلمانوں کے تھے اور تبلیغی جماعت والے وہاں تبلیغ کرنے اکثر آیا کرتے۔ سات آٹھ سال کی عمر میں میرا ان سے واسطہ پڑا۔ میرے والد کی پرچون کی دکان تھی۔ وہ مجھ سے کہتے کہ میں تبلیغی جماعت والوں کی خدمت کروں تاکہ وہ

اپنی ضرورت کے لئے سودا سلف ہماری دکان سے خریدیں۔ اپنے والد کی اس ہدایت کے مطابق میں ان لوگوں کے ساتھ رہتا۔ ان کے لئے پانی بھر کر لاتا اور انہیں لکڑیاں خرید کر دیتا۔ ان کا رہبر بن کر ان کے ساتھ مسلمانوں کے گھر جاتا۔ ان کے علاوہ بھی جو کام وہ کہتے میں کرتا۔ تبلیغی جماعت والے اس سے بہت خوش ہوتے اور مجھے شاباش دیتے۔ میرا نام پوچھتے، میں بتاتا کہ رام چندر ہے تو سن کر تعجب کا اظہار کرتے۔ وہ کہتے کہ حیرت ہے اس گاؤں میں مسلمان ہمارے ساتھ تعصب کا مظاہرہ کرتے ہیں جبکہ ایک ہندو بنئے کا بچہ ہمارے ساتھ اتنا تعاون کرتا ہے۔ نیتجتاً وہ لوگ بھی ہماری دکان سے سودا سلف خریدتے۔ بیماری کے وقت ہم لوگ ان سے تعویذ بھی لیتے۔ اس طرح مجھے تبلیغی جماعت والوں کے قریب آنے کا مسلسل موقع ملتا رہا۔

گاؤں کی اکثریت مسلمانوں کی تھی، اس لئے مسلمانوں کے رسم و رواج میرے لئے کوئی نئے نہ تھے، مگر تبلیغی جماعت والوں سے جب واسطہ پڑا تو میں شعوری طور پر مسلمانوں کی طرف کچھ زیادہ ہی توجہ دینے لگا اور ان کے متعلق میری سوچوں کے دائرے پھیلتے چلے گئے۔ اتنی چھوٹی عمر میں مجھ پر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم اور احسان تھا جس نے میرے ذہن کو اسلام کے بارے میں سوچنے پر لگا دیا ورنہ سب جانتے ہیں یہ عمر غور و فکر کی نہیں بلکہ صرف اور صرف کھانے پینے اور شرارتیں کرنے کی ہوتی ہے۔

میں نے جب پہلی بار تبلیغی مسلمانوں کو اکٹھے بیٹھ کر ایک ہی برتن میں کھانا کھاتے دیکھا تو مجھے بڑی حیرانی ہوئی۔ ہم ہندوؤں میں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہاں تو چھوت چھات کا راج ہے۔ جب میں نے پہلے دن تبلیغی جماعت والوں کو اکٹھے کھاتے دیکھا تو میرا خیال تھا کہ ایک دوسرے کی بیماریاں ان سب کو لگ جائیں گی اور کل وہ لوگ بیمار ہو جائیں گے۔ دوسرے دن میں انہیں غور سے دیکھتا رہا مگر ان میں سے کوئی بھی بیمار نہ پڑا تھا۔ وہ جتنے دن بھی رہے تندرست رہے مگر مجھے حیرانیوں اور پریشانیوں میں ڈال گئے۔ میں اپنے والدین سے پوچھتا تو وہ ٹال جاتے مگر میں سوچتا رہتا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہندو اکٹھے کھائیں تو انہیں ایک دوسرے کی بیماریاں لگ جائیں مگر مسلمانوں کو کچھ

بھی نہ ہو۔ میں ابھی انہی سوچوں میں گم اپنے ذہن میں اٹھنے والے سوالوں کے جواب ڈھونڈ رہا ہوتا کہ دوسری تبلیغی جماعت آجاتی اور وہ میرے ذہن میں اسلام کی کوئی نئی بات ڈال جاتی۔ تبلیغی جماعت کے جانے کے بعد میں ان کی بتائی ہوئی باتوں کا موازنہ اپنے مذہب سے کرنے لگ جاتا مگر میرا چھوٹا سا ذہن کسی نتیجے تک نہ پہنچ پاتا۔ یہ باتیں میرے ذہن میں گردش کرتی رہتیں مگر زبان پر نہ آتیں۔ میں عجیب کش مکش میں مبتلا تھا۔ مجھے ہندومت سے محبت تھی، پیار تھا، عشق تھا۔ ہندومت میرا ایمان تھا۔ مجھے اپنے دیوتاؤں اور بھگوان کی مورتیاں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھیں لیکن تبلیغی جماعت والوں کی باتیں مجھے پریشان کر دیتیں۔ میں فیصلہ نہ کر پاتا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ انہی سوچوں میں دن گزرتے رہے۔

ہمارے گاؤں کے اکثر مسلمان شیعہ تھے۔ محرم میں وہ تعزیے نکالتے۔ ہندو عورتیں بھی تعزیوں کو بہت مانتی تھیں۔ جن کے اولاد نہ ہوتی وہ تعزیوں کے نیچے سے گزرتیں، منتیں مانتیں اور نذرانے پیش کرتیں۔ میں بھی دیکھا دیکھی تعزیے کے جلوسوں میں شریک ہوتا اور مسلمان لڑکوں کی آواز میں آواز ملا کر مرثیے پڑھتا۔

ہمارے گاؤں سے کوئی سوا کلومیٹر دور چمبریا گاؤں کے قریب شنکر مندر تھا جہاں میں اکثر جایا کرتا۔ وہاں کرشن، کالی ماتا اور گائے ماتا کی مورتیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ گائے ماتا کا منہ اور سری کرشن کا پاؤں آپس میں ملتے تھے۔ عورتیں دودھ لاتیں اور دونوں کے چرنوں میں ڈالتیں۔ سادھو دودھ اکٹھا کر کے فروخت کر دیتے۔

تبلیغی جماعت والے اسلام کی نئی نئی باتیں میرے ذہن میں ڈالتے اور میں پریشان ہونے لگتا تو مندر چلا جاتا مگر وہاں بھی ذہن کو سکون نہ ملتا۔ مجھے ایسے محسوس ہوتا کہ میں جنگل میں بھٹک رہا ہوں۔ دور سے کسی کی آواز سنائی دیتی ہے۔ میں آواز کی طرف بھاگنا چاہتا ہوں مگر کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا۔ میں مزید پریشان ہو جاتا۔

میرے ماں باپ مجھے سری کرشن، رام چندر، لچھمن، سیتا اور سادھوؤں کی کہانیاں سنایا کرتے۔ کبھی میں وہ کہانیاں سن کر جھوم اٹھتا تھا اور وہ بہت اچھی لگتی تھیں اور میں اپنی والدہ

اور دادی سے یہ کہانیاں سننے کی بار بار فرمائش کرتا تھا مگر اب یہ کہانیاں کوئی سناتا تو مجھے اچھی نہ لگتیں۔ مجھے مسلمانوں کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے واقعات بہت اچھے لگتے۔ جب تبلیغی جماعت والے یا دوسرے مسلمان یہ واقعات بیان کرتے تو میں بڑے غور سے سنتا۔ میرے دل میں ان ہستیوں کے لئے ایک محبت اور عقیدت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ میں تفصیل سے جاننا چاہتا تھا کہ یہ لوگ کون تھے۔ میں اپنے مذہب پر غور کرتا تو پریشان ہو جاتا۔ میں ڈرتا کہ اگر میرے بھگوان کو میرے خیالات کا پتہ چل گیا تو وہ مجھے جلا کر بھسم کر دے گا۔ میں ان خیالات کو ذہن سے نکالنے کی کوشش کرتا مگر ناکام رہتا۔ یہ کشمکش جو آٹھ سال کی عمر میں شروع ہوئی، وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی گئی۔

ہمارے گاؤں سے دو کلو میٹر دور، بڑا گاؤں بازار ہے۔ میں وہاں کے پرائمری سکول میں پڑھتا تھا۔ میرے ہم جماعت زیادہ تر مسلمان تھے۔ ان میں جعفر علی بھی تھا جو میرا دوست تھا۔ اسی سکول میں میرے گاؤں کے ایک استاد نسیم صاحب بھی پڑھاتے تھے۔ میں جعفر علی سے اسلام کے بارے میں معلومات لینے لگا۔ وہ میری ہی طرح کم عمر تھا مگر اسلام کے بارے میں کافی معلومات رکھتا تھا۔ وہ اکثر اسلام کے متعلق مجھے بتاتا اور میں بھی اس سے طرح طرح کے سوالات پوچھتا رہتا۔ کبھی کبھی وہ ماسٹر نسیم صاحب سے میرے سوالوں کے جواب پوچھ کر دیتا۔

پرائمری سکول کے بعد میں اور جعفر جونیئر مڈل سکول گھوسی میں آ گئے۔ یہاں بھی ایک مسلمان استاد عبدالغنی صاحب تھے۔ یہ مدھوبن گاؤں کے رہنے والے تھے۔ جعفر علی عبدالغنی صاحب کا رشتے دار بھی تھا۔ اس نے میرے بارے میں عبدالغنی صاحب کو بتایا تو انہوں نے مجھ میں خصوصی دلچسپی لینی شروع کر دی۔ انہوں نے اسلام کے متعلق میری معلومات میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔

مجھے معلوم تھا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خدا صرف ایک ہے۔ میں سوچتا ہندو بھی تو کہتے ہیں کہ بھگوان ایک ہے پھر مسلمانوں کے اللہ اور ہندوؤں کے بھگوان میں ناموں کے

سوا کیا فرق رہ جاتا ہے۔ میں نے یہی سوال ایک دن جعفر اور عبدالغنی صاحب سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ مسلمان اس خدا کو مانتے ہیں جس نے اس پوری کائنات کو بنایا' پھر انسان کو پیدا کیا اور اس کی ضرورت اور خدمت کے لئے جمادات' نباتات اور حیوانات پیدا کئے۔ مسلمان اس خدا پر ایمان رکھتے ہیں جو سورج اور چاند کی گردش کو کنٹرول کرتا ہے اور آسمانوں سے بارش برساتا اور ہوائیں چلاتا ہے۔ اسے کبھی اونگھ نہیں آتی۔ وہ خود کسی کی اولاد ہے نہ اس کی آگے کوئی اولاد ہے۔ وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا اور اسے کسی مٹی یا پتھر کے بت میں قید نہیں کیا جاسکتا۔ وہ اتنی قوت والا ہے کہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ سب اسکے محتاج ہیں۔ وہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکالنے کے لئے انبیاء بھیجتا ہے اور انسانوں کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے لیکن ہندو جن مٹی' پتھر اور لکڑی کے بتوں کو بھگوان سمجھ کر پوجتے ہیں' وہ سب انسان کے اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے ہیں۔ یہ سب انسان کی تخلیق ہیں اور خالق ہمیشہ اپنی مخلوق سے اعلیٰ و ارفع ہوتا ہے--- اور اعلیٰ کبھی ادنیٰ کے سامنے نہیں جھکتا۔ اس لحاظ سے بھی انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے ہی ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہو۔ پھر ہندو جن بتوں کو بھگوان اور ایشور کا درجہ دے کر خدا کی طرح پوجتے ہیں' ان کے اندر اتنی بھی سکت نہیں کہ وہ اپنے اوپر بیٹھی ہوئی کسی مکھی کو بھی اڑا سکیں یا کسی ایک تنکے ہی کو تخلیق کرسکیں۔ پھر بھگوان اور ایشور کی مورتیوں کی چوریاں بھی ہوتی ہیں اور وہ اپنی چوریاں بھی نہیں روک سکتے' اس لئے یہ بھگوان یا ایشور کے بت خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ حقیقی خدا تو وہ ہے جس کی مرضی سے کسی درخت کا ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا اور جس کے تخلیق کردہ اس نظام میں بھگوان یا ایشور کے سارے بت مل کر بھی کوئی تبدیلی نہیں لاسکتے۔ کیا بھگوان یا ایشور کے یہ بت کبھی سورج کو مغرب سے طلوع کرسکتے ہیں؟' کیا وہ بارش برسا سکتے ہیں ؟ 'وہ تو اپنی مدد بھی نہیں کرسکتے۔ اگر کوئی انہیں گندے نالے میں پھینک دے تو وہ باہر نہیں نکل سکتے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

''اگر آسمان اور زمین میں ایک اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے'' (الانبیاء)

ان کی اس گفتگو نے میرے ذہن کے دریچے کھول دیئے تھے اور میرے سوچنے کی راہیں اور وسیع ہو گئی تھیں مگر صراط مستقیم سے میں ابھی بہت دور تھا۔

جعفر اور عبدالغنی صاحب کی گفتگو کے بعد میں سوچتا تو مجھے اپنا مذہب ایک فریب نظر آتا۔ ہندوؤں کی ایک ایک رسم اور عبادت کے مناظر میرے ذہن میں فلم کی طرح چلنے لگتے۔ کس طرح لڑکیاں اور لڑکے مل کر ہولی اور دیوالی کے تہواروں میں غیرت کا جنازہ نکالتے ہیں۔ گن پتی کے دن ہندو اپنے دیوتاؤں کا کیا حال کرتے ہیں۔ وہ مٹی کے بھگوان بناتے ہیں' ایک ہفتہ ان کی پوجا کرتے ہیں اور پھر گن پتی کے دن پتھر اور مٹی کے اپنے ان خداؤں کو دریاؤں اور سمندر میں پھینک دیتے ہیں' وہ مٹھائی کے بھگوان بنا کر لاتے ہیں' ان کی سیوا یعنی پوجا کرتے ہیں' پھر سب مل بیٹھتے ہیں' کوئی اپنے اس مٹھائی سے بنے ہوئے بھگوان کی ناک اتار کر کھانے لگتا ہے' کوئی کان' کوئی دانت اور کوئی دوسرا حصہ کھا رہا ہوتا ہے اور یہ بھگوان اپنے ہی پجاریوں سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر مجھے یقین آنے لگتا کہ جعفر صحیح کہتا ہے کہ جو اپنی حفاظت نہیں کر سکتے وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں اور پھر ہم ان کی پوجا کیوں کریں۔ یقیناً جعفر کا خدا ہی حقیقی خدا ہے اور وہی پوجا کے لائق ہے' لیکن نہ جانے لاشعور میں ابھی تک ان بتوں کا خوف کیوں میرے دل کو گھیرے ہوئے تھا اور یہ خوف زبان سے ایک لفظ بھی ان بتوں کے خلاف نہیں نکلنے دیتا تھا۔ ایک طرف دل جعفر کے خدا کی سچائی کی گواہی دینا چاہتا تھا تو دوسری طرف پنڈتوں' سادھوؤں اور والدین کے کرشن' ایشور' بھگوان اور دوسرے دیوتاؤں کے بارے میں سنائے ہوئے مافوق الفطرت واقعات ذہن میں گھومنے لگتے اور میں ڈر جاتا۔ سچائی کی روشنی میرے دل و دماغ میں جلتی اور بجھتی رہتی۔

میری عجیب کیفیت تھی۔ رات دن میرے ذہن میں بھگوان اور خدا کے تصور گڈمڈ ہوتے رہتے۔ جعفر مجھے اکثر اسلام کے بارے میں بتاتا رہتا۔ ماسٹر نسیم اور عبدالغنی صاحب بھی کبھی کبھی اسلام کے بارے میں بتاتے۔ جعفر مجھے اپنے نبیوں کے قصے سناتا۔ ایک دن اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ سنایا کہ وہ بت پرست قوم میں پیدا ہوئے اور ان کا

باپ آزر خود بت بنایا کرتا تھا لیکن ابراہیم علیہ السلام انسانی ہاتھوں کے بنائے ہوئے ان بتوں کو خدا نہیں مانتے تھے۔ پھر ایک رات اور دن کو وہ ستاروں، چاند اور سورج کو طلوع اور غروب ہوتے دیکھ کر کس طرح ان کے خدا ہونے کے اقرار و انکار کی کیفیت سے گزرے، جعفر نے یہ سارا واقعہ تفصیل سے بتایا۔

حضرت ابراہیم علیہ اسلام کا واقعہ سننے کے بعد مجھے محسوس ہونے لگا کہ ایک دن یقیناً میں بھی سچائی کو پالوں گا۔

میں اسی کشمکش میں تھا کہ ہمارے ہمسایہ ملک پاکستان میں ایک اہم واقع وقوع پذیر ہوا کہ ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ شہید صدر ضیاء الحق کے آنے کے بعد ہندوستانی اخبارات اور ذرائع ابلاغ نے بھٹو کو ہندوؤں کے لئے ایک دیوتا بنا کر پیش کیا اور مسلمانوں کے لئے ایک ولی اللہ بنا دیا۔ اس پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر ہم سمجھتے تھے کہ بھٹو کو پھانسی بھارت کا دوست ہونے کی وجہ سے دی جا رہی ہے۔ پریس جس قدر ضیاء الحق کے خلاف لکھ سکتا تھا لکھا اور سیاستدانوں نے اپنے بیانات سے لوگوں کو بھڑکانے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ بھٹو کی پھانسی کے بعد ضیاء الحق بھارت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، اس لئے ہم لوگ جلوس نکالتے اور یہ شعر عام پڑھتے

سر کٹا سکتے ہیں لیکن سر جھکا سکتے نہیں
اپنی آزادی کو ہم ہرگز مٹا سکتے نہیں

طالع آزما سیاستدانوں نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور جب بھٹو کو پھانسی دی گئی تو ہمارا سارا علاقہ ہنگاموں کی لپیٹ میں آ گیا۔ میں اس وقت سری دیوی ہائی سکول گھوسی میں پڑھتا تھا۔ سری دیوی ہائی سکول کے طلبہ، اساتذہ اور اردگرد کے دیہات کے عوام نے زبردست جلوس نکالا۔ گھوسی تھانہ اور جیل کو بھی آگ لگا دی۔ دیواریں گرا دیں اور داروغہ کی پٹائی کر دی۔

بھٹو کا طلسم آہستہ آہستہ اترتا گیا اور ضیاء الحق آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں میں گھر بناتا گیا۔ ایک طرف اعتدال پسند ہندو اور مسلمان ضیاء الحق کی شخصیت سے متاثر ہو رہے تھے،

دوسری طرف بھارتی پریس اور متعصب ہندو ضیاء الحق کے خلاف عوام کو بھڑکانے میں مصروف تھے۔ پریس اور متعصب ہندوؤں کا ایک ہی کام تھا کہ بھارتی عوام کو یقین دلایا جائے کہ ضیاء الحق بھارت کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ ضیاء الحق نے جب اقوام متحدہ میں تقریر کی تو بھارتی مسلمانوں کے دل کی خوشی ان کے چہروں اور باتوں سے عیاں تھی۔ جلد ہی ضیاء الحق بھارتی مسلمانوں کا مقبول ترین لیڈر بن گیا اور بھٹو کی عیاشیوں اور لادینیت کے قصے مسلمان ایک دوسرے کو عام سنانے لگے۔ ضیاء الحق کے خلاف پراپیگنڈے کی وجہ سے مجھے بھی اس میں دلچسپی پیدا ہونے لگی اور میں اس کی تقریروں کو سننے اور اس کے بیانات کو اخباروں میں پڑھنے لگا۔ ضیاء الحق کی تقریروں نے مجھے بہت متاثر کیا اور جوں جوں میں اسلام کی طرف بڑھ رہا تھا ضیاء الحق کی محبت بھی میرے دل میں بڑھتی چلی گئی۔

میں میٹرک میں تھا جب جعفر علی اور عبدالغنی صاحب کے کہنے پر میں نے اسلامی کتب کا مطالعہ شروع کیا۔ قرآن مجید کا ہندی ترجمہ' موت کا منظر مرنے کے بعد کیا ہوگا' قیامت کب آئے گی وغیرہ کتب کا مطالعہ کیا' کلمہ طیبہ' کلمہ شہادت اور آیت الکرسی تو میں نے زبانی یاد کرلی۔

جب کوئی مشکل پیش آتی یا خوف کی فضا ہوتی تو میں دل ہی دل میں کلمہ طیبہ پڑھتا اور اللہ سے مدد مانگتا۔ مجھے یاد ہے جس رات سکائی لیب گرنے کا واقعہ ہونے والا تھا والدین بتوں کی پوجا کر رہے تھے اور میں دل ہی دل میں رات بھر کلمہ طیبہ پڑھتا رہا۔

جن دنوں میں اسلامی کتب اور قرآن مجید کا مطالعہ کر رہا تھا' مجھے رات کو خواب میں اکثر ایک بزرگ نظر آتے۔ بزرگ کی سفید ڈاڑھی اور چہرے پر ایک نور ہوتا اور میں ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ خواب میں اگر میں گھبرا جاتا تو وہ مجھے تسلی دیتے اور کہتے: ''اے راہ حق کے مسافر! کامیابی کے لئے تجھے ابھی آگ کے دریا میں سے گزرنا ہوگا' ایمان کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے' مشکلات میں صبر اور ہمت سے کام لو گے تو آگ کے دریا سے بسلامت گزر جاؤ گے''۔

مجھے ان کی باتیں اس وقت سمجھ میں نہ آتی تھیں کہ یہ آگ کا دریا کیا ہے اور یہ ایمان

کی رسی کیا ہے لیکن بعد میں جب واقعی آگ کے دریا آئے تو ساری باتیں سمجھ میں آ گئیں۔

1981-82ء میں ضلع اعظم گڑھ میں تقریباً دس ہزار کی تعداد میں شودر مسلمان ہوئے تھے۔ 1983ء میں بھی مسلمان ہونے والے شودروں کی تعداد بہت زیادہ رہی۔ یہ سب کچھ ہندوؤں کے تعصب اور چھوت چھات کی وجہ سے ہو رہا تھا۔

میں بھی ذہنی طور پر مسلمان ہونے کے لئے بالکل تیار تھا لیکن گھر والوں' پنڈتوں اور دوسرے ہندوؤں سے ڈرتا تھا کہ وہ مجھے بہت ماریں گے۔ شودر جو مسلمان ہو رہے تھے ان کے تو پورے پورے خاندان اور برادریاں مسلمان ہو رہی تھیں' اس لئے انہیں تو کسی قسم کا ڈر نہیں تھا جبکہ میرے ساتھ یہ معاملہ نہیں تھا۔ گاؤں کے دوسرے افراد کے مسلمان ہونے کے واقعات میرے سامنے تھے کہ مسلمان ہونے کے بعد کس طرح ان پر ظلم و تشدد ہوا۔

1977ء کا واقعہ ہے' ایک دن میں سکول سے واپس آ رہا تھا کہ راستے میں ایک جگہ لوگوں کا اکٹھ دیکھا۔ قریب پہنچا تو دیکھا کہ کسی شخص کو جلایا گیا ہے۔ اب وہاں صرف لکڑیوں کا دھواں اٹھ رہا تھا لیکن گاؤں میں تو کوئی ہندو نہیں مرا تھا اور یہ ہندوؤں کے جلانے کی جگہ بھی نہیں تھی۔ ''یہاں کسے جلایا گیا ہے؟'' میں نے وہاں کھڑے کئی افراد سے پوچھا مگر مجھے کوئی جواب نہ ملا۔ بعد میں پتہ چلا کہ 20 سالہ معصوم اُرمیلا کو جلایا گیا ہے۔ اُرمیلا ایک خوبصورت' ذہین اور نوجوان ہندو لڑکی تھی۔ جب وہ کالج میں پڑھتی تھی تو ایک مسلمان طالب علم عاشق علی سے اس کا رابطہ قائم ہوا۔ عاشق علی ہی کے ذریعے اس نے اسلام کا مطالعہ کیا۔ اسلامی کتب کا مطالعہ کرنے اور عاشق علی سے بحث مباحثہ کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ اسلام ہی صراط مستقیم اور راہ نجات ہے۔ اس نے اسلام قبول کر لیا مگر اپنے مسلمان ہونے کو خفیہ رکھا۔ بی اے پاس کرنے کے بعد وہ گھر میں رہ رہی تھی کہ ایک دن گھر والوں نے اسے نماز پڑھتے دیکھ لیا۔ اس پر تشدد کا ہر طریقہ آزمایا گیا کہ وہ اسلام چھوڑ کر دوبارہ ہندو ہو جائے۔ اُرمیلا نے سوچ سمجھ کر اسلام قبول کیا تھا' اس لئے اس نے ہر قسم کا تشدد برداشت کیا مگر اسلام کو چھوڑنا قبول نہ کیا۔

جب گھر والے اور ہندو پنڈت مایوس ہو گئے تو اسے گاؤں سے باہر لے جایا گیا اور

کرسی سے باندھ کر زندہ جلا دیا گیا۔ وہ زندہ جل کر شہید ہو گئی اور ہندو اس قدر ظلم و تشدد کے باوجود اس کے قدم راہ حق سے ایک انچ بھی پرے نہ ہٹا سکے۔ وہ ایسی چٹان تھی جسے باطل اپنے سامنے جھکا نہ سکا۔

ایک اور آدمی لطیف الرحمان جو غالب پور کا رہنے والا تھا اس کا انجام بھی میرے سامنے تھا۔ جب وہ مسلمان ہوا تو اس کے گاؤں کے ہندوؤں نے مل کر اس پر ناقابل برداشت تشدد کیا' اس کے باوجود اس نے دوبارہ ہندو بننے سے انکار کر دیا تو ہندوؤں نے اس کی جبری نس بندی کر دی۔

ان کے علاوہ بھی کئی اور واقعات میرے سامنے تھے۔ میں سوچتا کہ کیا مسلمان ہونے کے بعد اس تشدد سے بچ جاؤں گا اور اگر تشدد ہوا تو کیا میں اس قدر سختی برداشت کر لوں گا۔ میں اپنے اندر اتنا تشدد برداشت کرنے کی ہمت نہ پاتا۔

ہمارے ہی علاقے کا ایک اور آدمی بانکے رام مسلمان ہو کر ضیاء الرحمان بن گیا تھا۔ یہ اس وقت مسلمان ہوا تھا جب میں ابھی بہت چھوٹا تھا۔ ضیاء الرحمٰن صاحب آج کل سعودی عرب میں استاد ہیں۔

1983ء میں میری بھابی مایا کی چھوٹی بہن ریشماں سے میری منگنی ہو گئی۔ اس منگنی نے اب میرے مسلمان ہونے کے راستے میں ایک اور رکاوٹ کھڑی کر دی تھی۔ پہلے میں صرف اپنے ماں باپ اور بھائیوں سے خوفزدہ تھا' اب یہ بھی خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ سالے بھی ماریں گے۔ ایک طرف مار اور تشدد کا خوف تھا اور دوسری طرف اسلام قبول کرنے کے لئے دل بے قرار ہو رہا تھا۔ میں رات دن اپنے خدا کو پکارنے لگا کہ یا اللہ میری مدد کر' جو راستہ تو نے دکھایا ہے اس پر چلنے کی ہمت اور توفیق دے۔

میں اس بات سے بھی خوفزدہ تھا کہ مسلمان ہو گیا تو میرے ماں باپ اور بہن بھائی سب مجھ سے چھوٹ جائیں گے۔ جب میں نے اس کا ذکر جعفر علی سے کیا تو اس نے مجھے قرآن کی آیات سنائیں۔ اس نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اے مسلمانو! تمہارے رفیق تو حقیقت میں صرف اللہ اور اللہ کا رسولؐ اور اہل ایمان

ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ اور اہل ایمان سے دوستی رکھے گا تو (وہ اللہ کے گروہ میں سے ہے اور) بلاشبہ اللہ ہی کا گروہ غالب رہنے والا ہے"۔ (المائدہ 55-56)

پھر سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اے اہل ایمان، اگر تمہارے باپ اور بھائی ایمان کے مقابلے میں کفر کو عزیز رکھیں تو ان سے دوستی نہ رکھو اور جو ان سے دوستی رکھیں گے تو وہی ظالم ہیں۔ کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، بیٹے اور بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہاری برادری اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور وہ مکانات جن کو پسند کرتے ہو، اللہ اور اس کے رسولؐ سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا"۔

ان کے علاوہ بھی اس نے کئی آیات اور احادیث سنائیں اور میں یہ سب کچھ سن کر حیران رہ گیا کہ کتنا مکمل دین ہے اور قرآن کتنی مکمل کتاب ہے کو جو سوچو، اس کا جواب پہلے ہی اس کتاب میں موجود ہے۔

آخر وہ دن آ پہنچا جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کرنے کی توفیق دے ہی دی۔ یہ بروز بدھ 13 اپریل 1983ء کو صبح دس بجے کا وقت تھا جب میں کریم الدین پور میں جہاں پانچ چھ ہزار مسلمان رہتے ہیں، مولانا رضوان احمد رضوی صاحب کے پاس پہنچ گیا اور اسلام قبول کر لیا۔ میرا نام محمد علی رکھا گیا۔

میں نے شروع میں اپنے اسلام کو خفیہ رکھا۔ جمعہ کا دن آیا۔ میں مسجد میں جا کر جمعہ پڑھنا چاہتا تھا مگر یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ جمعہ کے دن مسجدوں کے دروازوں پر بہت بڑی تعداد میں ہندو اپنے مریضوں اور بچوں کو دم کرانے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور کئی ہندو چیزیں بیچنے کے لئے بھی آئے ہوتے ہیں، اس لئے پہچان لئے جانے کا خطرہ تھا۔ اس خطرے سے بچنے کے لئے مولانا رضوان صاحب میرے لئے جعلی ڈاڑھی اور مونچھیں لے آئے اور مجھے لگا دیں۔ علی گڑھ کا کرتہ پاجامہ اور کھڑی ٹوپی پہنی۔ مولانا صاحب نے

شیروانی بھی دی۔ آنکھوں پر لگانے کے لئے چشمہ بھی دیا۔ اس طرح حلیہ بدل کر میں مولانا کے ساتھ مسجد میں آیا۔ میری شکل کسی بہت بڑے عالم کی طرح لگ رہی تھی۔

میں نماز کی عملی ترکیب سے آگاہ نہیں تھا۔ جب امام صاحب دو فرضوں کے لئے کھڑے ہوئے تو میں بھی کھڑا ہو گیا۔ سجدے میں گیا تو ڈاڑھی گر پڑی۔ میں نے مونچھیں بھی اتار کر جیب میں ڈال لیں۔ دوسرے سجدے میں عینک بھی اتر گئی۔ نماز سے فارغ ہو کر لوگ میری طرف تعجب سے دیکھنے لگے۔ میں اس صورت حال سے گھبرا گیا۔ مولانا رضوان صاحب نے تسلی دی۔ وہ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ رام چندر ولد جمنا داس مسلمان ہو گیا ہے۔ ابھی کسی ہندو کو اس کے مسلمان ہونے کا علم نہیں' اس لئے آپ بھی اسے خفیہ رکھیں۔ اس کے بعد انہوں نے بتایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ رام چندر کو جس کا نام محمد علی ہے دہلی بھیج دیا جائے تاکہ وہاں وہ ہندوؤں کے ظلم وستم سے بچ کر تعلیم حاصل کر سکے۔ (یہ اعلان مسجد کے اندر کیا گیا' اس لئے دروازے کے باہر کھڑے لوگوں کو یہ آواز سنائی نہیں دے سکتی تھی) نمازیوں نے یہ سن کر نعرہ تکبیر بلند کیا اور بہت خوش ہوئے۔ مجھے مبارکباد دی اور سب نے میرے لئے استقامت کی دعا کی۔

اتفاق سے اسی جمعہ کو میری دادی بیمار تھی۔ وہ بھی دم کرانے مسجد کے دروازے پر آئی ہوئی تھی۔ میں مسجد سے باہر نکلنے لگا تو اس نے مجھے پہچان لیا اور چیخ کر پوچھا: ''تو مسجد سے آرہا ہے؟''

''ہاں دادی اماں! میں مسلمان ہو گیا ہوں''۔ میری زبان سے بے ساختہ نکلا۔

یہ سننا تھا کہ اس نے میرے منہ پر زور کا تھپڑ رسید کیا۔ برا بھلا کہنے لگی' شور مچا دیا اور چیخ چیخ کر ہندوؤں کو پکارنا شروع کر دیا۔ چیخ پکار سن کر ارد گرد کے ہندو مسلمان اکٹھے ہو گئے۔ مسلمان تو خوش تھے جبکہ ہندوؤں کے چہروں پر غیظ وغضب دیکھنے والا تھا۔ یہ صورت حال دیکھ کر میں پریشان ہو گیا اور دل ہی دل میں اللہ سے مدد کی دعا کرنے لگا۔

ہندو بڑے چالاک اوز مکار تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کی موجودگی میں وہ مجھے نہیں پکڑ سکتے اس لئے پولیس کو بلا لائے۔ پولیس نے مجھے گرفتار کر لیا اور گھوسی تھانے میں

لے گئی۔ میرے ایمان کی آزمائش کا دور یہاں سے شروع ہو گیا۔

تھانے دار نے پہلے پیار سے پوچھا کہ تمہیں کس نے ورغلایا ہے، اس مُسلے کا نام بتا دو، ہم اس کی ہڈی پسلی ایک کر دیں گے اور تمہیں چھوڑ دیں گے۔

"مجھے میرے دل نے ورغلایا ہے، میرے رب نے ورغلایا ہے، مجھے سچائی نے ورغلایا ہے"۔ میں نے جواب دیا۔

"تھانے دار صاحب! اس معصوم بچے پر مُسلوں نے جادو کر دیا ہے۔ یہ رام چندر نہیں اس کے اندر کوئی مُسلا بول رہا ہے"۔ ایک ہندو نے آواز لگائی۔

تھانے دار پھر پیار سے پوچھنے لگا: "دیکھو بیٹا! ہم جانتے ہیں کہ یہ مُسلے بڑے چالاک اور مکار ہوتے ہیں۔ ہمارے بچوں کو بے وقوف بناتے ہیں۔ تم ابھی بچے ہو اور سیدھے سادھے بھی ہو، تم اس عمر میں ان کی چالاکیوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ اگر تمہیں مُسلوں نے روپے پیسے کا لالچ دیا ہے تو وہ بھی بتا دو"۔

"مجھے کسی مسلمان نے روپے پیسے کا لالچ نہیں دیا۔ میں نے اسلام کو سچائی جان کر قبول کیا ہے"۔ میں نے بتایا۔

"دیکھو بیٹے! ان مکار مُسلوں کی خاطر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ یہ لوگ تمہیں تنہا چھوڑ دیں گے اور کسی مصیبت میں تمہارا ساتھ نہ دیں گے۔ مصیبت کے وقت ہمیشہ اپنے بہن بھائی ہی کام آتے ہیں، اس لئے تم بھگوان سے معافی مانگ لو۔ بھگوان بہت اچھے ہیں، وہ تمہیں معاف کر دیں گے۔ پنڈت جی اور ہم سب مل کر بھگوان سے تمہارے لئے معافی کی پراتھنا کریں گے۔ اگر بھگوان کو تم نے جلد راضی نہ کیا تو ان کا غصہ تمہیں تباہ کر دے گا"۔ تھانے دار نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

میں نے جواب دیا: "میں تمہارے کسی بھگوان کو نہیں مانتا اور نہ مجھے تمہارے کسی بھگوان کی خوشی اور ناراضی کی پروا ہے۔ تمہارا بھگوان اپنے اوپر بیٹھی ہوئی مکھی کو تو اڑا نہیں سکتا، میرا کیا بگاڑ لے گا؟ میری زندگی اور موت صرف میرے اللہ کے لئے ہے، مجھے صرف اسی کی خوشی اور ناراضی کی فکر دامن گیر ہے اور میں صرف اسی سے ڈرنے والا ہوں"۔

میرا یہ جواب سن کر تھانے دار اور اس کے پاس بیٹھے ہوئے متعصب ہندو سیخ پا ہو گئے۔ زناٹے کا تھپڑ میرے منہ پر پڑا اور میں گر پڑا۔

''ذلیل کمینے! ہمارے سامنے ہمارے بھگوان کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ میں تمہاری ہڈی پسلی ایک کر دوں گا''۔ تھانے دار چیخا۔

مجھے زمین پر لٹا دیا گیا اور ڈنڈوں سے پٹائی شروع ہو گئی۔ تشدد ناقابل برداشت تھا۔ میں ذہنی طور پر اس تشدد کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ میں جانتا تھا کہ یہ میرے ایمان کی آزمائش کا وقت ہے۔ یہ وہی آزمائش کی بھٹی ہے جس میں سے حضرت بلالؓ، حضرت صہیبؓ اور حضرت خبیبؓ جیسے صحابی گزر کر سونا بنے تھے۔ ان عظیم ہستیوں کے واقعات جعفر مجھے سنا چکا تھا۔ مشرکین مکہ کے مظالم اور صحابہؓ رسول کی استقامت مجھے یاد تھی۔ مجھے آج انہی کی سنّت پر چلنا تھا۔ مجھے سورۃ العنکبوت میں دیا جانے والا خدا کا یہ حکم بھی یاد تھا جو میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا: ''کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے، اور ان کو آزمایا نہ جائے گا، حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ ضرور یہ معلوم کر کے رہے گا کہ (اظہار ایمان میں) سچے کون ہیں اور جھوٹے کون''۔

مجھے اپنی سچائی کو ثابت کرنا تھا، اس لئے میں نے اپنے اللہ سے استقامت کی دعا کرتے ہوئے کہا: ''اے اللہ! میں کمزور ہوں، اس ظلم و تشدد کے مقابلے میں مجھے ثابت قدم رکھنا۔ جس طرح تو نے مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق دی، اب اسی طرح اس کی سچائی کی شہادت کی توفیق بھی دینا''۔

مشرکین مکہ اگر 360 بتوں کی پوجا کرتے تھے تو یہاں بھی مشرک اور کافر ہندو ہزاروں بلکہ کروڑوں بتوں کی پوجا کرتے ہیں بلکہ ان کافروں نے تو گائے اور ہنومان (بندر) کو بھی دیوتا کا درجہ دے رکھا ہے۔ ایک بات اور مشترک تھی کہ دونوں ظالم اور ہٹ دھرم تھے۔

ہر چوٹ پر میری زبان سے آہ کے ساتھ نکلتا: ''یا اللہ! میری مدد کر''۔ اللہ کا لفظ سن کر

ہندو کے ڈنڈے میں اور زور آجاتا اور وہ غصے میں اور زیادہ زور سے مارتا۔ تشدد بڑھتا جارہا تھا۔ میں ڈر رہا تھا کہ کہیں میرا حوصلہ میری ہمت جواب نہ دے جائے۔ جب بھی ہمت جواب دینے لگتی تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے یہ الفاظ میرے ذہن میں گونجنے لگتے: ”جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اُس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔ وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمہاری ہوگی۔ یہ ہے سامانِ ضیافت اس ہستی کی طرف سے جو غفور اور رحیم ہے“۔

(حم السجدہ: 30 تا 32)

اس سے مجھے حوصلہ ملتا۔ پھر اُرمیلا کی استقامت بھی میرے سامنے تھی کہ ایک لڑکی ہوکر وہ زندہ جل گئی لیکن اس کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی اور میں تو لڑکا ہوں۔ یہ سوچ کر میری ہمت بندھ جاتی۔

جس قدر وہ مار سکتے تھے انہوں نے مجھے مارا۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ جب وہ میرے پاؤں کے تلووں پر ڈنڈے مارتے تھے تو ان کی چنگاریاں مجھے اپنی آنکھوں سے نکلتی محسوس ہوتی تھیں۔ اگر میرے اللہ کی مدد میرے شامل حال نہ ہوتی اور وہ مجھے ہمت و استقامت نہ دیتا تو یہ تشدد میں کبھی برداشت نہ کر پاتا۔

مسلمانوں نے مقدمہ دائر کیا۔ جب معائنے کے لئے مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جایا گیا تو اس نے مجھے پاگل قرار دے دیا اور اس پر جج نے مقدمہ خارج کر دیا، اس لئے کہ دونوں متعصب ہندو تھے۔ انہیں اپنے فرائض سے زیادہ اپنے جھوٹے بھگوان کی خوشنودی عزیز تھی۔

مجھے ڈیڑھ ماہ تک جیل میں رکھا گیا۔ جب بھی میں کچھ کہنا چاہتا دو دو تین تین ہندو سپاہی مجھے مارنا شروع کر دیتے اور اس وقت تک مارتے رہتے جب تک میں بے ہوش نہ ہو جاتا۔

بعض اوقات میں مار سے گھبرا جاتا اور شیطان مجھے ورغلانے لگتا کہ بہتر ہے تم دوبارہ

ہندو ہو جاؤ۔ یہ بات مجھے اور پریشان کر دیتی۔ میں خدا کے حضور جھک جاتا اور دست دعا دراز کرتا: ''اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ہدایت کرنے کے بعد (غلط راستے پر) نہ پھیر اور اپنے پاس سے ہم پر رحمت فرما۔ بے شک تو ہی دینے والا ہے''۔ (آل عمران)

اور بھی بہت سی دعائیں جو یاد تھیں میں اللہ کے حضور مانگتا رہا۔ ان میں دو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک وہ دعا جو بنی اسرائیل ظالم فرعون کے ظلم سے نجات کے لئے خدا سے مانگا کرتے تھے:

''اے ہمارے پروردگار! ہم کو ظالم لوگوں کے ظلم کا تختہء مشق نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہم کو ان لوگوں سے نجات دے جو کافر ہیں''۔ (سورۃ یونس)

دوسری دعا کا تعلق بھی فرعون ہی کے ظلم سے ہے اور یہ وہ دعا ہے جو فرعون کے دربار میں جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد اللہ سے مانگی تھی:

''اے ہمار پروردگار! ہم پر صبر ڈال دے اور فرمانبرداری کی حالت میں ہم کو موت دے''۔ (سورۃ اعراف)

ڈیڑھ ماہ بعد مجھے ہندوؤں کے حوالے کر دیا گیا۔ ہندوؤں نے پہلے میرے ماں باپ کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی۔ طرح طرح کے لالچ اور دھمکیاں دیں مگر میں کسی طرح بھی دوبارہ ہندو بننے کو تیار نہ تھا۔ تنگ آ کر انہوں نے میرے قتل کا منصوبہ بنا لیا۔ مجھے اپنا انجام اُرمیلا کی طرح نظر آنے لگا۔ میں سوچنے لگا کہ نہ جانے ہندو مجھے کیسی کیسی اذیتیں دے کر قتل کریں گے یا پھر اُرمیلا کی طرح مجھے بھی زندہ جلا دیں گے۔ کیا میں یہ سب کچھ برداشت کر پاؤں گا۔ دل کہتا کہ جس اللہ نے پہلے والا ظلم و تشدد برداشت کرنے کی ہمت دی تھی وہی اللہ آئندہ بھی برداشت کرنے کی توفیق دے گا۔

میں نے ہندوؤں کے قبضے سے بھاگنا چاہا مگر انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور مارنا شروع کر دیا۔ یہ مار اب میرے لئے کوئی نئی نہیں تھی۔ پچھلے ڈیڑھ ماہ سے میرے ساتھ یہی سلوک ہو رہا تھا۔ اب بھی متعصب ہندو بھوکے کتوں کی طرح مجھ پر پل پڑے۔ کوئی بال کھینچ رہا تھا' کوئی ٹھڈے مار رہا تھا' کوئی ڈنڈوں سے پیٹ رہا تھا اور کوئی گالیاں دے رہا تھا۔ ان سب

اپنوں اور بیگانوں میں صرف ایک میری بھابی مایا تھی جو مجھے ان خونیں ہندوؤں سے بچانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ گاؤں کے مسلمان بھی بے بس تھے۔ پولیس کے خوف سے وہ میری کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔

دور دور سے پنڈت، ٹھاکر اور سادھو آئے ہوئے تھے۔ وہ ہر حالت میں مجھے ہندو بنانا چاہتے تھے۔ مجھے اس قدر مارا گیا کہ میں بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو میرے پاؤں میں موٹی رسی بندھی ہوئی تھی اور مجھے گھسیٹتے ہوئے شنکر مندر کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ آزمائش کے اس لمحے میں ماں باپ، بہن بھائی سب میرا ساتھ چھوڑ چکے تھے بلکہ وہ بھی دوسرے ہندوؤں کی طرح میرے خون کے پیاسے بن چکے تھے۔

وہ مجھے مسلسل گھسیٹتے رہے۔ میری ساری پشت شدید زخمی ہو چکی تھی۔ راستے میں کبھی بے ہوش ہو جاتا اور کبھی ہوش میں آ جاتا۔ معلوم نہیں وہ اس قدر اذیت دیکر مجھے کیوں قتل کرنا چاہ رہے تھے۔ وہ مجھے اُرمیلا کی طرح آگ کیوں نہیں لگا دیتے تاکہ میں جلد جل کر مر جاؤں اور اس قدر اذیت سے جان چھوٹ جائے۔ شاید اردگرد کے دیہات میں جو شودر اور ہریجن مسلمان ہوئے تھے ان سب کا بدلہ وہ مجھ سے لے رہے تھے۔ میں ایک بے بس شکار کی طرح ان کے قابو میں آ چکا تھا اور ہر کوئی مجھے نوچ رہا تھا۔ قہقہے لگائے جا رہے تھے اور میرے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی گندی گالیاں دی جا رہی تھیں۔

اس اذیت کا میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا جو اسلام قبول کرنے کے جرم میں مجھے دی جا رہی تھی۔ تکلیف سے میرا برا حال تھا۔ راستے کے کنکر اور کانٹے میرے جسم میں چبھتے جا رہے تھے۔ میں خدا سے دعا مانگنے لگا:

"یا اللہ! میری موت کو آسان کر دے اور میری زندگی کا خاتمہ ایمان پر کرنا۔ یا اللہ مجھے اس اذیت سے نجات دلا"۔

اس حالت میں بھی جب میں کلمہ طیبہ کا ورد کرتا تو مجھے سکون محسوس ہوتا اور یوں لگتا جیسے مجھے کوئی تکلیف ہی نہیں۔

شنکر مندر ہمارے گاؤں سے تقریباً سوا کلومیٹر دور ہے۔ گھوسی کے قریب ندول گاؤں

ہے۔ ندول اور چمبریا گاؤں کے بیچ میں ایک جنگل ہے اور وہیں جنگل میں یہ مندر ہے۔ مندر کے سامنے ایک تالاب ہے۔ اس کا نام ڈنگواں تالاب ہے۔ اس کے کنارے شمشان گھاٹ ہے، جہاں ہندو اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں۔

میرا خیال تھا کہ اب ہندو مجھے یہاں زندہ جلا دیں گے۔ اللہ سے ملاقات کی خوشی میں ایک لہر سی میرے پورے جسم میں دوڑ گئی۔ میں اپنے آپ کو اس دنیا سے بہت دور دوسری دنیا میں دیکھنے لگا۔ ''موت کا منظر، مرنے کے بعد کیا ہوگا'' جو کتاب پڑھی تھی، اس کا بیان کردہ ایک ایک منظر میرے ذہن میں گھومنے لگا۔ اللہ کے حضور میرے دل سے دعا نکلنے لگی: ''یا اللہ! دوزخ سے بچانا، قبر کا حساب آسان کرنا، اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب کرنا اور اپنے دیدار کی سعادت بخشنا''۔

مندر میں لے جا کر میرے کپڑے اتار کر جلا دیئے گئے اور پیلے رنگ کی دھوتی پہنا دی گئی۔ راکھ لا کر میرے بدن پر مَلی گئی اور ماتھے پر تلک لگایا گیا۔ انہوں نے میرا سر منڈا دیا اور چٹیا (بودی) چھوڑ دی۔ سؤر کے دو بچے لائے گئے۔ ان کو قتل کر کے ان کے خون سے مجھے غسل دیا گیا۔ پھر پنڈت آیا، اس نے کتھا شروع کی۔ وہ رامائن پڑھنے لگا۔

یہ سب کچھ ہوتا دیکھ کر میں سوچ رہا تھا کہ ہندو مجھے زندہ جلانے سے پہلے اپنی مذہبی رسومات ادا کر رہے ہیں۔ ان سب رسومات کو دیکھ کر میں خدا سے عرض کرنے لگا کہ یا اللہ میرا ان رسومات سے کوئی تعلق نہیں، تو جانتا ہے کہ میں یہاں بے بس ہوں، اس لئے مجھے معاف کر دینا۔

میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ کتھا مکمل کرنے کے بعد پنڈت نے اعلان کیا کہ محمد علی اب رام چندر ہو گیا ہے۔ یہ اعلان سن کر ہندو خوشی سے ناچنے لگے۔ مٹھائی تقسیم کی گئی اور ہندو ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے۔

میرے لئے یہ فیصلہ غیر متوقع ہی نہیں بلکہ تکلیف دہ بھی تھا۔ مرنے کے لئے میں تیار ہو چکا تھا اور ہندو جس طرح کی زندگی مجھے دینا چاہتے تھے وہ مجھے قبول نہیں تھی۔ میں رام چندر بن کر ایک لمحہ بھی نہیں گزارنا چاہتا تھا اور محمد علی بن کر ہزار بار بھی موت کو گلے لگانے کو

تیار تھا۔ میرے لئے زندگی کے یہ لمحات پہلی تمام اذیتوں سے بھی زیادہ اذیت ناک تھے۔ ان کی مبارک بادیں اور خوشی کے قہقہے میرے سینے پر خنجر کی تیز نوک بن کر چبھ رہے تھے۔ میں زیادہ دیر برداشت نہ کر سکا اور اعلان کر دیا:

"ہندوؤ! سن لو تم لوگ مجھے دوبارہ ہندو نہیں بنا سکتے۔ میں خدائے احد کو چھوڑ کر پتھر کے تراشے ہوئے بتوں کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہو سکتا۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں۔ مجھے مسلمانوں کے پاس جانے دو"۔

یہ کہنا تھا کہ انہوں نے پھر مجھے مارنا شروع کر دیا۔ وہ وقفوں وقفوں سے مارتے رہے یہاں تک کہ رات ہو گئی۔

رات کو انہوں نے مجھے مندر کے اندر بند کر دیا اور تالے لگا کر سارے ہندو اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ مندر میں بند کرتے وقت پنڈت نے کہا: "تم بھگوان کے دشمن ہو، تم بھگوان کی شکتی کے منکر ہو، تم ہمارے دیوتاؤں کو بُرا کہتے ہو۔ آج رات بھگوان کی کرپا (طفیل) سے جن اور بھوت تمہیں کھا جائیں گے"۔

"اگر رام چندر ہوتا تو شاید کھا جاتے مگر خدائے وحدۂ لاشریک کی قسم میں اب محمد علی ہوں۔ جن بھوت میرا نام سن کر ہی خاک ہو جائیں گے"۔ میرے منہ سے نکلا۔

مندر میں کالی مائی کلکتے والی کا خوفناک بت تھا۔ اس کے علاوہ گنیش اور سری کرشن کے بت تھے۔ گائے ماتا کے بت بھی تھے۔ رات کے سناٹے میں، میں مندر کے اندر تنہا تھا اور ایک خوفناک منظر تھا۔ اگر مسلمان ہونے سے پہلے مجھے یہاں اس طرح رات گزارنا پڑتی تو شاید خوف کے مارے میں چند لمحوں میں مر جاتا، لیکن اب تو مجھے اپنے خدا پر کامل یقین تھا کہ یہ پتھر اور مٹی کے بت میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، لیکن اس کے باوجود دل میں ایک خوف تھا۔ آخر ساری زندگی ان بتوں کو بھگوان سمجھ کر پرستش کرتے ہوئے اور ان کے مافوق الفطرت کارناموں کے سینکڑوں من گھڑت قصے سنتے ہوئے گزاری تھی، اس لئے ابھی تک لاشعور میں ان کا خوف باقی تھا۔ شاید اس خوف کو ذہن سے نکالنے کے لئے ہی میرے اللہ نے مجھے یہاں بند کرایا تھا۔ اس خوف کو دور کرنے کے لئے میں ساری رات اللہ کا ذکر کرتا

رہا۔ جو آیات اور دعائیں یاد تھیں وہ پڑھتا رہا۔

میری پشت شدید زخمی تھی، اس لئے رات کو چت لیٹ کر نہیں سو سکتا تھا۔ ویسے بھی درد کی ٹیسیں پورے جسم سے اٹھ رہی تھیں اور رُواں رُواں دکھ رہا تھا۔ جانے رات کو کس وقت اور کس طرح اللہ نے نیند دے دی اور شدید تکلیف میں اس نیند سے اللہ تعالیٰ بعد میں بھی مجھے نوازتا رہا۔

دوسرے دن سارے ہندو مجھے زندہ دیکھ کر حیران رہ گئے مگر ان بت پرستوں کی قسمت میں گمراہی لکھی جا چکی تھی اس لئے یہ سب کچھ دیکھ کر بھی وہ حق کو قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ بجائے اس کے کہ وہ تسلیم کر لیتے کہ مٹی اور پتھر کے بھگوان کسی شکتی یا طاقت کے مالک نہیں ہوتے اور نہ وہ کسی انسان کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں، الٹا کہنے لگے: "ہمارا بھگوان رحم دل ہے۔ وہ تمہیں سیدھے راستے پر آنے کا مزید موقع دینا چاہتا ہے، چنانچہ اس نے تجھے جنوں اور بھوتوں سے بچائے رکھا، اس لئے ہم تم سے کہتے ہیں کہ جتنی جلدی ہو سکے ہندومت کو دوبارہ قبول کر لو۔ اگر تم نے ہندومت کو جلدی قبول نہ کیا تو پھر بھگوان کی ناراضی تمہیں بھسم کر کے رکھ دے گی"۔

میں ان کی بات سن کر ہنسا کہ پتھر کے بتوں میں بھی دل ہے اور وہ بھی رحم دل ہیں۔ میں نے ان سے کہا: "تمہارے یہ مٹی اور پتھر کے بھگوان میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ہاں اگر تم اپنی سلامتی چاہتے ہو اور دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نہیں جلنا چاہتے تو اسلام قبول کر لو"۔

ایک دفعہ پھر مجھ پر تشدد شروع ہو گیا۔ میں سوچنے لگا کہ ان ظالموں سے مجھے بچانے والا یہاں کوئی نہیں لیکن دل نے اس کی تردید کرتے ہوئے گواہی دی کہ میرا اللہ تو یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا ہے اور اللہ سے بڑا محافظ بھلا کون ہو سکتا ہے۔

"بے شک اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور کیسا اچھا مددگار!"

پچھلے چوبیس گھنٹے سے میں نے کچھ نہیں کھایا تھا اور نہ کھانے کو مجھے کچھ دیا گیا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم تھا کہ اس نے بھوک برداشت کرنے کی ہمت دی ہوئی تھی۔ میرے ماں

باپ اور بہن بھائی تو دوسرے ہندوؤں کے ساتھ مل کر مجھے مار ڈالنے پر تلے ہوئے تھے۔ ایک میری بھابی ہی رحم دل تھی جس نے مجھے گھر میں بھی ان ظالموں سے بچانے کی کوشش کی تھی اور پھر جیل سے بھی رہائی کے لئے اس نے دن رات ایک کر دیا تھا۔ اب بھی اس نے بڑی منتوں اور کوششوں کے بعد ان پنڈتوں اور پجاریوں سے میرے لئے کھانا لانے کی اجازت لی تھی۔ نہ جانے اس کے لئے اس نے کیا کیا جھوٹ بولے ہوں گے۔ میری اس حمایت پر میرے بھائیوں سے اسے مار بھی پڑی تھی لیکن جس طرح اس نے میرا ساتھ دیا وہ میں کبھی نہیں بھلا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے ایک رحم دل بہن اور پیار کرنے والی ماں کا حق ادا کیا۔ وہی صبح وشام مندر میں کھانا لے کر آتی۔

مندر کے دن اور راتیں میرے لئے بہت اذیت ناک تھیں۔ زخموں کا درد نہ دن کو چین سے بیٹھنے دیتا نہ رات کو آرام سے سونے دیتا۔ میں اس بت کدے میں دن رات رو رو کر اللہ سے دعا کرتا: ''اے اللہ تو حق ہے' اسلام حق ہے' تیرا رسول ؐ بھی برحق ہے۔ اے اللہ! اگر میری زندگی ہے تو پھر مجھے ان ظالم کافروں سے نجات دلا دے' اگر نہیں ہے تو پھر مجھے جلدی اپنے پاس بلا لے۔ کافروں کی مار اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتی''۔

اللہ نے میری دعا قبول کر لی۔ میرے ذہن میں اللہ نے ایک بات ڈال دی کہ مجھے یہاں سے رات کو فرار ہو جانا چاہئے۔

مندر بہت وسیع وعریض تھا اور رات کو یہاں کوئی نہیں ہوتا تھا۔ فرار مشکل ضرور تھا مگر ناممکن نہیں تھا۔ مندر کی دیواریں بہت اونچی تھیں۔ میں نے جائزہ لیا کہ میں بتوں کے اوپر چڑھ کر روشن دان تک پہنچ سکتا ہوں۔ اگر ایک عدد رسی مل جائے تو میں اسے بت کی گردن سے باندھ کر روشندان کے ذریعے باہر لٹکا کر آرام سے باہر نکل سکتا ہوں۔

میں نے بھابی سے مدد لینے کا فیصلہ کیا۔ دوسرے دن جب وہ کھانا دینے آئی تو میں نے اپنے منصوبے کا اس سے ذکر کیا۔ منصوبہ سن کر اس نے کہا: ''ہائے! آپ بھگوان کے سر پر چڑھ کر بھاگیں گے؟'' لیکن ساتھ ہی اس نے کہا کہ میں اپنے بھائی کو اس مصیبت سے نجات دلانے کے لئے سب کچھ کروں گی۔

رات کو جب وہ کھانا دینے آئی تو اپنی کمر سے باندھ کر ایک رسی بھی لے آئی۔ میں نے اس سے کہا کہ جہاں آپ نے اب تک میری اتنی مدد کی ہے وہاں میرا ایک آخری کام بھی کر دینا۔ فلاں مسلمان کو پیغام دے دینا کہ میں آج رات یہاں سے بھاگ کر آؤں گا اور وہ مجھے پیپل کے درخت کے قریب ملیں۔

بھابی میرے یہاں سے فرار ہونے پر خوش بھی تھی اور افسردہ بھی۔ اس نے جاتے ہوئے کہا: ''رام چندر!''

''نہیں بھابی! میرا نام محمد علی ہے''۔ میں نے تصحیح کی۔

''چلو محمد علی ہی سہی۔ مجھے اپنے سگے بھائیوں سے بھی زیادہ عزیز ہو۔ مجھے اس بات کا دکھ ہے کہ تم جب یہاں سے چلے گئے تو پھر شاید میں زندگی بھر تمہیں کبھی نہ دیکھ سکوں لیکن تمہیں یہاں پٹتے بھی تو نہیں دیکھ سکتی۔ تم نے جتنے دکھ اٹھائے ہیں میرے دل پر بھی اتنے ہی زخم لگے ہیں۔ میں راتوں کو تمہارے لئے روتی رہی ہوں۔ میں نے تمہارے بھائی، ماں اور باپ کو بہت سمجھایا ہے مگر میری کوئی نہیں سنتا۔ یہاں سے جانے کے بعد تم مجھے یاد تو بہت آؤ گے مگر مجھے ایک اطمینان اور خوشی ہے کہ تم اس عذاب سے تو چھوٹ جاؤ گے۔ میری دعا ہے کہ تم جہاں بھی جاؤ بھگوان تمہاری حفاظت کرے اور تمہیں خوش رکھے''۔

''بھگوان نہیں، اللہ کہو بھابی جان''۔ میں نے کہا تو وہ ہنس کر بولیں: ''چلو اللہ ہی کہہ لو''۔

اتنی رحم دل بھابی سے بچھڑنے کا مجھے بھی بہت دکھ ہو رہا تھا۔ وہ جانے لگی تو میں نے سوچا کہ اس مدد پر اس کا شکریہ ہی ادا کر دوں۔ میں نے آواز دے کر اسے واپس بلایا اور کہا: ''بھابی جان! مصیبت میں جب ماں باپ اور بہن بھائی سب ساتھ چھوڑ گئے اور خون کے پیاسے ہو گئے تو میرے خدا کے بعد صرف تم ہو جس نے میری مدد کی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کن الفاظ میں تمہارا شکریہ ادا کروں۔ میں تمہاری یہ محبت اور شفقت زندگی کے آخری سانس تک نہیں بھولوں گا۔ میری خاطر تم نے جس طرح مار کھائی ہے اور تکلیفیں اٹھائی ہیں میں اس احسان کا بدلہ کبھی نہیں اتار سکتا''۔

میں نے دیکھا کہ بھابی کی آنکھوں میں آنسو بھر چکے تھے اور وہ دوپٹے سے انہیں پونچھ رہی تھی۔ میری آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کی آواز سسکیوں میں دب کر رہ گئی اور وہ روتی ہوئی چلی گئی۔

کالی مائی کی پتھر کی لمبی زبان باہر نکلی ہوئی تھی۔ میں نے رسی اس کی زبان سے باندھی اور روشن دان سے باہر نکال دی۔ میں اس کام سے فارغ ہوا تو یکلخت میرے ذہن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ گھوم گیا۔ جب شہر کے لوگ باہر میلے میں گئے ہوئے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت خانے میں داخل ہو کر کسی بت کا سر اڑا دیا' کسی کا کان' کسی کی ناک اور کسی کے ہاتھ۔ میں نے سوچا کیوں نہ میں بھی اس بت خانے کا وہی حشر کر کے سنت ابراہیمی علیہ السلام کا ثواب کماؤں۔

میرا جسم زخموں سے چور چور تھا' زخم خراب ہو چکے تھے لیکن اس کے باوجود میں نے سنت ابراہیمی کی یاد تازہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ میں نے مندر کے اندر لگے ہوئے پوسٹر پھاڑ دیئے اور ایک اینٹ اٹھا کر بتوں کا حلیہ بگاڑنے لگا اور کسی کی ناک' کسی کا ہاتھ' کسی کا کان اور کسی کی آنکھ ضائع کر دی۔

مرغ کی اذان سے وقت کا اندازہ لگایا اور رسی کے ذریعے روشن دان کے باہر کود گیا۔ مسلمان پیپل کے قریب میرا انتظار کر رہے تھے۔ میرے جسم پر صرف ایک دھوتی تھی۔ میں نے اپنے اوپر گزرنے والے حالات سے مختصراً مسلمانوں کو آگاہ کیا۔ انہوں نے مجھے کار میں سوار کیا اور جونپور کے 'ریاض العلوم' میں لے آئے۔ جونپور ہمارے گاؤں سے 100 کلومیٹر دور ہے۔ مولانا حلیم صاحب وہاں کے مہتمم تھے۔ ہم لوگ کچھ دیر ان کے پاس رہے اور پھر مولانا صاحب کے حکم کے مطابق بمبئی روانہ ہو گئے۔

بمبئی میں حاجی شمس الدین کے پاس قیام ہوا۔ یہ بھی میرے گاؤں کے رہنے والے اور ہمسائے تھے۔ حاجی صاحب دار العلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں۔ ان کا بمبئی میں بہت بڑا کاروبار ہے۔ وہ جمعیت العلمائے ہند کے اہم عہدیدار بھی ہیں اور طبیہ کالج مدن پورہ کی انتظامیہ کے سیکرٹری بھی ہیں۔

میں شدید زخمی تھا۔ مجھے فوراً ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔ میری پشت کی کھال سے کئی آپریشنوں کے بعد سینکڑوں کنکریاں اور کانٹے نکالے گئے جو گھسیٹنے کے دوران میں میری کھال میں چبھ چکے تھے۔ چھ ماہ تک میں ہسپتال میں زیر علاج رہا۔ اسی دوران میں میرے ختنے بھی ہوئے۔

حاجی صاحب کے پاس میں تقریباً ایک سال رہا۔ اس کے بعد مجھے "دارالعلوم امدادیہ" بمبئی میں داخل کرا دیا گیا۔ یہاں میں تین سال تک رہا۔ ان تین برسوں میں ابتدائی اردو، قرآن ناظرہ اور درجہ اولیٰ کا امتحان پاس کیا۔

اس دوران میں مجھے اپنی بھابی کی یاد آتی رہی لیکن اس سے جا کر مل نہیں سکتا تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ گھر والے بھی مجھے تلاش کرتے رہے کیونکہ مجھے دوبارہ ہندو بنانے کی ان کی خواہش پوری نہیں ہوئی تھی۔ ایک دن مجھے پتہ چلا کہ حاجی صاحب بمبئی سے گاؤں جا رہے ہیں۔ میں نے اپنی بھابی کے نام انہیں ایک خط دیا اور تاکید کی کہ کسی کو پتہ نہ چلے۔

گھر والوں کو نہ جانے کس طرح میرا پتہ چل گیا اور وہ مجھے پکڑنے کے لئے دوسرے ہندوؤں سمیت بمبئی آ پہنچے۔ ان کے ایما پر پولیس مدرسے اور حاجی صاحب کے گھر بار بار چکر لگاتی رہی۔ یہ صورت حال دیکھ کر حاجی صاحب نے دوسرے علماء سے میرے بارے میں مشورہ کیا۔ کسی نے مشورہ دیا کہ اسے سعودی عرب بھیج دیا جائے اور کسی نے کہا کہ ایران۔ آخر فیصلہ ہوا کہ پاکستان سب سے اچھا رہے گا اور وہاں ضیاء الحق جیسا دین دار اور خدا ترس حکمران بھی ہے، جو کسی مشکل وقت میں ایک نومسلم کی مدد بھی کر سکتا ہے۔ اس طرح 18 مئی 1986ء کو میں پاکستان آ گیا۔ پاکستان میں مولانا عبداللہ، خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد میرے سرپرست مقرر ہوئے اور اسلام آباد ہی میں، میں نے دینی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی۔

مولانا عبداللہ صاحب نے شہید صدر ضیاء الحق" سے بھی میری ملاقات کروائی۔ اسلام آباد ہوٹل میں علماء و مشائخ کی کانفرنس تھی۔ میں بھی اس میں شریک تھا۔ مولانا مجھے صدر صاحب کے پاس لے گئے اور میرے بارے میں بتایا۔ صدر پاکستان میرے اسلام قبول کرنے کا سن کر

بہت خوش ہوئے۔ میں نے پاکستانی نیشنلٹی کی بات کی تو انہوں نے فوراً رقعہ لکھ دیا۔

میں نے صدر ضیاء الحق کی اسلام دوستی کے بارے میں جو کچھ سنا تھا، انہیں اس سے بڑھ کر پایا۔ وہ واقعتاً اس دور کے ایک عظیم جرنیل اور درویش صفت خدا ترس حکمران تھے۔

مولانا عبداللہ صاحب کا تعلق حرکتہ الجہاد الاسلامی العالمی سے بھی تھا۔ مذکورہ بالا کانفرنس میں، میں نے علماء اور حرکتہ الجہاد کے لوگوں کو جہاد افغانستان پر بحث کرتے سنا۔ ان کی باتیں سن کر مجھے بھی جہاد افغانستان میں دلچسپی ہوئی اور میرا دل میدان جہاد میں جانے کے لئے بے قرار ہونے لگا۔ جہاد میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کی خواہش انگڑائیاں لینے لگی۔

اسی شوق کی تکمیل میں، میں نے 1987ء میں افغانستان کی طرف سفر کیا۔ صوبہ پکتیا میں الفتح غنڈ کے قریب فیض پوسٹ پر قیام ہوا۔ سرفراز صاحب ہمارے کمانڈر تھے۔ (یہ اب شہید ہو چکے ہیں ...... ملک احمد سرور) میں یہاں سولہ دن رہا۔ اس دوران میں اسلحے کی ابتدائی ٹریننگ لی اور جاجی چھاؤنی پر حملے میں بھی شرکت کی۔ دوسری دفعہ جمعیت المجاہدین کے امیر مولانا مسعود احمد کاشمیری کے ساتھ خوست کے قریب باڑی کے علاقے میں گیا۔ یہاں ایک ہفتہ رہا اور لڑائی میں شرکت بھی کی۔ اس لڑائی میں ایک بارودی سرنگ سے مولانا مسعود صاحب کی بائیں ٹانگ اڑ گئی۔ خون فوارے کی طرح بہنے لگا لیکن وہ اللہ کا بندہ اپنی زندگی کے آخری سانسوں میں بھی ہمیں جہاد کی تلقین کرتا رہا۔ آدھ گھنٹے کے بعد وہ شہید ہو گئے۔ اسی معرکے میں ایک مجاہد عبدالستار ملتانی کا بھی پاؤں شدید زخمی ہو گیا۔ ٹانگ کاٹنے کا کہا تو انہوں نے خود ہی اپنی پنڈلی جو تھوڑے سے گوشت کے ساتھ لٹکی ہوئی تھی کھینچ کر علیحدہ کر دی۔ بروقت طبی امداد نہ ملنے اور خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے یہ بھی شہید ہو گئے۔

میں صوبہ پکتیکا میں ارگن اور خوست کے قریب مانٹری کنڈو کے محاذ پر بھی گیا۔ باڑی کے محاذ پر کمانڈر خالد زبیر بھی میرے سامنے شہید ہوئے اور خالد محمود اور عبدالرحمٰن کی ٹانگیں بھی کٹ گئیں۔ میں جب بھی افغانستان گیا میری ہمیشہ خواہش رہی کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کے اعزاز سے نوازے لیکن شاید ابھی تک میں اپنے آپ کو شہادت کے قابل ثابت نہیں کر سکا۔

اپنی داستان سنانے کے بعد انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ اپنے والدین سے ملنے بھارت

واپس جا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا والدین بطور مسلمان آپ کو قبول کرلیں گے تو انہوں نے بتایا کہ اتنے سالوں کی جدائی نے والدین کے دلوں کو نرم کر دیا ہے اور ان کی دعوت پر ہی جا رہا ہوں۔ ان کے خطوط آئے تھے کہ آ کر مل جاؤ۔ ''کہیں وہ دھوکے سے تو آپ کو نہیں بلا رہے ہیں؟'' میں نے پوچھا تو انہوں نے بتایا: ''میرے دل میں بھی ایسا شک پایا جاتا ہے' اس لئے میں پہلے اپنے مسلمان دوستوں کے پاس جاؤں گا' حالات کا پوری طرح جائزہ لینے کے بعد ہی والدین کے گھر قدم رکھوں گا''۔

انہوں نے مزید بتایا کہ ہندو بنیادی طور پر لالچی ہوتا ہے اور میں ان کے لئے کافی تحائف لے کر جا رہا ہوں' اس لئے مجھے امید ہے کہ وہ میرے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔

بھارت سے واپسی پر بھی وہ مجھے ملے۔ انہوں نے بتایا: ''گھر والے بڑے اچھے انداز سے پیش آئے مگر میری بھابی اس گھر میں نہیں تھی۔ وہ میرے پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو چکی تھی۔ اس کی وفات کا سن کر مجھے بہت دکھ ہوا۔ میں اس کے لئے بھی تحفے لے کر گیا تھا مگر افسوس کہ جس سے سب سے زیادہ ملنے کی تمنا تھی' اس سے ملاقات نہ ہو سکی''۔

ان کی خواہش تھی کہ انہیں پاکستانی شہریت مل جائے' اس کے لئے انہوں نے بہت کوشش کی۔ سعودی عرب جا کر مزید تعلیم حاصل کرنے کا بھی پروگرام رکھتے تھے۔ ان کا قیام راولپنڈی کے ایک مدرسہ میں تھا۔ وقتاً فوقتاً ان کے خطوط آتے رہے۔ پھر اچانک ان کے خطوط آنا بند ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد پتہ چلا کہ انہیں کوئٹہ میں گرفتار کرلیا گیا ہے۔ کوئٹہ میں وہ کیوں گرفتار ہوئے اور ان کے ساتھ کیا بیتی' اس بارے میں مجھے کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ پھر اچانک بھارت میں ان کی گرفتاری کی خبر آ گئی۔ بھارت میں ان کی گرفتاری کی خبر پڑھ کر بہت دکھ ہوا اور میں نے ان کے لئے بہت دعائیں مانگیں۔ گزشتہ سال 2000ء میں وہ پاکستان آئے' مجھے ڈھونڈتے رہے مگر ملاقات نہ ہو سکی۔ بہرحال مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ وہ رہا ہو چکے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ انہیں استقامت دے اور اسلام پر قائم رکھے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆

بپتسمہ کی رسم

بپتسمہ کی رسم جس سے انسان عیسائیت میں داخل ہوتا ہے ایک قسم کا غسل ہے۔ اس کے بغیر کوئی شخص دین عیسائیت نہیں اختیار کر سکتا۔ اس رسم کی پشت پر بھی کفارہ کا عقیدہ کارفرما ہے۔ جو لوگ عیسائی مذہب میں داخل ہونا چاہتے ہیں وہ پہلے ایک عبوری دور سے گزرتے ہیں جس میں وہ عیسائیت کی بنیادی تعلیمات حاصل کرتے ہیں۔ اس کے بعد بپتسمہ کی رسم عمل میں آتی ہے۔ عیسائیت میں داخل ہونے والے امیدوار کو ایک خاص کمرہ میں اس طرح لٹایا جاتا ہے کہ اس کا رخ مغرب کی طرف ہو۔ پھر امیدوار اپنے ہاتھ مغرب کی طرف پھیلاتا ہے اور کہتا ہے: ''اے شیطان میں تجھ سے دست بردار ہوتا ہوں''۔ پھر وہ مشرق کی طرف رخ کر کے عیسائی عقائد قبول کرنے کا اعلان کرتا ہے۔ اس کے بعد اس کے تمام کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں اور ایک دم کئے ہوئے تیل سے اس کے پورے جسم کی مالش کی جاتی ہے۔ اس کے بعد اسے بپتسمہ کے حوض میں ڈالا جاتا ہے اور بپتسمہ دینے والے پادری یا کلیسا کے لوگ اس سے تین سوال کرتے ہیں کہ کیا وہ باپ بیٹے اور روح القدس پر مقررہ تفصیلات کے ساتھ ایمان رکھتا ہے؟ ہر سوال کے جواب میں امیدوار کہتا ہے کہ میں ایمان رکھتا ہوں۔ اس سوال و جواب کے بعد اسے حوض سے نکال لیا جاتا ہے اور اس کی پیشانی، کان، ناک اور سینہ پر دم کئے ہوئے تیل سے دوبارہ مالش کی جاتی ہے اور پھر اس کو سفید کپڑے پہنا دیئے جاتے ہیں۔ یہ ایک رمز و علامت ہے، اس بات کی یہ شخص اب گناہوں سے پاک و صاف ہو گیا ہے۔ اس رسم کے بعد عشائے ربانی کی رسم میں وہ پہلی بار شریک ہوتا ہے۔ کلیسا میں کچھ دعائیں پڑھی جاتی ہیں اور نغمے سنائے جاتے ہیں اور پڑھے جاتے ہیں۔ اس کے بعد حاضرین ایک دوسرے کا بوسہ لیتے ہیں۔ پھر روٹی اور شراب لائی جاتی ہے اور صدر مجلس پادری اس کو لے کر باپ بیٹے اور روح القدس سے برکت کی دعا کرتا ہے جس پر تمام حاضرین آمین کہتے ہیں۔ پھر کلیسا کے خدام روٹی اور شراب کو تمام حاضرین میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس عمل سے عیسائیت کے عقیدہ کے مطابق روٹی مسیح کا بدن بن جاتی ہے اور شراب مسیح کا خون اور تمام حاضرین اسے کھا پی کر اپنے عقیدہ کفارہ کو تازہ کرتے ہیں۔ اس کو عشائے ربانی کہتے ہیں۔ (ڈاکٹر محسن عثمانی)

رشین آرتھوڈکس چرچ کے پادری اور ڈوما کے رکن

ویاشسلف پولوسن کا قبولِ اسلام

ویاشسلف پولوسن (VIACHESLAV POLOSIN) روسی آرتھوڈکس چرچ کے پادری تھے۔ 1991ء میں وہ سپریم سوویت کی پارلیمنٹ ''ڈوما'' کے رکن منتخب ہوئے اور ڈوما میں انہیں ''کمیٹی برائے آزادی ضمیر، عقیدہ اور خیراتی کام'' کا چیئرمین بنایا گیا۔ وہ مذہب سے متعلق روسی قوانین کے مسودہ نگار کے مشیر بھی تھے۔

انہوں نے 2000ء کے شروع میں جب اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کیا تو یہ بہت سوں کے لئے حیران کن تھا۔ بعض نے تو اس شبہ کا اظہار کیا کہ وہ کسی نفسیاتی مرض کا شکار ہوگئے ہیں۔ کچھ نے کہا کہ انہوں نے یہ اعلان کر کے نہایت ہوشیاری سے اپنے بعض سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے پیشگی منصوبہ بندی کی ہے لیکن انہوں نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ ان کا یہ انتخاب (یعنی قبولِ اسلام) خالصتاً سچائی اور منطق و فلسفہ کی بنیاد پر ہے اور قبولِ اسلام کے اعلان کے قطعاً کسی قسم کے سیاسی مقاصد نہیں ہیں۔ قبولِ اسلام کا فیصلہ طویل اور گہرے تدبر و تفکر کا نتیجہ ہے۔ ان کا یہ انٹرویو الیگزینڈر سولڈیٹف (ALEXANDER SOLDATOV) نے لیا اور موسکووسکائی نووستی (MOSKOVSKIE NOVOSTI) کے شمارہ 8 تا 14 مارچ 2000ء میں شائع ہوا۔ اس سے قبل انہوں نے جریدہ ''مسلمین'' (MUSULMANE) کو بھی انٹرویو دیا

تھا۔ اس انٹرویو کے حوالے سے ماسکو ٹائمز نے 11 جون 1999ء کو آندرے زولوٹف کا ایک مضمون شائع کیا جسے بھارت کے جریدہ ''ریڈیئنس'' نے اپنے شمارہ 20 تا 26 جون 1999ء میں شامل اشاعت کیا جبکہ الیگزینڈر کا انٹرویو ریڈیئنس نے اپنے شمارہ 21 تا 27 مئی 2000ء میں شائع کیا۔ ہم نے ویاشسلف کے بارے میں معلومات انہی دو مضامین سے لی ہیں۔

44 سالہ ویاشسلف اپنے روحانی سفر میں کئی مرحلوں سے گزرے ہیں۔ وہ فلسفہ کے طالب علم بھی رہے ہیں اور کلیسائی پادری بھی' قانون ساز بھی اور مذہب سے متعلق روسی قوانین کے مسودہ نگار کے مشیر بھی۔

جریدہ مسلمین سے انٹرویو میں انہوں نے اعلان کیا: ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ''، یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی الہ نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ اس طرح ویاشسلف نے روایتی طریقے سے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ انہوں نے کہا: ''میں نے اپنے سوشل سٹیٹس کو اپنے ایمان و یقین کے مطابق بنانے کا فیصلہ کیا ہے''۔ ڈوما آفس میں دیئے گئے انٹرویو میں انہوں نے کہا: ''اسلام کے فلسفہ توحید نے مجھے اپنے نئے انتخاب کی طرف دھکیلا۔ کئی سالوں کے سائنسی حقائق کے مطالعہ اور میرے ذاتی روحانی احساسات نے بھی اس میں حصہ لیا''۔ ویاشسلف جو ماسکو سٹیٹ یونیورسٹی اور ماسکو تھیولوجیکل سیمینری کے گریجوایٹ ہیں' کا کہنا ہے: ''عیسائیت کا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اس نے ''توحید'' کو بتدریج ختم کر دیا ہے اور نظریہ حلول کو فروغ دیا ہے جس میں انسانوں کو الٰہی صفات کا حامل قرار دیا جاتا ہے۔ جب لوگ انسان ساختہ اشیاء اور مخصوص افراد سے خدائی مدد کے طلب گار ہوتے ہیں تو ان کا یہ عمل انہیں ایک اللہ پر ایمان کے عقیدہ سے مزید دور لے جاتا ہے''۔ ویاشسلف کا کہنا ہے: ''تعلیمی لحاظ سے میں ایک فلاسفر ہوں' اس لئے عقل' منطق اور دلائل و براہین پر یقین رکھتا ہوں''۔

ویاشسلف پولوسن نے 1991ء میں رشین سپریم سوویت کا رکن منتخب ہونے کے بعد سے کلیسائی پادری کے فرائض انجام نہیں دیئے۔ ڈوما کے رکن منتخب ہونے کے بعد انہیں

''کمیٹی برائے آزادی ضمیر، عقیدہ اور خیراتی کام'' کا چیئرمین بنایا گیا۔ 1995ء میں آخری بار انہوں نے ''عشائے ربانی'' کا انعقاد کیا۔ کئی سالوں سے انہوں نے کاسک (پادریوں کا مخصوص لباس) بھی نہیں پہنا اور اپنے بلائے جانے کیلئے فادر ویاشسلف کے بجائے اپنے آبائی نام ویاشسلف سرجی ایوک کو ترجیح دی۔ آندرے زولوتف (ANDREI ZOLOTOV) اپنے مضمون میں لکھتا ہے کہ انٹرویو کے دوران میں انہوں نے تبدیلی مذہب کے بارے میں کئی تفصیلات اس اندیشہ سے زیر بحث لانے سے انکار کردیا کہ کہیں عیسائیوں کے نظریات کی تحقیر نہ ہو اور ان کے جذبات مجروح نہ ہوں۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے اپنے دلی احترام کا پُرزور اظہار کرتے ہوئے انہوں نے کہا: ''ان میں سے جو بھی اللہ تعالیٰ کا سچا اطاعت گزار ہے، مسلمان ہوسکتا ہے''۔ انہوں نے کہا:

''میرے خیال میں عیسائیوں اور مسلمانوں میں سوشل یونین ہونی چاہیے جو مستقبل میں رشین آئیڈیالوجی اور ریاستی جمہوریت کی بنیاد بنے۔ اسے مغرب کی لبرل جمہوریت کے ساتھ کنفیوژ نہیں کیا جانا چاہیے جو سیکولر اور ملحدانہ ہے''۔

سپریم سوویت کے ڈپٹی اور ڈوما کی کمیٹی برائے مذہبی قانون سازی کے مشیر کے طور پر انہوں نے بہت کام کیا ہے۔ 1991ء کے لبرل قانون اور 1997ء کے امتناعی قانون میں بھی ان کا کردار اہم رہا ہے۔ 1997ء کے امتناعی قانون کے تحت آرتھوڈکسی، اسلام، بدھ مت، یہودیت کو مروج ہونے کی بنیاد ملی اور بیرونی مذاہب کی حدود متعین ہوئی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ کسی بھی نئے مذہبی گروپ کو مکمل قانونی حقوق دینے کے لئے 15 سال تک کے انتظار کے استثناء کو غیر آئینی سمجھتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آئینی عدالت اس پر نظرثانی کرے گی۔ اس کے ساتھ ہی ان کا یہ بھی کہنا ہے: ''میرے خیال میں اس قانون سے روسی مذاہب کو استحکام بھی ملا ہے اور اس قانون نے ''چرچ اور ریاست میں علیحدگی'' کو بھی محفوظ کیا ہے''۔

مغرب میں قبولِ اسلام کے بے شمار واقعات سامنے آرہے ہیں اور اسلام کے پھیلاؤ کی رفتار کسی بھی دوسرے مذہب سے زیادہ ہے مگر اس قدر معروف عیسائی پادری کے قبولِ

اسلام جیسے واقعات شاذونادر ہی ہوتے ہیں' اس لئے پوری عیسائی دنیا ویاشسلف کے قبولِ اسلام کے اعلان پر حیرت میں ڈوب گئی۔ ماسکو کے صلیبی اکابرین یعنی لاٹ پادریوں کے لئے ویاشسلف پولوسن کا اعلان ایک مکمل سرپرائز تھا۔ ایکسٹرنل چرچ ریلیشنز ڈیپارٹمنٹ نے ان کے اس اعلان کو ان کے کردار میں کمزوری' تلون مزاجی اور احساس گناہ کے باعث آنے والی تبدیلی قرار دیا۔ صلیبی اکابرین نے کہا کہ اس مسئلہ کے لئے ''مٹی پاؤ'' کی پالیسی پر عمل کیا جائے۔ قسطنطنیہ کے بطریق اعظم (یونانی قدامت پسند کلیسا کا سربراہ) کے نمائندے پروٹو پریسبائٹر جارج ٹسٹیس (PROTOPRESBYTER GEORGE TSETSIS) (بقول زولوٹف جن کی یونانی آرتھوڈکس کمیونٹی صدیوں سے ترکی مسلمانوں کے دباؤ میں ہے) نے جنیوا سے ٹیلیفون انٹرویو میں کہا کہ اس کے علم میں اس سے قبل کسی آرتھوڈکس پادری کے قبولِ اسلام کا ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے۔ اس نے کہا: ''قسیس (عیسائی پادری) اور آرتھوڈکس عام عیسائی عیسائیت (بقول ان کے انکار عیسیٰ یعنی DENYING CHRIST) چھوڑنے کے بجائے موت کو ترجیح دیتے ہیں''۔

ویاشسلف کے قبولِ اسلام کے اعلان پر ماسکو کے کلیسائی بزرگ سخت پریشان ہوگئے کہ وہ ویاشسلف کے خلاف کیا ایکشن لیں' اگر وہ اس کے پادری کے فرائض منصبی ادا کرنے پر پابندی لگاتے ہیں تو اس کا اسے کیا فرق پڑتا ہے' وہ تو عیسائیت ہی ترک کرچکا۔ بعض چرچ اہلکاروں نے کہا کہ چرچ اس کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لے سکتا' سوائے اس کے کہ جو فارمولا لیوٹولسٹائی (LEO TOLSTOY) کے سلسلہ میں اختیار کیا گیا تھا وہی اس کے خلاف اختیار کیا جائے یعنی ''اپنی غیر آرتھوڈکس تعلیمات کے باعث وہ اپنے آپ کو چرچ سے الگ کرچکا ہے''۔

الیگزینڈر سولڈیٹف کو انٹرویو دیتے ہوئے ویاشسلف نے کہا: ''بچپن سے ہی میں شعوری طور پر دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر پختہ یقین رکھتا تھا۔ بعد میں جب میں یونیورسٹی پہنچا تو میرا واسطہ آرتھوڈکس لٹریچر سے پڑا۔ میں چرچ گیا تو مجھے وہاں جو کچھ نظر آیا وہ میں نے فلسفہ کی کلاسز میں نہیں پڑھا تھا۔ بہرحال میں نے وہاں بہت کچھ سیکھا۔

1979ء میں، میں نے کلیسائی درس گاہ (ECCLESIASTICAL SEMINARY) میں اپنی دستاویزات جمع کرا دیں اور اب 20 سال بعد میں نے جریدہ "مسلمین" کو انٹرویو دیا ہے۔ (جس میں انہوں نے اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کیا تھا۔) میری زندگی کے ارتقاء میں یہ دو انتہائی اہم مرحلے ہیں"۔

وہ بتاتے ہیں کہ مسلمین کے ساتھ انٹرویو میں، میں نے کہا تھا: "کئی سالوں کی سخت محنت اور تحقیق نے مجھے اس نتیجے پر پہنچایا ہے کہ قرآن مجید رب کائنات کا اپنی مخلوق نوع انسانی/بشریت میں حلول کر جانے کا نظریہ نہیں رکھتا، کسی دیوتا، دیوی یا خدا کا انسانی جسم میں حلول کر جانے کا عقیدہ ہی بت پرستی کے نظریہ کا جوہر اور اصل بنیاد ہے۔ اس نظریہ کی کوئی بنیاد نہیں ہے کہ تسکین قلب کے لئے جس طرح ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے مذہبی رسوم بجالاتے ہیں، کسی غیر اللہ یا انسانی حکمران یا قوت کی عبادت بھی ایسے ہی کریں تاکہ اطمینان قلب ملے۔ عمل و ایمان میں ہم آہنگی کے تقاضا کے تحت میں نے فیصلہ کیا کہ اپنے عقائد و نظریات کا علانیہ اظہار کردوں کہ میں صحیح عقیدہ، صراطِ مستقیم اور تعلیماتِ توحید کے علمبردار پیغمبروں کا پیروکار ہوں جن کا سلسلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا۔ اب میں اپنے آپ کو پادری اور آرتھوڈکس چرچ کا ممبر نہیں سمجھتا"۔

(حلول: سے مراد عقیدہ بشر پیکری، تجسیمیت ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ایک چیز کا دوسری میں اس طرح مل جانا کہ تمیز نہ رہے۔ اس عقیدہ کی روح کے مطابق خالق مخلوق میں اس طرح سما جاتا ہے کہ خالق و مخلوق میں کوئی فرق نہیں رہتا۔)

وہ مزید کہتے ہیں: "جہاں تک سزا و جزا کا تعلق ہے ہم سب فانی ہیں، جلد یا بدیر اس دنیا کو چھوڑ جائیں گے۔ ہمارے لئے یہ بہتر ہے کہ ہم سچائی پر ثابت قدمی اور غیر متزلزل یقین کے ساتھ رخصت ہوں بجائے اس کے کہ روحانی تضادات اور انسانی فنطاسیہ کے ساتھ جائیں"۔ (فنطاسیہ یعنی سراب خیال، توہمات، مذہبی سبز باغ دکھانے وغیرہ کے عقیدہ کے ساتھ)

مسلمان ہونے کے بعد عملی مشکلات کے حوالے سے انہوں نے بتایا: "جہاں تک عملی

مشکلات کا تعلق ہے بشمول عربی زبان، مجھے امید ہے کہ میں اپنے نئے مسلمان بھائیوں کی مدد اور تعاون سے ان پر قابو پالوں گا۔ میرا ارادہ و خواہش ہے کہ میں اس عالمی نظریہ کا حصہ بنوں گا اور ان کے دکھ سکھ میں شامل ہوں گا''۔

کلیسائی راستے پر چلتے ہوئے آنے والی تبدیلی کا ارتقاء کیسے ہوا؟ اس بارے میں ویاشسلف نے کہا: ''ماسکو کے چرچ سرکل میں شمولیت کے سارے فیصلے میرے ذاتی نہ تھے، میں اپنی ذات کا مکمل مختار نہ تھا۔ فیصلوں میں گھریلو معاملات اور حالات کا دخل بھی تھا جن کے باعث مجھے وسطی ایشیا کی کلیسائی منسٹری سے درخواست کرنا پڑی۔ میں نے مختصر عرصہ کے لئے فرونزے (FRUNZE) اور کسی قدر لمبی مدت کے لئے دوشنبہ میں کام کیا۔ وہاں پہلی بار مشرقی ذہنیت اور اسلامی کلچر سے میرا واسطہ پڑا جس نے میری روح پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ چھ ماہ بعد ہی مجھے سیکولر حکام (کمشنر برائے مذہبی امور) کی نافرمانی کے الزام میں نہایت حقارت و تذلیل کے ساتھ رجسٹریشن سے محروم کر دیا گیا۔ تین سال تک مجھے کہیں بھی قبول نہ کیا گیا، میں ذلت و خواری اور بے توقیری کا شکار رہا اور ہر قسم کے مرتبہ و مقام سے محروم رکھا گیا''۔

ویاشسلف سے جب پوچھا گیا کہ اس بات میں کس قدر صداقت ہے کہ آپ پروٹسٹنٹ بننے کا کوئی ارادہ رکھتے تھے تو انہوں نے بتایا: ''1991ء میں جو امریکی پروٹسٹنٹ بڑی تعداد میں روس آئے اور جن کا استقبال بھی میں نے کیا تھا، انہوں نے تجویز دی کہ اجلاس کا آغاز دعا (Prayer) سے کریں مگر میں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا کہ ایسا قطعاً نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ایک سیکولر ادارہ ہے اور مجھ پر ''آزادی ضمیر'' کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ہے، اس لئے یہاں کسی قسم کی دعا نہیں ہوسکتی۔ میں پروٹسٹنٹ (عیسائی مذہبی فرقہ) کا قلبی احترام کرتا تھا لیکن جہاں تک اس افواہ کا تعلق ہے کہ میں پروٹسٹنٹ ازم قبول کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، میں نہیں جانتا کہ یہ افواہ کدھر سے آئی ہے''۔

1997ء کے ''ضمیر کی آزادی'' کے نئے قانون کے بارے میں ویاشسلف نے بتایا: ''جب تک میں ریاستی ملازم ہوں میں اس قانون سے متعلق تفصیل کو مکمل سچائی کے

ساتھ زیر بحث نہیں لاسکتا۔ اس قانون کو مرتب کرنے والے 15 رکنی ورکنگ گروپ کا میں بھی ایک رکن تھا اور میں اس گروپ میں سب سے کم اثر ورسوخ رکھنے والا رکن تھا۔ اس کے بعد ڈوما میں یہ قانون پیش کیا گیا جس کے بعد مزید کام ہوا''۔

اس سوال کے جواب میں کہ کیا ان میں نئے مذہب کی جستجو آرتھوڈکسی (پرانے مذہب) سے کسی ناخوشگواری کے باعث تو پیدا نہیں ہوئی' انہوں نے کہا کہ جب میں ریاستی مشینری میں کام کر رہا تھا تو میں نے دیکھنا شروع کیا کہ کس طرح چرچ اور ریاست کی مختلف سرگرمیاں عوامی زندگی کو متاثر کرتی ہیں۔ کچھ لوگ عیسائی تعلیمات کی تشریح وتعبیر سے چرچ اور حکومت کے غلط کاموں کا نہ صرف جواز پیش کرتے ہیں بلکہ انہیں خدائی فرمانوں کا عکس قرار دیتے ہیں۔ انٹرویو کرنے والے نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: ''اسلامی دنیا کی تاریخ میں بھی تو ایسی مثالیں موجود ہیں مثلاً خانوں' ترک سلطانوں' عثمانیوں کے دربار...... وغیرہ کے حالات''۔ اس پر انہوں نے کہا کہ قرآن کی تعلیمات میں '' GOD, s ANIONTED '' حکومت کی سختی سے ممانعت ہے۔ اسلام میں فرعونیت ونمرودیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر کوئی غیر قانونی طور پر طاقت حاصل کر کے لوگوں کے حقوق غصب کرتا ہے اور مسلمان اسے گوارہ کر لیتے ہیں تو وہ اس گناہ میں مددگار گردانے جائیں گے۔ سلطنت عثمانیہ میں مسلم کلچر پر جمود طاری تھا اور اسلام وہاں پر روبہ تنزل تھا۔ کلام الٰہی میں دیا گیا اسلامی ماحول اس سے بالکل مختلف ہے۔

ان کے اسلام قبول کرنے کے اعلان پر مسلمانوں نے کس ردعمل کا اظہار کیا' اس بارے میں انہوں نے بتایا: ''میرے قبولِ اسلام کے اعلان پر مسلمانوں کی پرجوش دلچسپی اور میرے لئے محبت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جریدہ مسلمین کے جس شمارے میں میرا انٹرویو شائع ہوا' اس کا ایک اور ایڈیشن چھاپنا پڑا''۔

انہوں نے کہا کہ یہ فطری بات ہے کہ کچھ لوگ میرے قبولِ اسلام پر ناخوش بھی ہوں گے لیکن مجھے ہر ایک کو خوش کرنے کی پروا اور ضرورت نہیں ہے۔ میرے خیال میں ڈوما میں میرے کام میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ میں عیسائیت پر تنقید کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔

جب میں آرتھوڈکسی تھا تو میں نے اس پر سخت تنقید کی تھی لیکن اب ایسا نہیں کروں گا کیونکہ اسلام جیسا کہ وہ قرآن میں پیش کیا گیا ہے کہیں زیادہ جمہوری مذہب ہے اور جبر کی ممانعت کرتا ہے۔

اس سوال پر کہ کیا وہ اپنے سیاسی دائرہ کار کو مزید پھیلانے کا کوئی منصوبہ رکھتے ہیں' انہوں نے کہا: ''فی الحال ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ میں اس بات کو ترجیح دوں گا کہ اسلام کے دائرے میں رہتے ہوئے میں اپنے علم اور مہارت کو مفید سماجی سرگرمیوں میں استعمال کروں۔ میں اپنے آپ کو بطور سیاستدان نہیں بلکہ ایک عوامی اور اکیڈمک اسلامی لیڈر کے طور پر دیکھتا ہوں مگر مستقبل میں کیا ہوگا' یہ صرف اللہ جانتا ہے' 1991ء میں بطور ڈپٹی میرا انتخاب بھی تو غیر متوقع تھا''۔

❋❋❋❋❋
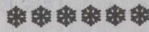
بائبل' قرآن اور سائنس

جب میں نے پہلے پہل قرآنی وحی وتنزیل کا جائزہ لیا تو میرا نقطہ نظر کلیۃً معروضی تھا' پہلے سے کوئی سوچا سمجھا منصوبہ نہ تھا۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ قرآنی متن اور جدید سائنس کی معلومات کے مابین کس درجہ مطابقت ہے۔ تراجم سے مجھے پتا چلا کہ قرآن ہر طرح کے قدرتی حوادث کا اکثر اشارہ کرتا ہے۔ اس مطالعہ سے مجھے مختصر سی معلومات بھی حاصل ہوئیں۔ جب میں نے گہری نظر سے عربی زبان میں اس کے متن کا مطالعہ کیا اور ایک فہرست تیار کی تو مجھے اس کام کو مکمل کرنے کے بعد اس شہادت کا اقرار کرنا پڑا جو میرے سامنے تھی۔ قرآن میں ایک بھی بیان ایسا نہیں ملا جس پر جدید سائنس کے نقطہ نظر سے حرف گیری کی جا سکے۔ اسی معیار کو میں نے عہد نامہ قدیم اور اناجیل کے لئے آزمایا اور ہمیشہ وہی معروضی نقطہ نظر قائم رکھا۔ بائبل میں مجھے پہلی ہی کتاب پیدائش سے آگے نہیں جانا پڑا اور ایسے بیانات مل گئے جو جدید سائنس کے مسلمہ حقائق سے کلی طور پر عدم مطابقت رکھتے تھے۔ (موریس بوکائے کی کتاب ''بائبل' قرآن اور سائنس'' سے۔)

اور پھر میں سچا عیسائی بن گیا

عیسائیت پر تحقیق کرنے والے پی وی پالا سنگھ کی ایمان افروز باتیں

ایک عیسائی گھرانے میں پیدا ہونے کے باوجود میں عیسائی نہ تھا۔ ایک عیسائی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیغام اور تعلیمات پر عمل کرنا ہوتا ہے مگر میں تو یہ نہیں کر رہا تھا۔ بائبل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: ''یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں'' (متی 17:5)۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں کو اسی طرح درس توحید دیا جس طرح ان سے پہلے انبیاء علیہم السلام دیتے آئے تھے۔ نئے عہد نامہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیں انتباہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی و عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا۔ ایک سچا عیسائی وہی ہے جو اپنی زندگی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے مطابق گزارتا ہے۔

یہ سب جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل قادر مطلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دس احکامِ الٰہی ملے تھے (خروج -20)۔ نئے عہد نامہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیں کوہ سینا اور حیروب پر موسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہونے والے مکالمے کی سچائیوں کی تعلیم دیتے ہیں۔ کوہ سینا پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو دس احکام دیئے تھے وہ ہم کتاب خروج اور استثنا (پرانے عہد نامہ کی کتب) میں

پڑھ سکتے ہیں کہ کائنات میں قادر مطلق حق تعالیٰ ایک ہی اللہ ہے اور ہمیں صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔ استثناء کے باب نمبر 4 کی آیت نمبر 39 میں ہم پڑھتے ہیں:

''پس آج کے دن تو جان لے اور اس بات کو اپنے دل میں جما لے کہ اوپر آسمان میں اور نیچے زمین پر خداوند ہی خدا ہے اور کوئی دوسرا نہیں''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیں نئے عہد نامہ میں یہی تعلیمات سکھائی ہیں۔ (مثلاً کتاب رومیوں کے باب 3 میں واضح لکھا ہے: ''ایک ہی خدا ہے''۔ مترجم) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات مبارک کے بارے میں لوگوں کو پہلی بار اس وقت علم ہوتا ہے جب آج سے 1967 سال قبل بپٹسٹ (BAPTIST) یوحنا (JOHN) نے انہیں 30 سال کی عمر میں بپتسمہ دیا۔ (یاد رہے کہ یہ مضمون 1997ء میں لکھا گیا تھا۔ مترجم) سوال یہ ہے کہ اس وقت تک (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کا عرصہ) اس کائنات کا اللہ کون تھا؟ کیا ان لوگوں کے لئے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے پیدا ہوئے کوئی اور خدا تھا اور جو بعد میں پیدا ہوئے ان کے لئے ایک اور (دوسرا) خدا تھا؟ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مذہب کیا تھا؟' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا مذہب کیا تھا؟' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیسے پروان چڑھے اور ان کے عقائد کیا تھے؟' ہم ایسی باتوں کے بارے میں کیوں نہیں سوچتے؟

کیا ہمیں یہ تسلیم کر لینا چاہئے کہ دو خدا ہیں' ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے اور ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد؟' کیا اس کے لئے کوئی ثبوت ہے؟۔ دنیا بھر کی مقدس کتابوں نے اس بارے میں ہمیں کیا پڑھایا ہے؟' صرف ایک ہی نظریہ' وہ یہ کہ'' کائنات کا ایک خدا ہے' صرف خدائے واحد''۔ ہندوؤں کی مقدس کتاب رگ وید' پرانا عہد نامہ اور نیا عہد نامہ کی تعلیمات بھی یہی ہیں۔ کیا نئے عہد نامے میں کوئی ایسی نئی بات مل گئی ہے جو پہلے سے پرانے عہد نامے میں نہ تھی۔ نئے عہد نامے کی بیشتر تحریروں کا کریڈٹ پال کو دیا گیا ہے۔ اور یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اس (پال) نے اس میٹر کے بارے میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرمودات کے بارے میں بعض انتہائی متنازعہ باتیں لکھی ہیں۔

ایک دفعہ ایک قانون کا استاد (فقیہہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور پوچھا:

"سب حکموں میں سب سے اہم اور اول کونسا ہے؟" اور یسوع نے اسے جواب دیا کہ سب احکام میں اول یہ ہے' اے اسرائیل سن' خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح و جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ"۔ (مرقس :12-29-30)

یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ کائنات میں قادر مطلق اللہ تعالیٰ ان سے پہلے تھا اور اسی (اللہ) نے اپنے ارادے سے یہ ساری کائنات پیدا کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیان کر رہے تھے کہ وہ خدا نہیں بلکہ صرف خدا کے پیغمبر ہیں۔

متی (انجیل) کے باب 23 کی آیت 9 میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: "اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو کیونکہ تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمانی ہے"۔

"یسوع نے اس سے کہا' اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر"۔ (متی 10:4)

اپنے اس ارشاد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہی تو بتا رہے تھے کہ صرف خدائے واحد کی عبادت کرنی چاہئے اور اسی کے حضور دعا کرنی چاہئے اور تعظیم و تکریم کے لائق بھی وہی ہستی ہے۔

انجیل مرقس کے باب 10 کی آیت 18 میں ہم پڑھتے ہیں: "اور یسوع نے اس سے کہا' تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے' کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا"۔

انہوں (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے ایک اور آدمی سے کہا: "بلکہ جب تو دعا کرے تو اپنی کوٹھری میں جا اور دروازہ بند کر کے اپنے باپ سے جو پوشیدگی میں ہے دعا کر۔ اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا" (متی 6:6)

انہوں نے تاکید کرتے ہوئے فرمایا: "جو مجھ سے اے خداوند' اے خداوند کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک آسمان کی بادشاہی میں داخل نہ ہو گا مگر وہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے" (متی 21:7)

جیسا کہ انہوں نے واضح کر دیا کہ خدا ایک ہے جو آسمانی بادشاہت (جنت و دوزخ)

وغیرہ کا مالک ہے۔ مجھ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) سے پہلے گزری ہوئی نسلوں اور بعد میں آنے والی نسلوں میں سے کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) خدا ہوں۔ خدا صرف ایک ہے، سچا اور قادر مطلق خدا جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا، اس بارے میں متی کے باب 27 کی آیت 46 میں ہم پڑھتے ہیں: ''اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے اونچی آواز سے چلا کر کہا: ''ایلی، ایلی لما شبقتنی؟ یعنی اے میرے خدا، اے میرے خدا، تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟''۔

اس سے ہم کیا سمجھتے ہیں؟ کہ کیا یسوع (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) ہمارا خدا ہے اور یسوع کا خدا کوئی اور ہے؟ آسمان کی طرف اٹھائے جانے سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مریم مگدلینی سے کیا کہا تھا؟ ''یسوع نے اس سے کہا، مجھے نہ چھو کیونکہ میں اب تک باپ کے پاس اوپر نہیں گیا لیکن میرے بھائیوں کے پاس جا کر ان سے کہہ کہ میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں''۔

(یوحنا، 17:20)

آئیں اب دس احکام الٰہی پر نظر ڈالیں۔ دوسرا حکم اس طرح ہے: ''تو اپنے لئے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا، نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔ تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا''۔

(استثنا، باب نمبر 5)

عیسائی اس حکم کو فراموش کر چکے ہیں اور انہوں نے اپنے گرجوں کو مورتیوں سے بھرا ہوا ہے (سوائے چند کے)۔ یہ انتہائی افسوس ناک ہے کہ آج ہم عیسائیوں کی اکثریت کو باقاعدگی کے ساتھ بتوں (مجسمے، صلیب وغیرہ) کے سامنے سجدہ ریز اور ان کے آگے دعائیں مانگتے دیکھتے ہیں۔ تثلیث کا عقیدہ بھی تعلیمات بائبل کے خلاف ہے۔ وہ نہ صرف خود پختگی کے ساتھ عقیدہ تثلیث سے چمٹے ہوئے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دے رہے ہیں۔ انہیں اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ''دوسروں کو خدا کا

شریک نہ بناؤ‘‘۔

نظریہ تثلیث کی حمایت میں ہمیں بائبل میں صفحہ اول سے لیکر آخر تک کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ کسی پیغمبر نے بھی ایسے عقیدے کی تبلیغ نہیں کی۔ آج کل تو عیسائی مذہب کے پیروکاروں جو دنیا میں تعداد میں سب سے زیادہ ہیں کے ایمان کا بنیادی نظریہ یہی ہے۔ انہوں نے اسے اس لئے قبول کیا ہے کہ چرچ نے انہیں اس کا حکم دیا۔ عقیدہ تثلیث کو نکیا کونسل (NIKIYA COUNCIL) نے 325ء میں تخلیق کیا اور اس کی توثیق کی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوسروں کے گناہوں کے کفارے کے لئے مصلوب نہیں ہوئے تھے جیسا کہ چرچ تبلیغ کرتا ہے۔ پرانے عہد نامے میں اس نظریہ کی حمایت میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اگر عقیدہ تثلیث اور نظریہ صلیب درست ہے تو پھر ہمیں اس کی حمایت میں کوئی ایک بات بھی پرانے عہد نامے میں کیوں نہیں ملتی؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پرانے عہد نامے کے خلاف ایسے کسی تصور کو پروان نہیں چڑھایا تھا۔ بنی نوع انسان تک آداب زندگی اور اپنی تعلیمات پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا' اس لئے تمام عیسائیوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو تسلیم کر کے انہی کے مطابق عمل کریں۔ یسوع (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے پرانے عہد نامہ سے ہٹ کر کسی اور نظریہ کی تعلیم نہیں دی۔

ہر پیغمبر نے اپنے بعد آنے والے پیغمبر کی پیشین گوئی کی ہے۔ یسعیاہ (پُرانے عہد نامہ کی ایک کتاب) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی پیشین گوئی ہے۔ (دیکھیں یسعیاہ کے باب 53 کی آیات میں یسوع کی آمد کی پیشین گوئی ہے جبکہ یسعیاہ کے باب 42 میں حضرت محمدؐ کے بارے میں پیشین گوئی ہے جبکہ کتاب استثنا میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو الفاظ آئے ہیں وہ ہم نئے عہد نامہ (اناجیل) میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ متی' لوقا' مرقس اور یوحنا سب میں اسی بات پر زور دیا گیا ہے کہ یسوع صرف ایک پیغمبر تھے۔ یسوع نے اپنی تعلیمات اور عمل سے بتایا کہ ہمیں کس کی عبادت کرنی چاہئے اور کس طرح کرنی چاہئے اور کن تعلیمات کی ہمیں اپنی زندگی میں پیروی

کرنی چاہئے وغیرہ وغیرہ۔ ان تعلیمات اور اعمال میں سے چند ایک کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے۔ کتاب پیدائش (پرانے عہد نامہ کی پہلی کتاب) میں ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی زندگی، ان کے اور اللہ کے درمیان ہونے والے عہد کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: "تو میرے عہد کو ماننا اور تیرے بعد تیری نسل پشت در پشت اسے مانے اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے"۔

(بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے "اور میرا عہد تمہارے جسم میں ابدی عہد ہوگا اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے کیونکہ اس نے میرا عہد توڑا" ---مترجم)

اس عہد پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پال کے عہد تک عمل ہوتا رہا۔ اس کے بعد پال کو کچھ لوگوں نے گمراہ کیا، اس نے ایک نیا مذہب بنالیا اور ختنے کے خلاف تبلیغ کرنے لگا۔ (گلتیوں ۔5)

پال جو ایک عام آدمی تھا، نے اللہ تعالیٰ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان ہونے والے عہد کو ختم کر دیا۔ خود ہی فیصلہ کریں کہ ان لوگوں کے لئے کیا سزا ہونی چاہئے جنہوں نے بائبل میں کئے جانے والے اللہ تعالیٰ کے انتباہ کی پروا نہ کی؟ نیا عہد نامہ بھی ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ختنے کے بغیر نجات کا اور کوئی راستہ نہیں (اعمال 5'1:15)

ہم اس حکم کی پیروی کیوں نہیں کرتے؟ عیسائیوں کو بائبل میں دی گئی یسوع علیہ السلام کی تعلیمات کو لازماً تسلیم کرنا چاہئے۔ یسوع علیہ السلام کی تعلیمات کی پیروی کئے بغیر کوئی بھی سچا عیسائی نہیں بن سکتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آسمانوں کی طرف اپنے سفر سے پہلے اپنے پیروکاروں کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتایا تھا۔ بائبل میں یہی پیشین گوئی کتاب استثنا 18:18 میں بیان کی گئی ہے۔ یہ پیشین گوئی نئے عہد نامہ کی کتاب اعمال کے باب 3 آیت

22 اور 23 میں بھی پڑھی جاسکتی ہے: ''چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا' جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سننا اور یوں ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنے گا وہ امت میں سے نیست و نابود کر دیا جائے گا''۔ اگرچہ عیسائی اس پیشین گوئی کا تعلق یسوع سے جوڑتے ہیں مگر یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور نہیں۔ صرف وہی واحد پیغمبر ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہیں۔ کتاب استثنا میں ''تیری مانند'' (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند) کے الفاظ نہایت اہم ہیں' یہ خدائی الفاظ ہیں۔ جیسا کہ کتاب استثنا میں بیان کیا گیا ہے: ''اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا''۔

قرآن مجید کی کوئی سورت (سوائے توبہ کے) بھی دیکھ لیں سب کا آغاز ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے ہوتا ہے یعنی اللہ کے نام سے۔ یوحنا کی انجیل میں تین مقامات پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے (یوحنا' 14:16'17-14:25'26-16:7 تا 15) تمام عیسائیوں کو یسوع علیہ السلام کی تعلیمات کی لازماً پیروی کرنی چاہئے' اس کے بعد ہی وہ سچے عیسائی بن سکتے ہیں۔ لہٰذا بتایا جائے کہ دنیا میں سچے عیسائی کون ہیں؟ آج عیسائی درج ذیل باتوں سے اتفاق نہیں کرتے:

(1) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توحید کی تعلیم و تبلیغ کی (2) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان کہ کبھی کسی کو خدا کا شریک نہ بنانا (3) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف ایک خدا کی عبادت کرنے کی تعلیم دی (4) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتباہ کہ مورتیوں کی پرستش نہ کرنا (5) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کہ سؤر کا گوشت اور خون نہ کھانا' صرف حلال چیزیں کھانا (6) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاکید کہ نر بچوں کے ختنے لازمی کرنا --- وغیرہ وغیرہ --- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سچی تعلیمات کی پیروی کرنے کے بجائے عیسائی چرچ کی ہدایات پر عمل کر رہے ہیں۔

برادرانِ عزیز! کیا آپ اس سے اتفاق کرتے ہیں کہ سچے عیسائی ان پادریوں کے

پیروکار ہو سکتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احکام اور تعلیمات کو خیر باد کہہ چکے ہیں؟ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہدایت کی کہ ہم وہی کریں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بائبل میں سکھایا تھا۔ مسلمان وہی ہیں جو ان تعلیمات کی پیروی کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء کرام مسلمان تھے۔ لفظ ''مسلم'' کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تسلیم ہو جانا یعنی سب کچھ اللہ کے حوالے کر دینا۔

بائبل میں ''کعبہ'' کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے جو سعودی عرب میں واقع ہے۔ مکہ اور مدینہ اسلام میں دو مقدس ترین مقامات ہیں۔ عیسائی کعبہ کو تسلیم نہیں کرتے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند ارجمند حضرت اسماعیل علیہ السلام نے دوبارہ تعمیر کیا تھا۔ بائبل میں مختلف مقامات پر اس سچی کہانی کا ذکر ہے کہ آئندہ زمانہ میں اللہ کا عظیم گھر عظیم پہاڑ پر بنے گا' یہ پہاڑوں سے بھی عظیم اور بلند تر ہوگا' تمام بنی نوع انسان کے قدم اسی کی طرف ہوں گے۔ آج مسلمان دنیا کے کونے کونے سے کعبہ کی طرف آتے ہیں۔ آب زم زم کا مقدس کنواں کعبہ سے 25 میٹر دور ہے۔ آج تمام مقامی اور باہر سے آنے والے حاجی اس مقدس پانی کو اپنے ساتھ اپنے گھروں میں لے جاتے ہیں۔ زم زم کے بارے میں بائبل کی کتاب پیدائش میں جو ذکر ہے' عیسائی اسے تسلیم نہیں کرتے۔ یہ چاہ زم زم اس جگہ واقع ہے جہاں حضرت ہاجرہ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لٹایا تھا۔ دیکھیں پیدائش باب 21) دشت فاران کا بھی بائبل میں ذکر ہے جو مکہ میں ہے۔

عیسائیت صرف 1997 (اب 2001 سال کی ہو گئی ہے) سال پرانی ہے جبکہ اسلام بنی نوع انسان کے آغاز سے ہے۔ اگر عیسائیوں کو سچے عیسائی تسلیم کر لیا جائے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کے تمام پیغمبروں اور لوگوں کو بھی عیسائی ہونا چاہئے جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور انؐ کے پیروکار' انؐ سے پہلے کے پیغمبر اور ان کے پیروکار مسلمان ہیں۔

موجودہ بائبل جس میں کافی ادل بدل ہو چکا ہے میں بھی سچائیاں ادھر ادھر چھپی ہوئی ہیں۔ وہ لوگ جو بائبل پر ایمان رکھتے ہیں انہیں اس سچ کو تسلیم کرنا چاہئے۔ تمام عیسائیوں کو

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور مشن کی پیروی کرنی چاہئے۔ تمام عیسائی اس بات کے پابند ہیں کہ وہ اس سچ کو تسلیم کریں اور سچی روح پر یقین رکھیں جیسا کہ یوحنا کی انجیل میں کہا گیا ہے، تب ہی وہ سچے عیسائی بن سکتے ہیں۔

اس نظریہ، مذہب، عقیدہ کی حمایت میں کوئی دلیل نہیں ہے کہ ایک اللہ مسلمانوں کے لئے ہے، ایک دوسرا عیسائیوں کے لئے ایک تیسرا ہندوؤں کے لئے وغیرہ غیرہ، حقیقت یہ ہے کہ تمام کائنات کا ایک ہی اللہ ہے۔ اس اصولی بات کو تمام بغیر کسی اعتراض کے تسلیم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی تمام بنی نوع انسان کے لئے ایک ہی دین، دین حق ہے، باقی تمام مذاہب انسان کے تخلیق کردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی والہام کے ذریعے واضح کر دیا ہے کہ کونسا مذہب دین حق ہے۔ اس لئے سمجھدار انسان یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ کونسی کتاب سچی اور مقدس ہے اور کونسا مذہب دین حق ہے۔

نجات کے لئے موجودہ عیسائیت پر بھروسہ نہ کریں، یہ عیسائیت تو پال کی تخلیق کردہ ہے۔ اس صحیح مذہب کی پیروی کرو جو یسوع مسیح نے سکھایا تھا۔ ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جیسی تعلیمات ہی کی تبلیغ کی۔ اگر کوئی فرد خلوص اور لگن کے ساتھ بغیر کسی تعصب کے سچائی کی تحقیق کرے گا تو وہ اسے پالے گا۔ میں بھی ایسا ہی ایک خوش قسمت انسان ہوں۔ جب میں نے سچائی کو پالیا تو میں نہ صرف ایک سچا مسلمان بن گیا بلکہ ایک سچا عیسائی بھی بن گیا۔ اس سے قبل میں صرف پال اور پادری مذہب کا پیروکار تھا اگرچہ میں بطور عیسائی رہتا تھا۔

اہم نوٹ: اس مضمون کے مصنف نے 1997ء میں اسلام قبول کیا اور ان کا نیا نام عبدالرحمٰن ہے۔ یہ مضمون بنیادی طور پر ملایالم زبان میں لکھا گیا تھا، اس کا انگریزی ترجمہ جناب یونس کیرن تھور نے کیا جو بھارت کے ایک اہم جریدے ''ریڈیئنس'' میں شائع ہوا۔ اس کا اردو ترجمہ راقم نے کیا جو ماہنامہ بیدار ڈائجسٹ کے شمارہ اگست 1998ء میں شائع ہوا۔

******

فلپائن کا نامور فلمی اداکار

روبن (عبدالعزیز پیڈیلا)

مکہ المکرمہ جیسے مقدس شہر میں ایک نامور فلمی شخصیت کے نظارے کو آپ عجیب وغریب یا غیر معمولی صورتحال کہہ لیں یا اسے ایک منفرد واقعہ کا نام دے لیں، اور یہ منفرد واقعہ اس وقت ہوا جب فلپائن کے مشہور و معروف فلمی اداکار عبدالعزیز یعنی ''روبن پیڈیلا'' وہاں پہنچے۔ وہ وہاں کسی فلمی لوکیشن پر نہیں بلکہ اسلام قبول کرنے کے بعد پہلی بار حج کرنے آئے تھے۔ انہوں نے تقریباً چار سال قبل 1996ء میں جیل میں اسلام قبول کیا تھا۔ ان میں سے بہت سے لوگ جنہیں فلپائن میں انہیں قریب سے دیکھنے کا موقع نہ ملا تھا، یہاں انہوں نے اس کی ایک جھلک دیکھ لی۔ بعض کو عرفات یا منیٰ میں ان سے تفصیلی گفتگو کا موقع بھی مل گیا۔

30 سالہ عبدالعزیز کا شمار فلپائن کی فلم انڈسٹری میں سب سے زیادہ معاوضہ لینے والے چند اداکاروں میں ہوتا ہے۔ وہ ان میں سب سے زیادہ خوش قسمت ہیں کہ وہ پہلے اداکار ہیں جنہیں کفر کی اتھاہ گہرائیوں سے باہر نکلنے اور اسلام کی درخشاں روشنی میں آنا نصیب ہوا ہے۔ متعدد پیڈیلاز کئی دہائیوں سے فلمی سکرین پر قابض چلے آ رہے ہیں مگر عبدالعزیز (روبن پیڈیلا) پہلا فرد ہے جنہوں نے صراط مستقیم کا انتخاب کیا ہے۔

اگرچہ ان کے قبولِ اسلام سے ان کے گھر والوں، شوبز کی دنیا اور فلپائن کے تمام فلمی شائقین کو شدید دھچکا لگا اور صدمہ پہنچا مگر اس کے باوجود بطور فلمی سٹار ان کی مقبولیت میں کوئی کمی نہ آئی بلکہ عوام بالخصوص مسلمانوں کی ان کے ساتھ محبت اور جذباتی لگاؤ میں اضافہ ہوا

ہے۔ جب سے انہوں نے قبولِ اسلام کا اعلان کیا ہے' وہ کئی فلپائنی مسلم رہنماؤں کے دلوں کے قریب ہوئے ہیں۔ ان میں نور مسوری کا نام بھی شامل ہے جو مسلم منڈاناؤ کی خود مختار ریجن کے گورنر ہیں۔ گورنر نور مسوری نے ان کی جیل سے جلد رہائی کے لئے بڑی محنت کی ہے۔

جب سے عبدالعزیز جیل سے رہا ہوئے ہیں دعوتی کام کے لئے وہ ایک موثر اور بارسوخ شخصیت کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ انہوں نے اپنا وقت دعوتی کاموں اور فلمی شوٹنگ میں تقسیم کر رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اگرچہ میں بہت مصروف رہتا ہوں لیکن ہمیشہ میری کوشش ہوتی ہے کہ دعوتی سرگرمیوں میں کچھ وقت لازماً لگاؤں''۔ ان کی فلموں میں کوئی عریاں' بیہودہ یا فحش منظر نہیں ہوتا۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی انہوں نے کسی بیہودہ فلم میں کام نہیں کیا' وہ زیادہ تر ایکشن فلموں میں ہی کام کرتے ہیں۔

جیل کی سلاخوں کے پیچھے قید کی زندگی کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ فرد مکمل بدقسمت ہے۔ تاریخ کے اوراق میں ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں کہ جیلوں میں بڑی بڑی شخصیات گئیں اور ان کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ اپنے اصولوں کے دفاع کے لئے جیلوں میں بند ہونے کے بعد ان لوگوں نے اپنے اعلیٰ مقاصد اور مشکل ترین اہداف کو حاصل کیا۔ مثال کے طور پر عظیم مسلم سکالر سید قطب مرحوم کو لے لیں جو بے شمار کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی تصانیف میں سب سے اہم اور مشہور کتاب ''فی ظلال القرآن'' ہے جو انہوں نے جیل میں لکھی۔ سیاسی لیڈروں میں نیلسن منڈیلا کی مثال کافی ہوگی جنہوں نے 27 سال جیل میں گزارے' بالآخر رہا ہوئے اور جنوبی افریقہ کے صدر بنے۔

یہ کہنا تو درست نہیں ہوگا کہ اگر عبدالعزیز پیڈیلا کو تین سال جیل کی سزا نہ ہوتی تو شاید وہ مسلمان نہ ہوتا کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو کسی بھی فرد کو کہیں بھی ہدایت کا راستہ دکھا سکتی ہے' خواہ وہ امیر ہو یا غریب۔ یہ تو محض ایک اتفاق تھا' کوئی دیدہ و دانستہ یا بالارادہ منصوبہ نہ تھا کہ پیڈیلا اس وقت ہدایت کو تلاش کرے گا جب وہ غیر قانونی آتشیں اسلحہ رکھنے کے جرم میں سزا پا کر جیل آئے گا۔

عبدالعزیز سے جب پوچھا گیا کہ سب سے پہلے کس نے انہیں اسلام سے متعارف کرایا تو انہوں نے بتایا: ''یہ محمد فہد تھا جو ایک افریقی مسلمان تھا۔ اس نے سب سے پہلے بلی بڈ

جیل میں مجھے اسلام کے بارے میں بتایا''۔

عبدالعزیز فلپائن کی ایک معروف شخصیت ہیں اور بڑی تعداد میں لوگ ان کے شیدائی بھی ہیں، اس لئے انہیں لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ان کی فیملی میں ان کے کچھ عم، عم زاد اور ان کا بھائی رومل پیڈیلا اسلام قبول کر چکے ہیں۔عبدالعزیز فلپائن کے پہلے اداکار ہیں جنہوں نے فلپائن کی فلم انڈسٹری میں اپنے ہم جولیوں اور فلمی دنیا سے وابستہ دیگر افراد تک اسلام کا پیغام پہنچایا ہے۔ وہ جب بھی، جہاں بھی کسی سٹیج پر انٹرویو کے لئے آتے ہیں، ان کی ہمیشہ کوشش ہوتی ہے کہ اسلام کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کہہ جائیں۔وہ ان موضوعات پر خصوصاً بولتے ہیں جو غیر مسلموں میں متنازعہ سمجھے جاتے ہیں، اگرچہ حقیقت میں یہ متنازعہ نہیں ہیں مثلاً تعدد ازواج اور اسلام میں خواتین کے حقوق وغیرہ۔

وہ جب دیگر معروف شخصیات میں بیٹھے ہوتے ہیں تو ان پر ان کے نئے عقیدہ کی دریافت کے بارے میں سوالوں کی بارش ہوتی ہے، وہ تیزی سے ان سوالوں کے صاف و شفاف اور جامع جواب دیتے ہیں۔اس سوال کے جواب میں کہ کیا انہوں نے فلم انڈسٹری کے لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچانے کی کوئی کوشش کی ہے، وہ بتاتے ہیں: ''میں نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کیونکہ دوسرے لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچانا ہمارا فرض ہے۔ اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو یومِ حساب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم سے باز پرس ہوگی۔ جب کوئی شخص آپ کے ساتھ بیٹھا ہو اور آپ سچائی کو اس تک نہ پہنچائیں تو آپ ایک گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن لوگوں کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور کرنا ہمارا کام نہیں ہے، یہ تو اللہ ہے جو کسی کو ہدایت دیتا ہے، ہمارا فرض صرف اسلام کا پیغام پہنچانا ہے''۔

عبدالعزیز نے اپنے پہلے حج کی ادائیگی پر اطمینان کا اظہار کیا۔انہوں نے کہا: ''میں نے منڈاناؤ کے کچھ مسلم رہنماؤں کے ہمراہ حج ادا کیا ہے۔ ہمارے وفد کے امیر الحج نور مسوری تھے۔ہم نے حج کی رسومات نہایت آسانی سے ادا کیں اور ہمیں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ مجھے اپنے مسلمان بھائیوں کے ہمراہ حج کرنے پر بہت خوشی ہوئی ہے جنہوں نے میرے ساتھ یگانگت کا خصوصی مظاہرہ کیا اور میرے لئے ان کی محبت و شفقت نہایت پر جوش تھی''۔

(تحریر: مرغنی محمد، بشکریہ: ریڈینس، 30 مئی 1999ء)

سابق جرمن سفیر

ولفریڈ ہوف مین

آج سے تقریباً 50 سال قبل جرمنی کا "Wilfried Hofmann" امریکہ میں ایک طالب علم تھا۔ ریاست مسی پسی میں وہ ایک کار میں سفر کر رہا تھا کہ اس کی کار ایک دوسری کار سے ٹکرا گئی۔ ٹکراؤ اس قدر شدید تھا کہ دوسری کار میں سوار دونوں افراد ہلاک ہو گئے جبکہ مسٹر ہوف مین اور اس کا ڈرائیور شدید زخمی ہو گئے۔ جو ڈاکٹر اس کا علاج کر رہے تھے ان میں سے ایک اس کے بچ جانے پر حیران تھا' اس نے کہا: ''اللہ ضرور تم سے کوئی خاص کام لینا چاہتا ہے''۔

ہوف مین یہ بات سن کر سوچ میں پڑ گیا مگر جب وہ جرمنی میں قانون کے سکول (Law School) میں گیا تو یہ بات اس کے ذہن میں ماند پڑ چکی تھی۔ اس کے بعد اس نے ہارورڈ سے ماسٹر کی ڈگری حاصل کی اور جب وہ جرمنی کے سفارتی عملہ میں شامل ہوا تو یہ بات مکمل طور پر بھول چکا تھا۔

طویل مطالعہ اور تدبر و تفکر کے بعد 1980ء میں جب اس نے رومن کیتھولک ازم کو چھوڑ کر اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کے گھر والے' دوست اور ہم کار حیران رہ گئے۔ نیٹو (Nato) میں ڈائریکٹر آف انفارمیشن کے طور پر کام کرنے کے دوران میں وہ ایک مسلمان تھا۔ یہ انتہائی اہم پوسٹ تھی اور اتحادیوں کے انتہائی خفیہ جوہری رازوں تک اس کی رسائی تھی۔ 1987ء میں جب الجزائر میں بطور سفیر اس کا تقرر ہوا تو جرمنی میں عیسائیوں

نے احتجاج کا ایک طوفان کھڑا کردیا۔ ان عیسائیوں کے خیال میں یہ ایک ناقابل تصور بات تھی کہ بیرون ملک کوئی غیر عیسائی ان کی نمائندگی کرے ۔ اس نے طوفان کا پامردی کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے نہ صرف الجزائر میں اپنا مکمل وقت گزارا بلکہ مراکش میں بھی اپنی سفارتی ذمہ داریوں کا دورانیہ پورا کیا۔

1994ء میں جب وہ اپنی سفارتی ذمہ داریوں سے ریٹائر ہوا تو ایک اور انتہائی اہم کردار ادا کرنا شروع کردیا۔ یہ شاید وہی کردار تھا جس کی نشاندہی مسی پسی کے ڈاکٹر نے کی تھی اور وہ بھول چکا تھا۔ اس نے مسلمانوں اور عیسائیوں کو ایک دوسرے کے بارے میں سمجھانے اور قریب لانے کے لئے مسلسل لکھا اور سفر کئے۔

آج سے 5 سال قبل یعنی 1997ء میں نیویارک ٹائمز نے لکھا: ''65 سالہ ہوف مین استنبول کے جس اپارٹمنٹ میں اپنی ترک بیوی کے ساتھ رہتا ہے وہ اس مخلوط کلچر کی بڑی خوبصورت عکاسی کرتا ہے جو اس نے اپنا رکھا ہے۔ اس کے رہائشی کمرے میں مراکش کے سرخ اور سنہرے زردوزی صوفے جبکہ شمالی افریقہ کی مرصع دستکاری کے نمونے نمایاں ہیں۔ جب وہ اپنے مہمانوں کو کافی پیش کرتا ہے تو وہ ترک نوعیت کی نہیں ہوتی بلکہ جرمنوں کی پسندیدہ جیکبز کرونگ (Jacobs Kronung) ہوتی ہے۔ ایک میز پر گراں قدر قرآن مجید رکھا ہوتا ہے اور دوسری پر آسٹریا کی پستئی چاکلیٹ سے بھری ہوئی خوبصورت ٹرے''۔

مسٹر ہوف مین کہتا ہے: -

''میرا مشن پلوں (رابطی اور مصالحتی راستوں) کی تعمیر ہے۔ میں اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کہ تہذیبوں کے درمیان پرتشدد تصادم نہ ہو وہ سب کچھ کروں گا جو کرسکتا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ مسلم دنیا کا مسلمان اہل مغرب کے سامنے اسلام پیش کرنے کے لئے جملہ ضروری سازوسامان اور صلاحیتوں سے آراستہ نہیں ہے ۔ یہ کام انجام دینے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ اہل مغرب کے سامنے اپنی دعوت کو کس طرح قابل اعتبار بنانا ہے۔ یہی بات مسلم دنیا کے سامنے مغربی کلچر کو پیش کرنے کے لئے ضروری ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں دونوں دنیاؤں سے متعارف ہوں''۔

اسلام قبول کرنے کے بعد ہوف مین نے اپنا نام ولفریڈ ہوف مین کے بجائے مراد ہوف مین رکھ لیا۔ مراد قرآن مجید کا باقاعدگی سے مطالعہ کرتے ہیں اور کم وبیش سال میں تین بار قرآن کی خواندگی مکمل کرتے ہیں۔ وہ حج بھی کر چکے ہیں۔ ان کے ایک سابق سفارتی ہم کار کا کہنا ہے: ''ہم نے اسے کبھی غیر سنجیدہ نہیں پایا' اس نے جو کچھ کیا' ہم نے اس میں دخل نہ دیا بلکہ اسے وقعت و احترام دیا۔ وہ ایک مشنری بن چکا ہے۔ بہت سے نو مسلموں کی طرح اس کا ایمان وعقیدہ بہت مضبوط ہے''۔

مسٹر مراد متعدد مغربی' افریقی اور ایشیائی ممالک کا بھی دورہ کر چکے ہیں۔ اسلام سے متعلق ان کی تشریح وتعبیر سے بعض لوگوں کو اختلاف بھی ہے مگر کسی کو ان کے خلوص اور اسلام کے لئے ان کی خدمات پر شک نہیں۔ ان کی کئی کتابوں اور مقالوں کا انگریزی' عربی اور دیگر زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ان کی زیادہ تر کتابیں غیر مسلموں کے سامنے اسلام پیش کرنے کے مقصد کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہیں لیکن ''اسلام 2000ء'' میں انہوں نے مسلمانوں کو مخاطب کیا ہے۔

گزشتہ سال فروری 2000ء میں وہ پاکستان بھی آئے اور مختلف علمی مذاکروں سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا: ''اسلام اکیسویں صدی کا رہنما نظریہ بن سکتا ہے لیکن اس کی مخالف سمت میں بھی بعض عناصر کام کر رہے ہیں۔ مسلمانوں نے ابھی تک ایک حقیقی مسلم اقتصادی نظام کو کسی جگہ بھی عملاً نافذ کر کے نہیں دکھایا۔ قرآن نے ان سابق اقوام کے واقعات بیان کئے ہیں جنہوں نے نوشتہ دیوار نہیں پڑھا اور تمام الٰہی تعلیمات کو مسترد کر دیا یہاں تک کہ وہ سانحات کا شکار ہو کر ختم ہو گئیں' اگر مغرب نے اسلامی طرز زندگی کو اپنا کر اپنی سمت درست نہ کی تو ایسا مغربی دنیا کے ساتھ بھی ممکن ہے۔ حال ہی میں کمیونزم اپنی موت آپ مر چکا ہے۔ اسلام کو غالب کرنے کے لئے رسوم پرستی اور دیگر ایسے امور سے احتراز کرنا ہوگا اور اس ضمن میں کڑوی گولی استعمال کرنا ہوگی''۔

انہوں نے انسانی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا: ''انسان نے ان سوالات پر نہیں سوچا کہ میں کہاں سے آیا ہوں' کون ہوں اور مجھے یہاں سے کہاں جانا ہے؟ ان سوالات

کے جوابات ہی بنیادی مسئلہ کا حل ہیں''۔

بھارت میں گزشتہ سال (2000ء) جب ایک پروگرام میں ان سے ''اسلام اور دہشت گردی'' سے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: ''اسلام کے خلاف یہ پراپیگنڈا عیسائی سازش کا ایک حصہ ہے''۔

عیسائی اسلام کے خلاف کس طرح ڈنڈی مارتے ہیں اس کی ایک مثال دیتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ قرآن مجید کا پہلا لاطینی ترجمہ 1143ء میں شائع ہوا۔ اگرچہ ترجمہ بہت اچھا ہے مگر اس میں کہا گیا ہے: ''کوئی خدا نہیں مگر محمد ﷺ''۔ یورپی مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے بتایا: ''جرمنی اور برطانیہ میں بھی صرف مسلمان ہی ہیں جو توہینِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر احتجاج کرتے ہیں''۔

کثرت پرستی (زیادہ خداؤں) کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کی وجہ لوگوں کی مختلف انفرادی معاملات میں مختلف ماورائی قوتوں سے وابستگی ہے یعنی کسی نے موت کے خوف سے موت کا دیوتا بنالیا ہے اور کوئی اندھیرے کے خوف سے سورج کی پرستش کرتا ہے۔ یہودیوں کے تصور توحید پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''یہودیوں کا نظریہ کہ خدا ایک ہے اور وہ ہے ان کا قبائلی خدا'' بذات خود تضادات کا شکار ہے کیونکہ اگر ایک ہی خدا ہے تو اسے لازماً سب یعنی ہر ایک کا خدا ہونا چاہئے نہ کہ مخصوص لوگوں کا''۔

اپنے دورۂ پاکستان کے دوران میں انہوں نے اسلام آباد' لاہور اور کراچی میں جو مقالے پڑھے' انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز نے ان کو ''مغرب اور اسلام'' کے عنوان سے اردو میں شائع کیا ہے۔ اِن کے اِن خطبات کو سامنے رکھتے ہوئے پاکستان کے معروف دانشور' ریسرچ سکالر اور مصنف پروفیسر سلیم منصور خالد صاحب ماہنامہ ترجمان القرآن میں پروفیسر ہوف مین کے بارے میں لکھتے ہیں: -

''اگرچہ ڈاکٹر مراد ہوف مین ایک نومسلم ہیں لیکن انہوں نے ایمانی دولت' خداداد ذہانت اور اسلامی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے بے پناہ شوق سے وہ ہفت خواں طے کر لئے ہیں' جو ہم جیسے نسلی اور پشتی مسلمانوں میں سے خال خال کو نصیب ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر مراد مغربی

معاشرے میں پروان چڑھے ہیں مگر وہ کسی طرح کی عصبیت میں مبتلا نہیں ہیں۔ بعض جگہ تو وہ حیرت انگیز طور پر ایسے ایسے مفاہیم سے واقفیت بہم پہنچاتے ہیں جن سے ان کی نکتہ وری اور دانش و بینش کا قائل ہونا پڑتا ہے لیکن کبھی وہ اچانک ایسی باتیں بھی کہہ جاتے ہیں جن کے بارے میں بجا طور پر اسلامی فکر وتہذیب کو تحفظات ہیں۔ مثال کے طور پر یہ کہنا کہ ''خواتین کے چہروں کا پردہ کرنے کی کوئی ٹھوس اسلامی بنیاد نہیں'' کسی حد تک نیم بے خبری کا مظہر ہے، تاہم ایسے اشارات پر تجدد یا معذرت خواہی کی بدگمانی نہیں کی جاسکتی۔ ان کا کھلا ذہن بہرحال اس بات کے لئے بے تاب دکھائی دیتا ہے کہ: ''اللہ اور اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا و مرضی کو جاننے کے لئے فہم دین اور روح عصر میں مطابقت پیدا کرنا، مسلم اہل دانش کی ذمہ داری ہے اور مغرب اسلام کو جاننے کا خواہاں ہے''۔

غور وفکر کے نکات کو وہ کس انداز سے ابھارتے ہیں، اس کے لئے ذیل میں دیئے جارہے ہیں چند اقتباس ان کی تحریروں سے، ملاحظہ فرمائیں:

1۔ وہ لوگ جو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ کیوں یہ جانتے ہوئے بھی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی کسی بیوی کو نہیں پیٹا تھا، سورہ النساء کی آیت 34 کو بنیاد بنا کر خود اپنی بیویوں کو دھنکنا جائز سمجھتے ہیں۔

(بحوالہ: مغرب اور اسلام، صفحہ نمبر 53)

2۔ ازراہ کرم یہ بات تسلیم کرلیں کہ مغرب میں اسلام کے پنپنے اور اسلام کی ترویج کے اس وقت تک کوئی امکانات نہیں ہیں، جب تک دنیا بھر کے مسلمان اپنی بیویوں کو وہ حقوق اور آزادی نہیں دیتے جو انہیں خدا نے دی ہے۔

(مغرب اور اسلام، صفحہ نمبر 54)

3۔ میرے نزدیک اسلام خالص سونا ہے، دیگر کم خالص مذاہب کے درمیان اسلام 24 قیراط کا مذہب ہے، اور اس کی وجہ اس کا خالص توحید کا تصور ہے، نیز یہ یقین کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہی قادر مطلق اور لامحدود ہے۔ (صفحہ نمبر 55)

اپنے ان خطبات میں انہوں نے یہ بھی بتایا کہ جرمنی، فرانس اور برطانیہ میں مردوں کی

نسبت عورتوں میں اسلام قبول کرنے کا رجحان زیادہ ہے۔

امریکہ کے رسالے Studies in Contemporary Islam میں، جس نے ممتاز احمد اور مستنصر میر کی ادارت میں حال ہی میں اشاعت کا آغاز کیا ہے، ان کی کتاب "Islam:2000" پر مستنصر میر کا تبصرہ شائع ہوا ہے۔

برادر امجد عباسی صاحب کے قلم سے اس کا اردو ترجمہ ماہنامہ ترجمان القرآن کے شمارہ ستمبر 2000ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ تبصرہ مراد ہوف مین کے خیالات کو جاننے میں مددگار ثابت ہوسکتا ہے، اس لئے بشکریہ ترجمان القرآن اور امجد عباسی ذیل میں دیا جارہا ہے۔(ملک احمد سرور)

کتاب کا تعارف کرواتے ہوئے مصنف نے مقدمے میں لکھا ہے کہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں: ''21 ویں صدی کے آغاز پر عالم اسلام کو کیا مقام حاصل ہے اور اسے اس صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ مذہب بنانے کے لئے عالم گیر سطح پر کیا کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے انہیں 'مغرب اور عالم اسلام' دونوں پر کڑی تنقید کرنا ہوگی''۔

کتاب کے سات ابواب ہیں۔ پہلا باب "A Bit of Muslim Futurology" (مسلمانوں کے مستقبل کی ایک جھلک)' تاریخ اسلام کے بارے میں مسلمانوں کے تین مختلف نقطہ ہائے نظر پر مشتمل ہے۔ ایک' قنوطیت پسند (اسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے مسلسل زوال پذیر ہے)' دوسرا رجائیت پسند (اسلام مستقل ترقی پذیر ہے)' اور تیسرا دونوں کے بین بین (یعنی نشیب وفراز کا سامنا رہا ہے)۔ ہر نقطہ نظر کے حق میں اسلام کے بنیادی ماخذ سے دلائل فراہم کئے جاسکتے ہیں۔ ہوف مین کا ذاتی رجحان رجائیت پسندی کی طرف ہے اس لئے کہ اگلے باب کا عنوان ہے: "A Bit of Optimism" (رجائیت پسندی کی ایک جھلک)۔ اس میں وہ اس موقف کے حق میں حقائق پیش کرتے ہیں کہ ''اسلام جس کی بطور مذہب نموپذیری 19 ویں صدی کے مغربی مفکرین کے نزدیک مشکوک تھی' 20 ویں صدی کے آخری ربع میں میڈیا کا حالاتِ حاضرہ سے متعلق اہم ترین موضوع بن چکا ہے''۔ (ص- 7) اسلام کے برعکس ''عیسائیت ایک

بڑی تبدیلی کے عمل سے گزر رہی ہے' اور نام نہاد ''جدیدیت کا منصوبہ'' ہماری آنکھوں کے سامنے ناکامی سے دوچار ہے''۔ (ص-9)

تیسرے باب "Christology Revised" (عیسائیت پر نظر ثانی) میں ہوف مین مغرب میں الحاد اور مادہ پرستی کے فروغ کا ذمہ دار عیسائیت کو ٹھہراتے ہیں اور دلیل کے طور پر حضرت عیسیٰؑ (یسوع مسیح) کے وجود کے بارے میں کارل بارتھ (Karl Barth)' روڈولف بلٹ مین (Rudolf Bultmann) اور کارل راہنر (Karl Rahner) جیسے جدید عیسائی مفکرین کی انقلابی آرا کو پیش کرتے ہوئے قیاس آرائی کرتے ہیں: ''گزشتہ 14 صدیوں میں پہلی بار ایک حقیقی موقع ہے کہ یسوع مسیح کے بارے میں عیسائیت کی تعلیمات یہودی' عیسائی اور قرآنی تصورات سے مطابقت اختیار کرلیں''۔ (ص 15-16)

چوتھے باب "What Islam is up Against" (اسلام کن مسائل سے نبرد آزما ہے) کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: ''یوں لگتا ہے کہ ہماری کثیر مذہبی سپر مارکیٹوں میں مستحکم عیسائی گرجوں کے ناگزیر انہدام سے روحانی تجربات کی طلب میں اضافہ ہوگا''۔ (ص 17) یہ امکان انہیں یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ ''اسلام کو امریکہ اور یورپ میں...... 21 ویں صدی میں اسی قسم کے مختلف رویوں کا سامنا کرنا ہوگا جیسا کہ مکہ میں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کرنا پڑتا تھا یعنی جدید بت پرستی (neopaganism)' مادیت' لادینیت' جدید شرک (neopolytheism) اور نسلی برتری (عصبیہ) یعنی ایسے لوگوں کا جو کوکین' علم نجوم' بورس بیکر اور کلاڈیا شیفر جیسے بتوں کی پوجا کرتے ہیں''۔ (ایضاً)۔ نئی جنگ ''خدا پر ایمان رکھنے والی اقلیت...... یعنی حقیقی معنوں میں مسلمان...... اور اکثریت میں موجود ان لوگوں کے درمیان ہوگی جن کے لئے بڑی حد تک خدا کا تصور غیر متعلقہ (irrelevant) اور بے معنی ہو چکا ہے''۔ (ایضاً)

1990ء میں کمیونزم کے زوال کے بعد سے ہم ایک یک نوعیتی کلچر...... مغربی کلچر...... کے فروغ کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ''اگر اسلامی دنیا اس یک نوعیتی کلچر میں رہنا نہیں چاہتی ہے تو اسے بہت سی رکاوٹوں کے علی الرغم 21 ویں صدی کے ''دارالاسلام'' کے قیام کے لئے

بھر پور جدوجہد کرنا ہوگی' یعنی ایک ایسے معاشرے کے لئے جس کی بنیاد ''خدا پرستی'' ہو نہ کہ ''مغرب پرستی'' جہاں خدا کا لفظ قانون ہو اور اسلامی تہذیب پھر برگ و بار لائے'' (ص 20)۔ ''مسلمان اسلامی فکر اور کردار کی تعمیر نو سے اس منزل تک پہنچ سکتے ہیں جہاں مسلم دنیا تعلیم' ابلاغیات' سیاسیات' اقتصادیات اور ٹیکنالوجی جیسے تمام محاذوں پر مابعد جدیدیت (post modernism) کے بہاؤ کا مقابلہ کرسکتی ہے'' (ایضاً)۔ ہوف مین اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ مغرب اسلام سے مکالمہ چاہتا ہے: ''مغرب کو مسلمانوں کے ساتھ ماورائی نوعیت کے سوالات اٹھانے میں کیا دلچسپی ہوسکتی ہے' جب کہ وہ ان سوالات کو اپنے ایجنڈے سے حذف کرنے میں بہت شاندار طریقے سے کامیاب ہو چکا ہے''۔ (ص 21) ہوف مین اس تصور کو پانچویں باب: "Islam and the West : Another Showdown" (اسلام اور مغرب: ایک اور معرکہ) میں مزید آگے بڑھاتے ہیں۔ یہاں وہ اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ مغرب میں ''اسلام وہ واحد مذہب ہے جو ہمدردی سے نظر انداز کئے جانے کی یا پرخلوص رواداری کی توقع نہیں کرسکتا'' (ص 27)۔ وہ کہتے ہیں کہ مغرب کی اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ سفاکانہ دشمنی جاری ہے۔ ''بوسنیا' آخری نہیں بلکہ تازہ ترین صلیبی جنگ ہے..... درحقیقت صلیبی جنگوں کا عہد کبھی ختم نہیں ہوا''۔ (ص 31)۔

چھٹے باب: "How to Avoid Catastrophe and Serve Islam?" (تباہی سے کیسے بچا جائے اور اسلام کی خدمت کیسے کی جائے؟) میں مصنف عالم اسلام کے احیا کے لئے اپنا پروگرام پیش کرتے ہیں جس کے مطابق درج ذیل شعبوں میں کوشش کرنا ہوگی: ''تعلیمی' ٹیکنالوجی' خواتین کی آزادی' انسانی حقوق' نظریہ ریاست و معیشت' جادو اور توہمات اور رسل و رسائل'' (ص 41)۔ اصلاحات کو ''اسلام بطور مذہب اور اسلام بطور تہذیب و تمدن''، ''مستند اور گھڑی ہوئی احادیث''، ''شریعت اور فقہ'' اور ''قرآن اور سنت'' کے درمیان واضح امتیاز پر مبنی ہونا چاہئے (ایضاً)۔ وہ مسائل جو مغرب میں اسلام کو نقصان پہنچا رہے ہیں ان میں اسلام میں خواتین کا مقام اور حقوق اور انسانی حقوق کا مسئلہ شامل ہیں۔ ہوف مین نے ان مسائل پر کئی صفحات رقم کئے ہیں (ص 44 تا 55)۔ انہوں نے

اسلام کے سیاسی اور اقتصادی نظریات کے مختلف پہلوؤں پر بھی گفتگو کی ہے (ص 51 تا 56)، اور مسلمانوں کے درمیان صوفی مسلکوں اور وجدانی عوامل پر تنقیدی نظر ڈالی ہے (ص 57 تا 59)۔ وہ امت مسلمہ کے اتحاد کی بات کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کرتے ہیں کہ وہ مسلم یکسانیت (Muslim Uniformity) کے لئے نہیں کہہ رہے ہیں (ص 61)۔ وہ اسلام کی مختلف تعبیرات جو مختلف مسلم جغرافیائی خطوں میں کی جاسکتی ہیں، کی گنجائش دیتے ہیں لیکن متنبہ بھی کرتے ہیں کہ کسی جرمن یا امریکی اسلام کا کوئی تصور نہیں ہوسکتا، اگرچہ جرمنی یا امریکہ میں اسلام کے بارے میں گفتگو کی جاسکتی ہے (ص 62)۔ وہ اس باب کا اختتام اس طرح سے کرتے ہیں: ''عالم اسلام اپنی پرکشش عکاسی میں خاص طور پر نااہل دکھائی دیتا ہے۔ ٹیلی وژن پر بغیر شیو کئے، اپنی بیلٹ میں پستول لگائے یاسر عرفات کا نظارہ عرب دشمن قوتوں کے پراپیگنڈے کے لئے وہ بہترین چیز ہے جس کی وہ خواہش کرسکتے ہیں اور وہ بھی مفت'' (ص 63)۔ ان کے خیال میں صرف وہی مسلمان مغرب کے عوام کے ساتھ قابلیت سے بحث کرسکتے ہیں جو مغرب میں پلے پڑھے ہیں۔

(ص 64)

ساتویں باب کا عنوان ہے: "The Task ahead of us: What a Task" (ہمارے پیش نظر کام: کیا بڑا کام)۔ یہاں ہوف مین اسلام میں بنیادی امور اور ثانوی امور کے درمیان فرق کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں (ص 66)۔ ''محدود تعداد میں الہامی اور ناقابل تغیر احکامات جو قرآن پاک کے غیر متنازعہ متن میں پائے جاتے ہیں، انہیں انسانوں کے بنائے ہوئے اور نسبتاً کم مستند بنیادوں پر مبنی بہت سارے قواعد وضوابط کے احکامات سے الگ رکھا جائے جو قابل احترام فقہا کے مجموعوں میں پائے جاتے ہیں'' (ص 70)۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ 21ویں صدی کے لئے اسلام کی تجدید نو کا اہم ترین کام مغرب میں مقیم مسلمانوں کے ہاتھوں انجام پائے گا۔

(ص 71 تا 72)

میں نے کتاب کا خلاصہ قدرے تفصیل سے بیان کردیا ہے، اس لئے کہ میں اسے

ایک اہم کتاب سمجھتا ہوں۔ کتاب عالم اسلام کے مذہبی اور علمی منظر نامے کا اہم تجزیہ پیش کرتی ہے۔ مصنف کی اسلام کے روایتی ذرائع علوم پر مضبوط گرفت ہے اور ظاہر ہے کہ مغربی علمی روایات کے حوالے سے وہ اپنے گھر ہی میں ہیں۔ انہوں نے ہر بات نئی نہیں کہی ہے اور وہ خود معروف مسلم اسکالر محمد اسد (آسٹروی نو مسلم' سابق نام Leopold Weiss) اور دیگر سے استفادے کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ہوف مین کو مذہبی رجحانات اور علمی تحریکوں کو اختصار سے پیش کرنے کا ملکہ حاصل ہے۔ ان کے مسیحیت اور جدیدیت جیسے موضوعات پر تبصرے قابل غور ہیں۔ عالم اسلام کی اصلاح کے لئے ان کے پروگرام دیگر جدید مسلم مفکرین کے مجوزہ پروگراموں کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے مقدمے میں لکھا تھا' انہوں نے عالم اسلام اور مغرب دونوں کو تنقید سے نہیں بخشا۔ ان کے تبصرے جو کہ بیش تر بصیرت افروز اور کاٹ دار ہوتے ہیں' اس انداز سے کئے گئے ہیں کہ قاری بے اختیار تحسین کرتا ہے۔ ذیل میں بعض تنقیدی نکات پیش کئے جا رہے ہیں:

1- ہوف مین ان مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہیں جن کے خیال میں اسلام اور مغرب کے درمیان حقیقی مکالمے کا امکان نہیں ہے...... اس لئے نہیں کہ اسلام اس قسم کے مکالموں کے حق میں نہیں' بلکہ لادین مغرب جو کہ پہلے ہی سے اہم مذاہب میں سے ایک عیسائیت کا حامل ہے' ماورائی نوعیت کے مسائل پر اسلام سے مکالمے میں کم دلچسپی رکھتا ہے۔ لیکن یہاں یہ سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ مکالمے کے لئے آیا صرف یہی ممکنہ موضوع ہے؟ کیا اسلامی تہذیب کے لئے (فرض کر لیجئے کہ یہ اپنا وجود رکھتی ہے اور اس حوالے سے اس کی شناخت بھی ہے) یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ مغربی تہذیب سے کچھ دوسری بنیادوں پر رابطہ کرے اور ایک مشترکہ مقصد کے لئے کام کرے؟ دوسرے' اگر مغربی کلچر پہل گامی کے لئے تیار نہیں ہے' کیا اسلام پیش قدمی نہیں کرسکتا اور مغرب سے برابری کی سطح پر بات نہیں کرسکتا؟ کیا لازم ہے کہ اسلام ردعمل ہی کا اظہار کرے؟ کیا اس کے پاس اپنا کوئی تعمیری ایجنڈا نہیں ہے اور کیا یہ اسے تخلیق نہیں کرسکتا ہے؟ تیسرے' اگرچہ مغربی کلچر آج دنیا کا غالب کلچر ہے لیکن صرف یہی کلچر نہیں ہے جس سے اسلام کو سابقہ ہے۔ اسلام کے پاس بودھ اور ہندو کلچر جیسے

غیر مغربی کلچر سے معاملہ کرنے کے لئے کیا راہ عمل ہے؟ یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں کو غیر مسلم تہذیب کے لئے ایک ''عمومی نظریئے'' کی ضرورت ہے...... ایک ایسا نظریہ جس کی واقعاتی بنیاد مکمل طور پر محض ایک تہذیب، مغربی تہذیب سے حاصل کردہ معلومات پر مبنی نہ ہو۔

2- مغرب سے کیا مراد ہے، یہ غیر واضح ہے۔ ''اسلام 2000ء'' کا مطالعہ کرتے ہوئے کوئی فرد یہ تاثر قائم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہوف مین مغرب کو ایک یکساں چیز سمجھتے ہیں۔ اگر اسلام ایک یکساں چیز نہیں ہے تو اسی طرح مغرب بھی نہیں ہے۔ صرف ایک پہلو ہی کو لیجئے کہ مغرب میں قبولیتِ اسلام کی ایک قابل توجہ اور طاقتور تحریک پائی جاتی ہے جس کا ایک ثبوت خود ہوف مین ہیں۔

دوسرا پہلو، یہ سوال ہے کہ تاریخی اعتبار سے کون سی تہذیب ایسی ہے جس نے دوسری تہذیبوں کے ساتھ بالغ نظری اور ہمدردی سے معاملہ کیا ہو؟ دوسرے الفاظ میں، کس کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایک تہذیب کے پسندیدہ تصور کو اجاگر کرے؟ مغرب کو اسلام کے مخصوص تصور کیلئے شاید ذمہ دار ٹھہرایا جاسکے، لیکن کیا مسلمانوں نے اپنی سرد مہری اور بے عملی سے اس مخصوص تصور کے حوالے سے اعانت جرم نہیں کی؟ اور کیا مسلمانوں نے مغرب کا ایک مخصوص تصور نہیں اپنا رکھا؟ اگر مخصوص تصورات اسلام اور مغرب کے درمیان صحیح سوچ کے پروان چڑھانے میں رکاوٹ ہیں، تو غالباً ایک سے زیادہ فریق مسئلے کے ذمہ دار ہیں۔

3- کم سے کم اس کتاب کی حد تک، اسی طرح کا مسئلہ یہ ہے کہ اسلام سے کیا مراد ہے؟ ہوف مین مغرب کے نظام زندگی کی واقعی حقیقت کا مقابلہ مذہب اسلام کے مجرد نظریات سے کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس مقابلے یا موازنے کو نظریے کے حق میں جھکایا جاسکتا ہے جسے ایک مربوط کل کے طور پر پیش کیا جائے، جب کہ مقابلے میں برسرعمل نظام میں تضادات کو ظاہر کیا جائے مگر اس حقیقت سے قطع نظر کہ مسلم ممالک میں جو اسلامی زندگی پائی جاتی ہے اس میں بہت زیادہ ربط اور نظم نہیں ہے، کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی اور مغربی دنیائیں الگ الگ وجود کی حیثیت سے موجود نہیں ہیں۔ مغربیت، اسلامی

سرحدوں سے باہر کہیں پھل پھول نہیں رہی بلکہ یہ عالم اسلام کے عین قلب میں پائی جاتی ہے۔ مغربی ٹیکنالوجی اور فکر' چاہے ہم اسے پسند کریں یا نہ کریں' کروڑوں مسلمانوں کی زندگی کا جزولازم بن چکی ہے۔ مسلم مفکرین کے لئے ایک اہم کام یہ ہے کہ وہ یہ مطالعہ کریں کہ اولین طور پر مغربی فکراور کلچر عالم اسلام میں کیسے داخل ہوا؟ مغرب کو غلبہ حاصل نہ ہوتا اگر وہ طاقت ور نہ ہوتا اور اسلام پیچھے نہ رہ جاتا اگر اس کی دفاعی ڈھال میں روزن نہ ہوتے۔

4- ہوف مین عیسائیت میں نمایاں تبدیلیوں کا ذکر کرتے ہیں' وہ تبدیلیاں جنہوں نے ان کے خیال میں عیسائیت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔ اس میں یہ بات مضمر ہے کہ اسلام نے جدیدیت کے بہاؤ کے مقابلے میں اپنے آپ کو قائم رکھا ہے۔ اگرچہ عیسائیت کو جدیدیت نے توڑ پھوڑ دیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی وہ مذہب ہے جس نے جدیدیت کے شدید حملے کے اولین زور کا مقابلہ کیا ہے۔ اس پیش گوئی کا کیا جواز ہے کہ جدیدیت سے مکمل جنگ میں اسلام صحیح سلامت نکل آئے گا؟ ہوف مین جیسے سنجیدہ مفکر کو خوش گمانی کا شکار قرار دینا ناانصافی ہوگی۔ لیکن مذہب اور سائنس کے درمیان تعلق کے حوالے سے کسی حتمی نتیجے پر پہنچنا ابھی کچھ قبل از وقت ہے۔ 20ویں صدی کی فزکس 19 ویں صدی کی فزکس سے مختلف ہوسکتی ہے لیکن یہ ایک قابل بحث بنیادی نکتہ ہے کہ آیا جدید سائنس نے' ہوف مین کے الفاظ میں' ''سائنس میں مذہب کے داخلے کے لئے دروازہ کھول دیا ہے'' (ص 23)۔ انتھونی گڈنز (Anthony Giddens) "The Consequences of Modernity" (جدیدیت کے نتائج) (سٹین فورڈ' 1990ء) کے مصنف بڑے مضبوط دلائل دیتے ہیں کہ ''ہم ایک ایسے عہد میں داخل ہو رہے ہیں جہاں جدیدیت کے نتائج ایسی بنیادی اور عالمی تبدیلیوں کا باعث بن رہے ہیں جو ماضی سے مختلف ہیں''۔ (ملاحظہ کیجئے: ص 3 اور 47)۔ ضمناً یہ کہا جاسکتا ہے کہ عیسائیت سائنس سے اپنے تصادم کی وجہ سے بظاہر زوال پذیر لگتی ہے لیکن یقیناً یہ مقابلے سے باہر نہیں ہے جیسا کہ بڑی مقدار میں سامنے آنے والے اس لٹریچر سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے

جو عیسائیت سے گہری وابستگی رکھنے والے مفکرین کی طرف سے اس تنازع کے مختلف پہلوؤں سے متعلق پیش کیا جارہا ہے۔

مذکورہ بالا تمام تر تنقید کے باوجود یہ کتاب' خود احتسابی کے حوالے سے موجود مختصر مسلم لٹریچر میں گراں قدر اضافہ ہے۔ ہوف مین نے بہت سے اہم مسائل کی طرف توجہ دلائی ہے اور مسلمانوں سے متعلق اور مسلمانوں اور غیر مسلموں سے متعلق مسائل پر بے لاگ بحث کی ہے جو کہ نئی ہزاری میں داخل ہونے کے لئے مسلمانوں کے وژن کو واضح کرنے میں مددگار و معاون ہوسکتی ہے۔

❋❋❋❋❋❋
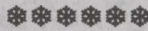
ڈاکٹر مراد ہوف مین..........سوانحی خاکہ

ڈاکٹر مراد ہوف مین جرمنی کے ایک سابق ممتاز سفارت کار' عالمی شہرت یافتہ دانشوز اور ایک اعلیٰ قانون دان ہیں۔ 6 جولائی 1931ء کو وہ جرمنی کے شہر اسکیفن برگ (Aschaffenburg) میں پیدا ہوئے۔ 1950ء میں یونیورسٹی کی تعلیم یونین کالج Schenectady نیویارک امریکہ میں شروع کی۔ جرمن قانون کی تعلیم اور فلسفہ قانون میں ڈاکٹریٹ میونخ یونیورسٹی سے 1957ء میں مکمل کی۔ مابعد امریکی قانون میں ماسٹر کی ڈگری ہارورڈ لا سکول سے 1960ء میں حاصل کی۔

1961ء سے 1994ء تک انہوں نے جرمن فارن سروس کے رکن اور جوہری دفاع سے متعلق امور کے ماہر کے طور پر کام کیا۔ 1983ء تا 1987ء وہ برسلز میں نیٹو کے ڈائریکٹر آف انفارمیشن بھی رہے۔ 1987ء تا 1990ء الجزائر میں اور 1990ء تا 1994ء مراکش میں جرمنی کے سفیر رہے۔ انہوں نے 1980ء میں اسلام قبول کیا۔

ان کی اہم کتابوں میں درج ذیل کتابیں شامل ہیں:

(1) Islam : The Alternative, (2) Voyage to Makkah

(3) Islam 2000, (4) Diary of a German Muslim

ان کا بیشتر لٹریچر عربی' انگریزی اور فرانسیسی کے علاوہ جرمن زبان میں دستیاب ہے۔
ڈاکٹر ہوف مین کئی اہم عالمی جرائد میں بھی باقاعدگی سے لکھتے ہیں۔ وہ درج ذیل اہم عالمی اداروں سے مختلف حیثیتوں سے وابستہ ہیں:

1۔ اردن کی رائل اکیڈمی کے رکن ہیں۔

2۔ ایڈوائزری بورڈ آف سنٹرل کونسل آف مسلمز ان جرمنی کے ممبر ہیں۔

3۔ اسلامک ڈویلپمنٹ بینک جدہ کے مشیر ہیں۔

4۔ اسلامک سٹڈیز کوارٹرلی جرنل اسلام آباد کے ادارتی بورڈ کے رکن ہیں۔

5۔ مارک فیلڈ انسٹی ٹیوٹ آف ہائر ایجوکیشن (یونیورسٹی آف پورٹسموتھ' فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز مارک فیلڈ ۔ یو کے) کے رکن ہیں۔

******
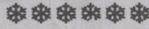
مہاتما بدھ کی شہادت

سید مناظر احسن گیلانی اپنی کتاب ''النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم'' میں لکھتے ہیں:
''اپنی زندگی ختم کرتے ہوئے خدا کے اس بندے (مہاتما بدھ) نے اپنے شاگرد نندا کے کان میں اپنا آخری فقرہ اس وقت ڈالا جب اس کی سانس اکھڑ رہی تھی اور اس کا مخلص خادم اس کے قدموں کو اپنے آنسوؤں سے یہ کہتے ہوئے دھو رہا تھا: ''آقا آپ کے جانے کے بعد دنیا کو کون تعلیم دے گا؟'' بدھ نے کہا: ''نندا' میں پہلا بودھ نہیں ہوں جو زمین پر آیا' نہ آخری بودھ ہوں' اپنے وقت پر دنیا میں ایک اور بودھ آئے گا۔ مقدس' منورا لقلب' عمل میں دانائی سے لبریز' مبارک عالم کائنات' انسانوں کا عدیم النظیر سردار' جو حقائق میں ظاہر کرتا رہا ہوں وہ بھی وہی ظاہر کرے گا۔ وہ ایک مکمل اور خالص مذہبی نظام زندگی کی میری طرح تبلیغ کرے گا''۔ نندا نے پوچھا: ''ہم اس کو کس طرح پہچانیں گے'' مہاتما بدھ نے فرمایا: ''وہ تیریا کے نام سے موسوم ہوگا''۔ 16 اکتوبر 1930ء کی اشاعت میں الہ آباد کے مشہور ہندو انگریزی اخبار لیڈر میں ایک بدھسٹ کا ایک مضمون صفحہ سات کالم تین میں شائع ہوا تھا جس میں اس ''تیریا'' لفظ کا ترجمہ کالم نگار مذکور نے لکھا تھا: ''وہ جس کا نام رحمت ہے''۔ سب جانتے ہیں ''رحمت اللعالمین'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نام ہے۔

مذاہب کے تقابلی مطالعہ نے
پروفیسر آرتھر ایلی سن کو سیدھا راستہ دکھا دیا

پروفیسر آرتھر ایلی سن لندن یونیورسٹی میں الیکٹریکل اورالیکٹرانک انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ ہیں۔ وہ برٹش سوسائٹی فار سائیکولوجیکل اینڈ سپرچوئل سٹڈیز (British Society For Psychological and Spiritual Studies) کے کئی سال تک صدر بھی رہے ہیں۔ مذاہب کے مطالعہ کے دوران میں وہ اسلام سے باخبر ہوئے۔ جب انہوں نے اسلام کا موازنہ اپنے زیرمطالعہ آنے والے دیگر مذاہب' عقائد اوردھرموں سے کیا تو اسلام کو انہوں نے اپنے جبلی رجحان کے لئے موزوں پایا۔ اسلام ان کی خواہشات کو مطمئن کرتا تھا۔

ستمبر 1985ء میں انہیں مصر کی میڈیکل سنڈیکیٹ کے زیراہتمام قاہرہ میں میڈیکل اورقرآن کے موضوع پر ہونے والی پہلی اسلامک انٹرنیشنل کانفرنس میں مدعو کیا گیا۔ کانفرنس میں انہوں نے ''قرآن کی روشنی میں نفسیاتی اور روحانی علاج کے طریقے'' پر اپنا مقالہ پڑھا۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر محمد یحییٰ شرانی کی ہم کاری میں انہوں نے ''قرآن کی سورۃ الزمر کی آیت 42 کی روشنی میں نیند اورموت'' پر مشترکہ مقالہ پیش کیا۔ ان کے لئے حقائق چشم کشا تھے۔ کانفرنس کے حتمی سیشن میں پروفیسر ایلی سن نے اعلان کیا کہ اسلام دین حق اور دین فطرت ہے۔ اس کے بعد انہوں نے کلمہ پڑھ کر شہادت دی: ''کوئی معبود نہیں مگر اللہ

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں''۔

عربی ہفت روزہ المسلمون کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے اپنے قبولِ اسلام کے بارے میں بتایا:

''برٹش سوسائٹی فار سائیکولوجیکل اینڈ سپر چوئل سٹڈیز'' کے صدر کی حیثیت سے نفسیات اور دیگر متعلقہ موضوعات پر مطالعہ کے دوران میں' میں مذاہب سے شناسا ہوا۔ میں نے ہندومت' بدھ مت' کچھ دیگر مذاہب اور عقائد کا مطالعہ کیا۔ جب میں نے اسلام کا مطالعہ کیا تو میں نے اس کا موازنہ دیگر مذاہب سے بھی کیا۔ کانفرنس کے دوران میں' میں نے محسوس کیا کہ فرق بہت زیادہ ہے۔ مجھے اطمینان ہوگیا کہ اسلام ہی موزوں ترین مذہب ہے جو میری پیدائشی فطرت اور رویے کیلئے ٹھیک ہے۔ میں نے اپنے دل میں محسوس کیا کہ کائنات کا انتظام چلانے والا ایک اللہ ہے۔ وہی رب کائنات ہے''۔

انہوں نے مزید کہا:۔

''جب میں نے اسلام کا مطالعہ کیا تو میں نے دیکھا کہ اسلام منطق' استدلال اور سائنس سے متصادم نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا دین ہے۔ جب میں نے سچائی کو پالیا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی واحدانیت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دے دی۔ جس لمحے میں نے یہ شہادت دی تو ایک ناقابل بیان اور عجیب احساس نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا جس میں اطمینان قلب تھا' بے فکری اور سکون تھا''۔

انہوں نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا:

''مادی دنیا اب ایک نازک مرحلے پر ہے۔ وہ جو دیکھتے اور سنتے ہیں' حقائق کو ٹھیک ٹھاک بیان نہیں کرتے۔ یہ ذمہ داری مسلمانوں کی ہے کہ وہ بھٹکی اور الجھی ہوئی نوعِ انسانی کو سیدھا اور صاف راستہ دکھائیں''۔

قبولِ اسلام کے بعد انہوں نے اپنا نام ''عبداللہ علی سن'' رکھا۔ پروفیسر عبداللہ علی سن نے بتایا: ''ڈاکٹر محمد یحییٰ کے ساتھ مل کر میں نے کانفرنس میں قرآن مجید کی سورہ الزمر کی

آیت نمبر 42 کے حوالے سے مقالہ پیش کیا۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرے ہیں ان کی روحیں نیند میں قبض کر لیتا ہے، پھر جس پر وہ موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اسے روک لیتا ہے اور دوسروں کی روحیں ایک وقت مقررہ کے لئے واپس بھیج دیتا ہے۔ اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور فکر کرنے والے ہیں''۔

انہوں نے کہا کہ اس آیت کے ذریعے ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ موت اور نیند ایک ہی طرح کا وقوعہ ہے جس میں روحیں جسم سے جدا ہو جاتی ہیں۔ نیند کی صورت میں روح جسم میں لوٹ آتی ہے جبکہ موت میں ایسا نہیں ہوتا۔ یہ آیت ہمیں یاد دلاتی ہے کہ ''روحوں کے لے جانے کا مطلب دونوں نیند اور موت ہیں''۔ یہ حقیقت پیرا سائیکولوجک سٹڈیز کے ذریعے ثابت کی جا چکی ہے۔ بعض افراد کی روداووں میں بتایا گیا ہے کہ وہ ایسے تجربات سے گزرے ہیں جن میں انہوں نے اپنے اجسام کو کسی اور جگہ یا بستر پر لیٹا ہوا پایا۔ مطالعہ سے یہ انکشاف ہوا ہے کہ زیر مطالعہ افراد میں سے 10 تا 20 فیصد افراد ایسے ہی تجربہ سے گزرے ہیں۔ جب کچھ افراد خواب دیکھتے ہیں تو وہ جانتے ہیں کہ وہ خواب دیکھ رہے ہیں۔ تجربات یہ ثابت کر چکے ہیں ہیں کہ نیند جسم سے روح کی علیحدگی کا نام ہے۔ شدید بیماریوں میں بعض مریض طویل بے ہوشی (Coma) میں چلے جاتے ہیں اور ڈاکٹر انہیں تشخیصی طور پر مردہ قرار دے دیتے ہیں مگر طبی امداد ملنے سے وہ دوبارہ ہوش میں آ جاتے ہیں۔ ایسے افراد حیرت ناک واقعات سناتے ہیں جو انہوں نے بے ہوشی کی حالت میں دیکھے ہوتے ہیں۔ ایسے تجربات قرآن کی روشنی میں اور سائنسی طریقے سے مطالعہ کے لئے نہایت قابل قدر ہیں۔

پروفیسر عبداللہ علی سن نے مزید بتایا:

''جب میں نے کانفرنس میں شرکت کی اور تخلیق سے متعلق قرآن و حدیث میں بیان کئے گئے وہ حقائق میرے علم میں آئے جن کی سائنس اب توثیق کر رہی ہے تو میں جان گیا

کہ قرآن مجید کسی صورت بھی انسانی تخلیق نہیں ہوسکتی۔ 1400 سال قبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو الہام ہوا تھا وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اوراس کی میں نے شہادت دی اور مسلمان ہوگیا''۔

پروفیسر عبداللہ علی سن زور دے کر کہتے ہیں کہ ہمیں اہل مغرب کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے ان سائنسی حقائق کو استعمال کرنا چاہئے' اسلام کی دعوت مغرب تک پہنچانے کا یہ ایک موزوں طریقہ ہے۔

(تحریر: کے محمد۔ بشکریہ ریڈیئنس 6 تا 12 ستمبر 1998ء)

حضرت محمد ﷺ کی آمد کی بشارت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے

بائبل کی کتاب استثنا کے باب نمبر 18 میں حضرت محمدؐ کی آمد کی بشارت کا ذکر اس طرح ہے:

''خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے' یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا' تم اس کی سننا○ یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے مجمع کے دن خداوند اپنے خدا سے حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہوتا کہ میں مر نہ جاؤں○اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں○ میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور پھر اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا○اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا' نہ سنے تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا○''۔مولانا مودودیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ظاہر ہے کہ ایک قوم کے ''بھائیوں'' سے مراد خود اسی قوم کا کوئی قبیلہ یا خاندان نہیں ہو سکتا' بلکہ کوئی دوسری ایسی قوم ہی ہوسکتی ہے جس کے ساتھ اس کا قریبی نسلی رشتہ ہو۔ اگر مراد خود بنی اسرائیل میں سے کسی نبی کی آمد ہوتی تو الفاظ یہ ہوتے کہ میں تمہارے لئے خود تم ہی میں سے ایک نبی برپا کروں گا۔ لہٰذا بنی اسرائیل کے بھائیوں سے مراد لامحالہ بنی اسماعیل ہی ہو سکتے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے کی بنا پر ان کے نسبی رشتہ دار ہیں''۔

امن کے باغ میں سکونِ قلب کی تلاش

امریکی صحافی اور مصنف سلیمان احمد کا قبولِ اسلام

میں ایک امریکی صحافی اور مصنف ہوں۔ 1997ء میں، 49 سال کی عمر میں، 30 سال کے مطالعہ وتحقیق اور زندگی بھر کے تجربات کے بعد میں نے اسلام قبول کیا۔ یہ فیصلہ میری زندگی کے کئی معاملات کی عکاسی کرتا ہے۔

میں نے ایک ایسے ماحول میں نشوونما پائی جو بیشتر امریکیوں کے لئے اجنبی اور غیر مانوس ہوگا۔ میرا باپ ایک یہودی تھا جبکہ ماں معروف پروٹسٹنٹ بنیاد پرست منسٹر (پادری) کی بیٹی تھی۔ میرا باپ نوجوانی میں ایک مذہبی طالب علم یعنی Yeshiva-bocher تھا (یشیوا: مدرسہ برائے مطالعہ تالمود، راسخ العقیدہ یہودیوں کی درسگاہ کو کہا جاتا ہے)۔ میری ماں کی ایک ایسے ماحول میں پرورش ہوئی تھی جس میں بائبل شدت سے پڑھی جاتی تھی اور وہ پرانے اور نئے عہدنامے کو بڑی اچھی طرح سے جانتی تھی۔

میرے ماں باپ دونوں کے عقائد کی آزمائش 1930ء کی دہائی کے واقعات میں ہوگئی۔ میری ماں نے یہودیوں پر نازیوں کے حملوں کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے عیسائیت کو چھوڑ دیا۔ اس کے خیال میں یہودی ''اللہ کے اصلی لوگ'' ہیں۔ بعد میں اس نے یہودی مذہب قبول کرلیا۔

میرے ماں باپ دونوں نے ایک طویل عرصہ کمیونسٹ پارٹی کے زیر اثر گزارا۔ اس

دوران میں بھی ان کا یہودی عقیدے پر پر یقین و ایمان جاری رہا۔ یہ ان کی زندگی کا الم ناک ترین تناقض تھا اور اپنے پیدائشی مذاہب کی ناکامیوں کے باعث مایوسی کا اظہار کہ وہ تمام جھوٹے اور پرفریب مذاہب میں سے بدترین کی طرف چلے گئے۔ تاہم جب وہ لبرل انقلابی نظریات اور خدا کے درمیان ڈگمگا رہے تھے، انہوں نے صہیونیت کے بارے میں کبھی بھی انتہا پسندی نہ دکھائی۔

مشرق وسطیٰ کے تنازعہ میں، میں نے ہمیشہ درد محسوس کیا اور میری ہمیشہ شدید خواہش رہی کہ اسرائیلیوں اور عربوں کے درمیان انصاف اور دوستی قائم ہو۔ نوجوانی میں، میں بائیں بازو کا انتہا پسند انقلابی تھا، تاہم میں نے شاعری بھی کی، اگرچہ میرے ماں باپ نے میری حوصلہ شکنی کی۔ مذہب کے بارے میں ابہام اور تلخیوں کے باوجود میرا خدا پر یقین تھا۔

مذہب کی سچائی کے بارے میں میری پہلی تحقیق مجھے کیتھولک چرچ لے گئی۔ اگرچہ میں نے کیتھولک ازم قبول نہ کیا مگر کیتھولک صوفیانہ اور عارفانہ لٹریچر نے مجھے گہرائی تک متاثر کیا۔ بہت پہلے میں نے پڑھا تھا کہ سپینی کیتھولک باطنی علوم کے شہرہ آفاق کام کے پیچھے سپین میں اسلامی تاریخ کا دخل ہے اور خوبصورت اسلامی فیضانِ روحانی، کیتھولک مسیحی عقائد اور رسوم کی صورت میں زندہ ہے۔ میں نے سپین کا سفر بار بار کیا تاکہ جزیرہ نما آئبیریا (سپین اور پرتگال پر مشتمل جزیرہ) میں طویل اسلامی دور کے آثار تلاش کرسکوں۔ بطور لکھاری میں نے اس پر سالوں تحقیق کی۔ میں نے Troubadour poets یعنی گیارہویں سے تیرہویں صدی عیسوی کے دوران میں جنوبی فرانس نیز اٹلی اور فرانس کے ہم جوار علاقوں کے قدیم روحانی شعرا کا بھی مطالعہ کیا جنہوں نے گہرے اسلامی اثرات کو دکھایا ہے۔

1979ء کے شروع میں، میں نے کبالا (Kabbalah-Cabala) کا مطالعہ کیا تو وہاں بھی میں نے اسلامی تصوف کا پرتو (انعکاس) پایا اگرچہ صہیونیت کے فلٹر سے تقطیر کیا ہوا۔ (کبالا تصوف کا وہ باطنی نظام ہے جو مقدس صحائف کی صوفیانہ تفسیر پر مبنی ہے۔ یہ نظام چھٹی صدی عیسوی میں یہودی ربیوں کے درمیان رائج ہوا اور سینہ بسینہ منتقل ہوتا رہا۔ ازمنہ وسطیٰ میں بعض عیسائی صوفیا نے بھی اسے اختیار کرلیا تھا...... ملک احمد سرور)

اسلام کی طرف میرے سفر میں فیصلہ کن مرحلہ 1990ء میں آیا جب میں نے بطور صحافی بلقان جانا شروع کیا۔ میں سراجیوگیا اور بوسنیا کی جنگ کی میں نے رپورٹنگ کی۔ سراجیو میں، میں نے کچھ حیران کن چیزیں دریافت کیں۔ وہاں مجھے ایسا ماحول ملا کہ مجھے احساس تک نہ ہوا کہ میں ایک سیاح ہوں۔ مسلمانوں اور مسلم سکالروں سے براہ راست ملاقاتیں ہوئیں۔ میں نے خوبصورت افلاس اور موسیقی کو دیکھا جن سے اسلام کی شان اور محبت کی اقدار کا اظہار ہوتا تھا۔ میں نے بہت تاریخی مقامات بھی دیکھے جو عظیم الشان اسلامی تہذیب وثقافت کے آئینہ دار تھے۔

جب سے اسلام قبول کیا ہے، دوستوں، ہمسایوں، ساتھی کارکنوں اور دیگر کو اطلاع کرنے کے معاملے میں، میں بڑی احتیاط سے آگے بڑھا ہوں۔ میں کوئی تنازعہ کھڑا کرنا نہیں چاہتا۔ میں اس طریقے سے آگے بڑھنا چاہتا ہوں جو مسلم امہ کے لئے بہتر ہو اور جس سے اللہ تعالیٰ پر ایمان ویقین رکھنے والوں میں بہتر تعلقات قائم ہوں۔ تاحال مجھے کسی مسئلہ کا سامنا نہیں کرنا پڑا سوائے اس کے کہ کبھی کبھی ناشائستہ تبصرے سننا پڑ جاتے ہیں۔ زیادہ تر غیر مسلموں کا خیال ہے کہ بلقان کے واقعات نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ تاہم میں یہ بات واضح کردینا چاہتا ہوں کہ میں کسی سیاسی یا انسانی ہمدردی کی بنیاد پر مسلمان نہیں ہوا بلکہ میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح پیغام کے باعث اسلام قبول کیا ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ عیسائیت اور یہودیت میں آج جو مثبت باتیں آپ کو ملتی ہیں وہ اسلامی اثرات کا نتیجہ ہیں۔ میں نے سپینی کیتھولک ازم کا خصوصی ذکر کیا ہے۔ سپینی کیتھولک دوسرے کیتھولک عیسائیوں کی نسبت اپنے عقیدے کو زیادہ شدت اور سنجیدگی سے لیتے ہیں تو اس کی وجہ ان کے کلچر میں اسلام کے تمدنی ورثہ کا پایا جانا ہے۔ صلیبی مجاہدین اور کلیسا کی عدالت اِحتساب نے اس روشنی کو بجھایا نہیں مگر اسے مدھم ضرور کیا ہے۔ فی الحقیقت مجھے یقین ہے کہ اگر سپین میں عرب حکمران رواداری کا مظاہرہ نہ کرتے، اور بالخصوص عثمانی خلفاء کشادہ دلی سے بے لوث تحفظ نہ دیتے تو یہودیت کا دنیا سے وجود ختم ہو چکا ہوتا۔

اسلام کے جس رخ نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کے

سامنے تسلیم کر جانے سے باطنی سکون حاصل کرنا۔ میں نے اسے بوسنیا کے مسلمانوں میں خوش خلقی، شائستگی، تعظیم و تواضع، انکساری، سادگی اوراخلاص کی صورت میں دیکھا حالانکہ وہ بدترین ذہنی و جسمانی کرب اور اذیت میں مبتلا تھے اس کے باوجود انہوں نے طمانیت کا دامن نہ چھوڑا۔ طمانیت نے میری زندگی کو آسان بنا دیا ہے۔ جب بھی میں اپنے آپ کو مشکلات میں محسوس کرتا ہوں یا آزمائشوں میں پاتا ہوں، پریشان ہوتا ہوں یا مستقبل کے حوالے سے خوف میں مبتلا ہو جاتا ہوں یا پڑھائی لکھائی کی کوئی مایوسی مجھے گھیر لیتی ہے تو میرا ذہن خودبخود بوسنیا کے مسلمانوں کو یاد کرنا شروع کر دیتا ہے۔ بدترین حالات میں بھی وہ اپنی اجتماعی نمازوں میں کیسے متحد اور پرسکون ہوتے تھے۔ یہ سوچیں مجھے پرسکون بنا دیتی ہیں۔

میرا واحد مسئلہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ تنازعہ کے خوف پر قابو پانا ہے۔ میں مصالحت کا راستہ تلاش کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ امریکہ میں اسلام نسلی انصاف اور پبلک اخلاقیات میں اہم کردار ادا کرے گا۔ ہم تمام برادر میلکم ایکس کے اعلان کی سچائی کو تسلیم کرتے ہیں کہ "امریکہ کے نسلی مسائل کا حل اسلام ہے"۔ میرے خیال میں اسلام امریکہ کے اخلاقی مسائل کا حل بھی پیش کرتا ہے۔

قبولِ اسلام سے قبل میں امریکہ میں جن مسلمانوں کو جانتا تھا ان کی اقدار اور بلقان کے مسلمانوں کی اخلاقی قوت سے بہت متاثر تھا مگر آج میں افسوس کے ساتھ کہوں گا کہ مسلم اُمہ بری طرح تقسیم ہے اور مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ لڑ رہے ہیں۔ بلقان میں آرتھوڈکس عیسائیوں کے مظالم کا شکار مسلمانوں کے لئے بھی کچھ کرنے کے معاملے میں مسلم امہ جس طرح ناکام ہوئی ہے، افسوسناک ہے۔

اسلام میری زندگی میں بہت بڑا سکون اور خوبصورتی لایا ہے۔ جیسا کہ میں دوسروں کو بتا چکا ہوں کہ میری زندگی کے بقیہ سال اللہ کی رضا کے لئے وقف ہیں۔ میرا عہد ہے کہ میں ذاتی طور پر بوسنیا اور کسووا کی مسجدوں کی تعمیر کے لئے بھی جو کچھ کر سکا کروں گا۔

(بشکریہ: ریڈئینس، شمارہ 5 دسمبر 1998ء)

❁❁❁❁❁❁
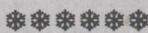
جب امریکی افسروں نے مسلمان خواتین کو گمراہ کرنے کا منصوبہ بنایا

اسلام کے خلاف خفیہ صلیبی منصوبوں کی کہانی

ایک امریکی نومسلمہ شریفا کارلو الاندلوسیا کی زبانی

یہ کہانی کہ میں دین حق ''اسلام'' کی طرف کیسے لوٹی اسلام کے خلاف بنائے گئے منصوبوں کی داستان ہے۔ میں نے خود منصوبے بنائے، جس گروپ سے میرا تعلق تھا اس نے بھی سکیمیں تیار کیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے منصوبے بنائے۔ اور اللہ ہی بہترین منصوبہ ساز ہے۔ جب میں نوعمر (Teenager) تھی تو میں ایک ایسے گروپ کی توجہ کا مرکز بن گئی جو انتہائی گمراہ کن ایجنڈا رکھتا تھا۔ حکومتی عہدوں پر کام کرنے والے افراد کی یہ ایک ڈھیلی ڈھالی ایسوسی ایشن تھی جس کا ایک مخصوص ایجنڈا تھا۔ ۔ ۔ کہ اسلام کو تباہ کرنا ہے۔ یہ حکومت کا تشکیل کردہ گروپ نہ تھا بلکہ امریکی حکومت میں مختلف عہدوں پر کام کرنے والے افراد نے ازخود یہ ایسوسی ایشن بنائی ہوئی تھی اور یہ لوگ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اپنے حکومتی عہدوں کا بھرپور استعمال کرتے تھے۔

چونکہ میں خواتین کے حقوق کے لئے کام کرنے والی ایک فعال کارکن کی حیثیت سے نمایاں پوزیشن رکھتی تھی اس لئے اس گروپ کے ایک رکن نے مجھ سے رابطہ قائم کیا۔ ''مشرق وسطیٰ'' پر زور دیتے ہوئے اس نے پیش کش کی کہ اگر میں ''بین الاقوامی تعلقات'' میں تعلیم حاصل کروں تو وہ مجھے مصر کے امریکی سفارت خانہ میں ملازمت کی گارنٹی دیتا ہے۔

اس کی خواہش تھی کہ مصر میں امریکی سفارت خانہ میں تعیناتی کے دوران میں' میں اپنے حکومتی عہدے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مصری خواتین سے تعلقات قائم کروں اور خواتین کے حقوق کے سلسلے میں جو تحریک پر نکال رہی ہے اس کی حوصلہ افزائی کروں۔ میرے خیال میں یہ ایک عظیم نظریہ اور میرے دل کی آواز تھی۔ میں مسلم خواتین کو ٹی وی پر دیکھ چکی تھی اور میرے علم کے مطابق معاشرے میں یہ مظلوم اور پسا ہوا طبقہ تھا' میں ان خواتین کی بیسویں صدی کے آزاد معاشرے اور روشنی کی طرف رہنمائی کرنا چاہتی تھی۔

اسی عزم و ارادہ کے ساتھ میں نے کالج میں داخلہ لیا اور تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی۔ میں نے قرآن' حدیث اور تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا۔ میں نے ان طریقوں کا بھی خصوصی مطالعہ کیا جن کے مطابق ان معلومات کو اسلام کے خلاف استعمال کرنا تھا۔ میں نے سیکھ لیا کہ اپنے مقاصد کے لئے الفاظ کو کس طرح گھما کر کام میں لانا ہے۔ یہ ایک بہت ہی قیمتی ہتھیار تھا۔ تاہم جب میں نے مطالعہ شروع کیا تو اسلام کے پیغام نے مجھے مسحور کر دیا تھا۔ اس کے اندر فہم و فراست' دانائی اور حکمت تھی۔ مجھے تو اس نے چونکا دیا۔ ان اثرات کے سد باب کے لئے میں نے عیسائیت کی کلاسوں میں باقاعدگی سے جانا شروع کر دیا۔ میں نے کلاسوں کے لئے اس پروفیسر کا انتخاب کیا جس کی شہرت بہت اچھی تھی اور اس نے ہارورڈ یونیورسٹی سے علوم الٰہی (یعنی مذہب) میں پی ایچ ڈی کی ڈگری لی ہوئی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں بہت اچھے ہاتھوں میں آ گئی ہوں مگر جو میں نے سوچا تھا ایسی کوئی بات نہ نکلی۔ یہ پروفیسر تو توحید پرست (موحد) عیسائی نکلا۔ وہ تو عقیدہ تثلیث پر یقین ہی نہ رکھتا تھا اور نہ یسوع مسیح کی الوہیت کو مانتا تھا۔ درحقیقت وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف ایک پیغمبر تسلیم کرتا تھا۔

اپنی اس بات کو ثابت کرنے کے لئے اس نے بائبل کے یونانی' عبرانی اور آرامی ذرائع سے حوالے دیئے اور بتایا کہ کہاں کہاں تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ جب مجھے وہ یہ سب بتا رہا تھا تو اس نے ان تاریخی واقعات کو بھی بیان کیا جو ان تبدیلیوں کو لانے اور پیروی کا باعث بنے۔ جب میری یہ کلاس مکمل ہوئی تو میرا دین تباہ ہو چکا تھا لیکن میں اسلام کو قبول

کرنے کے لئے اب بھی تیار نہ تھی۔ گزرتے وقت کے ساتھ میں نے اپنی ذات اور مستقبل میں ذریعہ معاش کی خاطر تعلیم جاری رکھی۔ اس میں تین سال کا عرصہ لگا۔ اس دوران میں' میں مسلمانوں سے ان کے عقائد کے بارے میں سوال پوچھتی رہی۔ جن افراد سے میں نے سوال پوچھے ان میں سے ایک MSA کا رکن تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس بھائی نے دین میں میری دلچسپی کو محسوس کیا اور میری اسلامی تعلیم کے لئے ذاتی کوششیں کیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کا بہترین اجر دے۔

ایک دن اس نے مجھ سے رابطہ قائم کیا اور بتایا کہ شہر میں مسلمانوں کا ایک گروپ آرہا ہے۔ اس کی خواہش تھی کہ میں ان سے ملوں۔ میں نے ملاقات کے لئے حامی بھرلی اور عشاء کی نماز کے بعد ان سے ملنے کے لئے گئی۔ مجھے ایک کمرے میں لے جایا گیا جس میں کم از کم 20 آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سب نے میرے بیٹھنے کے لئے جگہ بنائی۔ مجھے بڑی عمر کے ایک پاکستانی کے سامنے بیٹھنے کے لئے جگہ دی گئی۔ یہ بھائی عیسائی مذہب کے بارے میں علم کا سمندر تھے۔ میں اور وہ بائبل اور قرآن کے مختلف حصوں پر صبح تک بحث کرتے رہے۔ اس نے عیسائیت کے بارے میں مجھے جو باتیں بتائیں دوران تعلیم' میں وہ جان چکی تھی مگر اس دانا آدمی نے مجھ سے وہ بات بھی کہی جو کسی دوسرے مسلمان نے نہ کہی تھی۔ اس نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ گزشتہ تین سال سے میں اسلام پر تحقیق و جستجو کر رہی تھی مگر کسی نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت نہ دی تھی۔ مجھے پڑھایا گیا' دلائل دیئے گئے اور بعض مواقع پر میری تذلیل بھی کی گئی مگر کسی نے اسلام قبول کرنے کی دعوت نہ دی۔ اللہ ہم سب کی رہنمائی فرمائے۔ جب اس نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو مجھے ایک جھٹکا لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ یہی صحیح وقت ہے' میں جانتی تھی کہ یہی سچ ہے اور مجھے جلد فیصلہ کر لینا چاہئے۔ الحمد للہ' اللہ تعالیٰ نے میرا ذہن کھول دیا اور میں نے کہا: ''ہاں' میں اسلام قبول کرنا چاہتی ہوں''۔ اس کے ساتھ ہی اس نے عربی میں مجھے کلمہ شہادت پڑھایا اور انگریزی میں اس کے معنی بھی بتائے۔ اللہ کی قسم جب میں نے کلمہ شہادت پڑھا تو میں نے اپنی ذات میں عجیب ترین احساس کو پایا۔ میں نے محسوس کیا کہ جیسے میرے سینے سے بہت

بڑا بوجھ اتار دیا گیا ہے۔ میں نے ایسے سانس لیا جیسے اپنی زندگی میں پہلی بار سانس لیا ہو۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایک نئی زندگی دی' ایک صاف ستھری تختی کی طرح اور جنت میں جانے کا سنہری موقع عنایت کیا' میں نے دعا کی کہ اے میرے اللہ' میری زندگی کے بقیہ ایام تیرے احکام کے مطابق گزریں اور میری موت مسلمان کی موت کے طور پر ہو۔

(آمین)

یہی مسلمان بہن حجاب کے بارے میں لکھتی ہیں:

بطور غیر مسلم مغربی سوسائٹی میں رہتے ہوئے نظریہ ''شرم وحجاب'' کی میرے ذہن میں کوئی خاص اہمیت نہ تھی۔ اپنی نسل کی دیگر خواتین کی طرح میں بھی اسے دقیانوسی اور ایک فضول چیز شمار کرتی تھی۔ مجھے ان مسلمان عورتوں پر ترس آتا جو برقعہ پہنے ہوتی تھیں یا پھر ''بیڈ شیٹ'' لپیٹے سڑکوں پر چلتی نظر آتی تھیں۔ میں حجاب والی چادر کو بیڈ شیٹ ہی کہتی تھی۔

میں ایک جدید عورت تھی' تعلیم یافتہ اور روشن خیال۔ میں حقیقی سچائی کے بارے میں کچھ نہ جانتی تھی۔ میں مسلم دنیا کے کسی بھی گاؤں کی سماجی طور پر کچلی ہوئی مسلمان عورت سے زیادہ لاچار تھی۔ میں اس لئے لاچار نہ تھی کہ میرے اندر طرز حیات اور کپڑوں کے انتخاب کی اہلیت نہ تھی بلکہ میری خلش اور بے چارگی یہ تھی کہ ''اپنی سوسائٹی کو کہ یہ حقیقت میں کس کے لئے ہے؟'' جاننے کی اہلیت نہ رکھتی تھی۔ میرے لئے یہ نظریہ پریشان کن تھا کہ ''عورت کا حسن و جمال عوامی ملکیت ہے اور شہوانی تعریف و توصیف کو احترام دیا جانا چاہئے''۔

جب اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی فرمائی اور میں نے حجاب پہنا تو بالآخر اس ماحول سے باہر نکلنے کے قابل ہوگئی جس میں رہ رہی تھی۔ میں اس سوسائٹی کو اس کے اصل رنگ و روپ میں دیکھنے کے اہل بھی ہوگئی۔ اب میں دیکھ سکتی تھی کہ اس سوسائٹی میں سب سے زیادہ قدر ان خواتین کی ہوتی ہے جو عوام کے سامنے اپنے آپ کو سب سے زیادہ ننگا کر دیتی ہیں مثلاً اداکارائیں' ماڈل گرلز اور ڈانسرز وغیرہ۔ مجھے اب یہ بھی نظر آ رہا تھا کہ مردوں اور خواتین میں تعلقات کا جھکاؤ نامناسب طور پر مردوں کی طرف ہے۔ میں جان گئی کہ میں مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے والا لباس پہنتی تھی اور یہ کہہ کر میں اپنے آپ کو بے وقوف بنانے کی

کوشش کرتی تھی کہ اس سے میں نے اپنے آپ کو خوش کیا ہے لیکن تلخ حقیقت یہی تھی کہ جو بات مجھے خوش کرتی تھی وہ اس آدمی کی زبان سے میری تعریف ہوتی تھی جسے میں اپنے لئے پرکشش سمجھتی تھی۔

اب میں جانتی ہوں کہ ایک فرد جو کبھی صاف ستھرا نہیں رہا اس کے پاس یہ جاننے کا کوئی طریقہ نہیں ہے کہ وہ گندا ہے۔ اسی طرح میں یہ دیکھنے کے قابل نہ تھی کہ میں مظلوم ہوں' یہاں تک کہ میں اس پسی ہوئی سوسائٹی کی تاریکیوں سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آگئی۔ اسلام کے نور نے جب سچ کو روشن کیا تو میں بالآخران سیاہ دھبوں کو دیکھنے کے قابل ہوگئی جن کو ہمارے مغربی فلسفیوں نے چھپا رکھا تھا۔ اپنے معاشرے کی اخلاقی اقدار اور اپنی ذات کی حفاظت ظلم نہیں ہے بلکہ ظلم یہ ہے کہ خواہشات نفس کے تحت اپنے آپ کو گندی دلدل میں پھینک کر یہ کہا جائے کہ یہ گندگی نہیں ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہوں جس نے سر پر سکارف پہننے کے بعد مجھے ایک پہچان دی۔ میں ان لوگوں سے دور ہوتی گئی جو کسی طرح بھی میرے ذہن' میری روح اور دل سے ہٹ کر میری شناخت کرتے تھے۔ جب میں نے سر کو ڈھانپ لیا تو میں حسن و جمال کے اشتعال کے باعث ہونے والے استحصال سے بچ گئی۔ جب میں نے سر کو ڈھانپا تو لوگوں نے دیکھا کہ میں اپنا احترام کرتی ہوں تو وہ بھی میرا احترام کرنے لگے۔ جب میں نے سر کو سکارف سے ڈھانپ لیا تو بالآخر میں نے سچائی کے لئے اپنے ذہن کو کھول دیا۔ سب سے اہم عنصر جس نے مجھے اس مذہب کی طرف کھینچا وہ یہ حقیقت ہے کہ اسے دلائل و منطق کی بنیاد پر سمجھا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں محسوس کرتی ہوں کہ بے شمار مسلمان والدین اپنے بچوں کے سامنے اسلام کی تعلیمات و احکامات کی صحیح طور پر وضاحت نہ کر کے بہت نقصان پہنچاتے ہیں۔ بچوں سے عموماً کہا جاتا ہے: ''ہم بڑے ہیں'۔۔ ہم کہہ رہے ہیں اس لئے یہ مانو۔۔۔ تم عرب' پاکستانی' صومالی ہو اپنی تہذیب کے مطابق کام کرو''۔ بنی نوع انسان کی یہ فطری خواہش ہے: ''وہ کیا کرتے ہیں' کیوں کرتے ہیں'' کو سمجھے۔ اسلام اسی لئے ایک عظیم مذہب ہے کہ یہ ہماری ذہنی اور جذباتی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ یہ سب کچھ بہت

سادگی سے کرتا ہے کیونکہ یہ سچ ہے۔ سچائی کو سمجھنا اور اس کا دفاع کرنا ہمیشہ آسان ہوتا ہے۔

جب اپنے بچوں کو تعلیم دیں تو دلائل و منطق سے اپنی بات ان کے ذہنوں میں بٹھائیں۔ جیسے ہم نے تسلیم کیا تھا' انشاء اللہ وہ بھی قبول کریں گے۔ تاہم ہر دلیل کے ساتھ یہ بات ضرور آنی چاہئے کہ ہم نے جو کام بھی کرنا ہے' صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لئے کرنا ہے' مثلاً ہم جانتے ہیں کہ ہم سؤر کا گوشت نہیں کھاتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نہ کھانے کا قرآن میں حکم دیا ہے' پھر اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سؤر کے گوشت سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی ضرورت ہے کہ یہ باتیں بچوں کو بتائی جائیں۔ جوں جوں وہ بڑے ہوں گے ان کی فہم و فراست بھی بڑھے گی۔ اس کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے ساتھ ساتھ ان احکام کی حکمت اور نفع و نقصان بھی سمجھانا ہوگا۔ سؤر کے گوشت سے پیدا ہونے والی بیماریوں سے انہیں آگاہ کریں۔ اس جانور کی گندی عادتوں کے بارے میں بتائیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کی حکمت کو وہ آسانی سے سمجھ جائیں گے۔

(بشکریہ: ریڈیئنس' شمارہ 8 تا 14 اگست 99ء)

وَرَفَعنَا لَکَ ذِکرَکَ

دنیا کے کسی مذہب میں بھی "اذان" جیسی عبادت اور ذکر نہیں ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور کبریائی کا ذکر بھی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت بھی اور وہ بھی بلند اعلان میں۔ چوبیس گھنٹوں میں کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا جب کرہ ارض کے کسی نہ کسی خطے میں اذان نہ ہو رہی ہو۔ انڈونیشیا کے مشرقی جزائر میں صبح کی اذان کا سلسلہ شروع ہوتا ہے' لمحہ بہ لمحہ مغرب کی طرف بڑھتا ہوا ملائیشیا' اراکان' بنگلہ دیش' بھارت' پاکستان پہنچتا ہے اور پھر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ساڑھے نو گھنٹے بعد فجر کی اذان کا سلسلہ جب بحر اوقیانوس تک پہنچتا ہے تو انڈونیشیا میں ظہر کی اذان شروع ہو جاتی ہے۔ اس طرح ایک سیکنڈ بھی اذان کے بغیر نہیں گزرتا ہے۔ پھر تکبیر اور صلوٰۃ ہے۔ صلوٰۃ میں تو درود شریف بھی آتا ہے۔ کیا کرہ ارض پر ہے کوئی ایسا مذہب جس میں خالق کائنات کے ساتھ ساتھ اس مذہب کے لیڈر کا اس قدر ذکر ہوتا ہو؟

اسلام میں توحید واضح ہے اور اس میں
عقیدہ تثلیث کی طرح پیچیدگیاں نہیں

برطانیہ کے عبدالحق کی داستان

پہلے مجھے لوگ ڈی ٹی ایف وونگ کے نام سے بلاتے تھے جبکہ اب میرا نام عبدالحق ہے۔ میں چینی نژاد ہوں۔ مسلم اکثریتی ملک برونائی دارالسلام میں پیدا ہوا۔ میری عمر 36 سال ہے۔ تعلیم کے لئے میں 1977ء میں برطانیہ چلا آیا اور اب میں لندن میں مقیم ہوں۔ میری زیادہ تر تعلیم مشنری سکول میں ہوئی جس کا تعلق چرچ سے تھا۔ کالج میں داخلہ سے پہلے برطانیہ میں دو سال تک ایک عیسائی سکول میں زیر تعلیم رہا۔

میں ایک پروٹسٹنٹ اینگلیکن گھرانے میں پیدا ہوا جو چرچ کی سرگرمیوں میں فعال تھا اور اب بھی ہے۔ ایک سیکولر سوسائٹی میں، میں نے سیکولر قوانین اور رسوم کو بھی قبول کیا ہوا تھا۔ 27 سال کی عمر تک میں عیسائی رہا۔ تقریباً ساڑھے نو سال قبل میں نے عیسائیت کو خیر باد کہہ دیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب میں ایک مسلمان ہوں۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق کسی فرد کو ہدایت دو طریقوں سے ملتی ہے۔ (1) اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور توفیق سے۔ اس طریقے میں اللہ تعالیٰ سچائی کو قبول کرنے کے لئے انسان کے قلب و ذہن کو کھول دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی واحدانیت سے انکار کو اقرار میں بدل دیتا ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور اس کے نیک بندوں کے وعظ و تبلیغ کے ذریعے جو اللہ کی

مخلوق انسان کے سامنے توحید کو بیان کرتے ہیں۔

جہاں تک میرا تعلق ہے، مجھے صرف اللہ کی توفیق سے ہدایت ملی ہے۔ شاید یہ اس وجہ سے ہوا کہ میں سچائی کی تلاش میں سرگرم تھا۔ مجھے مسلمانوں نے کوئی تبلیغ نہ کی تھی۔

اس وقت میری عمر 23 سال تھی اور میں کالج کے آخری سال میں تھا جب میرے ذہن میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا وہ تصور پیدا ہوا جو میں نے عیسائیت میں کبھی نہ پڑھا تھا۔ میں کمرے میں کھڑا کھڑکی کے باہر دیکھتے ہوئے کائنات کے کچھ مناظر کا مشاہدہ کر رہا تھا مثلاً، آسمان، درخت اور لوگ وغیرہ۔ اس مشاہدے سے اللہ تعالیٰ کے وجود کے بارے میں میرے اندر ایک مضبوط یقین پیدا ہوا۔ کالج میں، میں آرکیٹیکچر کا مطالعہ کر رہا تھا اس لئے جب میں عمارتوں کو دیکھتا تو اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ عمارتیں کسی فرد نے ڈیزائن کیں اور بنائی ہیں، ازخود نہیں بنیں تو پھر اتنی بڑی کائنات خود بخود کیسے بن سکتی ہے، دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن اس باقاعدگی سے خود بخود کیسے آسکتے ہیں، اجسام کے اعضاء جس طرح کام کرتے ہیں یہ ازخود ممکن نہیں، کوئی نہ کوئی ہستی ان تمام کاموں کے پیچھے ہے۔ اس سوچ نے میرے یقین کو پختگی دی کہ ''خالق کائنات'' بھی ہے۔ عیسائیت میں ''عقیدہ تثلیث'' ذہنوں میں ٹھونسا جاتا ہے جس کی اکثر عیسائی عالم وضاحت نہیں کر سکتے اور کئی محض اپنی روحانی تسکین کے لئے قبول کر لیتے ہیں۔ اس نکتے پر عیسائیت کے ساتھ میرا کوئی مسئلہ نہ تھا تاہم اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں یہ نیا تصور میرے لئے ایک نیا تجربہ تھا۔

اگرچہ مسلم ملک میں پیدا ہوا تاہم میں نے اسلام کا کبھی مطالعہ نہیں کیا تھا۔ اس وقت برونائی دارالسلام میں غیر مسلم طلبہ اسلامی تعلیم سے مستثنیٰ تھے۔ ایک دن میں ایک مسلمان کی دکان کے پاس سے گزر رہا تھا کہ دکان کے اندر جانے کا فیصلہ کیا۔ بغیر کچھ سوچے کہ کیا خریدنا ہے چیزوں کو دیکھنے لگا۔ میری قرآن مجید پر نظر پڑی اور اسے خریدنے کا فیصلہ کر لیا۔ کسی بھی مسلمان سے آپ بات کریں تو وہ آپ کو بتائے گا کہ قرآن بار بار بنی نوع انسان کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ اپنے اردگرد کائنات کو دیکھے اور خالق کائنات پر اپنے یقین کی تصدیق کر لے۔ میرے ذہن میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں جو نیا تصور پیدا ہوا، وہ بالکل

ایسے ہی تو ہوا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ قرآن اور اسلام میں سچائی ہے۔ قرآن نے بائبل کی معتبریت اور عقیدہ تثلیث کی طرف بھی پہلی بار میری سوچوں کا رخ بدلا۔ میں نے تحقیق اور کتب کا مطالعہ شروع کر دیا۔ پادریوں سے عقیدہ تثلیث اور بائبل کے قابل اعتبار ہونے کے بارے میں سوال کرنے لگا۔ اکثر نے میرے سوالوں کے نہایت مشکل جواب دیئے اور تثلیث کے بارے میں کہا کہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے۔

میں نے اسلام میں کسی خامی کو نہ پایا۔ قرآن اور اسلامی کتب سے جو علم مجھے حاصل ہو رہا تھا اس کے میری ذات پر اہم اثرات مرتب ہونے لگے' میں بتدریج اسلام کی طرف کھنچا چلا جا رہا تھا۔ اسلام کی سچائیاں بڑی سادہ ہیں اور عقیدہ تثلیث کی طرح اس میں الجھاؤ اور پیچیدگیاں نہیں ہیں۔ اسلام اپنے بنیادی عقائد کسی پر زبردستی نہیں ٹھونستا' ان پر تدبر و تفکر کرنے اور ایمان لانے سے پہلے انہیں عقل و دانش کی کسوٹی پر پرکھنے کی اجازت دیتا ہے۔ یہ بنی نوع انسان کے اطمینان کے لئے محض جذبات کا سہارا نہیں لیتا جیسا عموماً بتوں کی پرستش کرنے والے کرتے ہیں۔

اسلام قبول کرنے کا فیصلہ میرا ذاتی تھا۔ جب میں نے والدین کو بتایا تو میری والدہ نے میرے دو ماموؤں کو مجھ سے ملنے (جو پادری تھے) اور مجھے قائل کرنے کے لئے کہا کہ عیسائیت ہی صحیح دین ہے۔ وہ قائل کرنے میں ناکام ہو گئے اور انہوں نے فیصلہ دیا کہ میں نے اسلام کو سوچ سمجھ کر قبول کیا ہے۔ انہوں نے مجھے بطور مسلمان زندگی گزارنے کے لئے چھوڑ دیا۔

میں نے مطالعہ جاری رکھا اور دین اسلام کے بارے میں جوں جوں میرا علم بڑھتا گیا' اللہ کی ذات پر میرے ایمان و یقین میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ میں عیسائیت کے بارے میں مزید باخبر ہو گیا کہ اس میں بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے کچھ نہیں۔ چرچ کی عبادات' عیسائی تہوار اور دیگر مذہبی رسومات انسان کی اپنی بنائی ہوئی ہیں جبکہ اسلام تو مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ وہ تو خواتین و حضرات اور اللہ کے درمیان تعلقات' حضرات و خواتین کے آپس میں تعلقات' مردوں کے مردوں اور عورتوں کے عورتوں سے تعلقات سب کے بارے میں ضابطہ

حیات دیتا ہے۔ معاشی، سیاسی، تعلیمی، سوشل اور قانونی امور میں بھی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ نماز کس طرح پڑھنی ہے، کون سے تہوار کیسے منانے ہیں، کون سی باتیں صحیح ہیں اور کونسی غلط، کن جرائم پر کیا سزائیں دینی ہیں، ریاست کا نظام کیسے قائم کرنا ہے اور حکمران کس طرح حکومت کریں گے وغیرہ وغیرہ۔

عیسائیت مذہبی عقائد پر تو بڑا زور دیتی ہے مگر سیکولر دنیا کے ساتھ بڑی خوش بھی دکھائی دیتی ہے۔ اسلام میں قوانین بھی ہیں، فرد اور سوسائٹی کی رہنمائی کا نظام بھی۔ اور یہی بات صحیح ہے کہ خالق کائنات نے اپنی مخلوق کو ضابطہ ہدایت کے بغیر نہیں چھوڑا۔ قوانین سے لے کر زندگی کے ہر شعبے میں اس کو رہنمائی فراہم کی ہے۔ خالق ہی مخلوق کے بارے میں بہتر جانتا ہے۔ ہر فرد کسی بھی مشینری کے استعمال کے سلسلہ میں اس کے مینوفیکچرر کی ہدایات پر عمل کرتا ہے۔ بنی نوع انسان کا خالق اللہ ہے اور اس کی ہدایات پر عمل کر کے ہی انسان مقاصدِ زندگی حاصل کر سکتا ہے۔ اسلام اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے تسلیم ہو جانے کا نام ہے۔ سوسائٹی اسی وقت صحیح کام کرے گی اور پر امن ہو گی جب ہم سب خالق کے سامنے تسلیم ہو جائیں گے۔

میں ایک یہودی نہیں بن سکتا تھا، یہودی تو منتخب لوگ ہیں (اسرائیل کے قبیلے جودہ (JUDAH) کی نسل سے) عیسائیت کے بارے میں، میں جان گیا تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات سے بہت دور جا چکی ہے اور اب اس میں بنی نوع انسان کے لئے اللہ کی نہیں انسان ہی کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔ میں مطمئن ہوں کہ اسلام کے انتخاب کے سلسلہ میں میرا فیصلہ بالکل درست ہے۔

اوّلین مرتبے کا مستحق

قارئین میں سے ممکن ہے کچھ لوگوں کو تعجب ہو کہ میں نے دنیا جہان کی موثر ترین شخصیات میں محمد (ﷺ) کو سرفہرست کیوں رکھا ہے اور مجھ سے وجہ طلب کریں گے، حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں صرف وہی ایک انسان ایسے تھے جو دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے غیر معمولی طور پر کامیاب و کامران اور سرفراز ٹھہرے۔ (ہارٹ میخائل)

اور پھر مجھے سکون مل گیا

نومسلم ہارون سیلرز کے قبولِ اسلام کی روداد

''میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟'' یہ وہ سوال ہے جو مجھ سے اکثر جگہ پوچھا گیا ہے اور بذات خود میں نے بھی یہ سوال اپنے آپ سے کئی بار پوچھا ہے۔ جواب کے سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی، یہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات اقدس ہے جو دلوں کو پھیرتی اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں سچائی کی تلاش میں تھا، خالص سچائی، صرف سچائی۔ تیسری بات میرے گزشتہ مذہب عیسائیت کے عقیدہ و نظریہ کے بعض اجزاء ایسے تھے جو پہلی بار سننے پر تو قابل قبول معلوم ہوتے ہیں مگر تدبر و تفکر اور تجزیہ کرنے کے بعد یہ نہ صرف نا قابل تسلیم بن جاتے ہیں بلکہ ان میں واضح تضادات، بے ربطی اور الحاد نظر آتا ہے۔

اس کے باوجود اسلام ہی کا انتخاب کیوں؟ جب میں خالص اور مکمل سچائی کی تلاش میں سرگرداں تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسلام ہی کی طرف میری رہنمائی کیوں کی، دیگر مذاہب کی طرف میرے ذہن کو کیوں نہ جانے دیا یا پھر عیسائیت ہی کے کسی دوسرے فرقہ کی طرف جانے کا خیال کیوں نہ پیدا کیا؟ اس اہم سوال کا جواب اس وقت ہی واضح ہونا شروع ہو گیا تھا جب میں نے روحانیت کی جستجو کی طرف پہلا قدم بڑھایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کا نظریہ تو پیدائش کے ساتھ ہی میرے ذہن میں ڈال دیا گیا تھا مگر میری روح کو عیسائی چرچ ·

کی تعلیمات کے سانچے میں بند کر دیا گیا۔ تاہم میری مذہبی نشو ونما میں کسی جبر کا کوئی دخل نہ تھا۔ یہ اتفاقاً اور عادتاً بھی نہ تھی۔ یہ میرے خاندان کی زندگی کا ایک لازمی حصہ تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میری ماں ہر اتوار کو مجھے بائبل کی کہانیاں پڑھ کر سنایا کرتی تھی لیکن جب میں نوجوانی کی عمر کو پہنچا اور خاص طور پر جب میں کالج میں داخل ہوا تو کھلائی گئی یہ روحانی غذا خراب سے خراب تر ہوتی گئی۔

کچھ عرصے بعد میں نے مذہب کا مطالعہ شروع کیا۔ پہلی کتاب جو میں نے پڑھی وہ "The Religion of Man" تھی جسے میں ایک دوست سے مستعار لایا تھا۔ اس کتاب کا پہلا باب ''اسلام'' پر تھا اور میرے لئے یہ نہایت حیران کن تھا۔ یہ عرب کی معمولی تاریخ سے شروع ہوا اس کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور بعد میں اسلام کے نظریہ اور اس کے بنیادی عقائد کے بارے میں بتایا گیا تھا۔ اسلام کی عیسائیت کے ساتھ مماثلت اور تعلق کے بارے میں جو کچھ پڑھا اس پر مجھے یقین نہ آتا تھا۔ یہ کوئی خارجی یا اجنبی مذہب نہ تھا جسے کسی خارجی خدا کی پوجا کرنے والے غیر شخص نے تشکیل دیا ہو۔ یہ تو خالص ابراہیمی مذہب تھا جسے وحی الٰہی کے ذریعے ایک ایسے شخص نے بیان کیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سے تھا اور جو سچے ربِ احد کی بندگی کرنے والا تھا۔ اس سے اسلام میں میرے تجسس اور دلچسپی میں مزید اضافہ ہوا۔ میں نے اپنے ذہن کو آزاد اور کھلا رکھنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے بدھ مت' ہندومت' یہودیت' امریکہ کے قدیم روحانی مذاہب اور دیگر چھوٹے مذاہب' مسالک اور مذہبی تحریکوں کی تاریخ اور ان کے عقائد ونظریات کا مطالعہ شروع کیا۔ بدھ مت جو دنیا سے لاتعلقی کا درس دیتا ہے میں آخرت کی زندگی کا کوئی واضح تصور نہیں۔ ہندومت میں تو بغیر کسی مرکز واحد یا ذات واحد کے ان گنت دیویوں اور دیوتاؤں کی ڈھیلی ڈھالی پوجا ہے۔ یہودیت بنیادی طور پر سچ ہے مگر نسلی بنیادوں پر کھڑی ہے۔ امریکہ کے قدیم مذاہب بھی قبائلی اقسام میں بٹے ہوئے ہیں اور ہر قبیلے کا ایک الگ مذہب ہے۔ اسلام ان میں واحد مذہب تھا جس کے نظریات' عبادات اور عقائد واقعتاً ہر قسم کے تعصبات سے پاک اور عالمگیر

دکھائی دیتے تھے۔ تاہم اب تک جو معلومات مجھے حاصل ہوئی تھیں وہ تبدیلی مذہب کے لئے کافی نہ تھیں لیکن جب میں قرآن کے قریب آیا تو تیزی سے تبدیلی آئی۔

میں ان دنوں موسیقی کے ایک سٹور پر کام کر رہا تھا۔ وہاں ایک نوجوان خاتون اکثر آتی جس کے ساتھ عمومی تبادلہ خیال ہوتا۔ ایک موقع پر میں نے اس کے ساتھ اسلام پر بات کی تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ تو مسلمان ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ اگر مجھے اسلام کے بارے میں مزید معلومات درکار ہیں تو میں اس اجلاس میں شرکت کروں جو اس کا باپ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات پڑھانے کے لئے منعقد کرتا ہے۔ جب میں پہلی بار اجلاس میں شرکت کے لئے گیا تو میں پر جوش ہونے کے ساتھ ساتھ مضطرب بھی تھا۔ میں خالص مسلمانوں کو دیکھ رہا تھا۔ مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو اکٹھا بیٹھا دیکھ کر میں بہت متاثر ہوا۔ ماحول نہایت سادہ اور نیاز مندانہ تھا۔ انہوں نے میرے بنیادی سوالوں کے جواب دیئے لیکن میں نے زیادہ سوال کرنے کے بجائے سننے کو پسند کیا۔ جب نماز کا وقت ہوا تو میں کچھ دور بیٹھ کر خاموشی سے ان کا نظارہ کرتے ہوئے مسکراتا رہا۔ تمام عورتیں، مرد اور بچے ہم آہنگی کے ساتھ اکٹھے جھکتے اور نماز کے دوران میں زمین پر بالکل سامنے نگاہیں جمائے رکھتے۔ میرے لئے یہ ایک حیران کن اور پر لطف نظارہ تھا' نہایت انکساری' تحمل مزاجی اور ہم رنگی کا قدرتی نظارہ۔ اس سے میرے ذہن میں یہ تاثر ابھرا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا یہی صحیح طریقہ ہوسکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جن دیگر پیغمبروں کا بائبل میں میں ذکر ہے کے واقعات و حالات کو میں نے ذہن میں تازہ کیا کہ وہ بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوا کرتے تھے۔ جس طرح آج کل چرچوں میں عبادت ہوتی ہے' یہ طریقہ اللہ کے پیغمبروں کا تو نہ تھا بلکہ وہ تو اس طرح عبادت کرتے تھے جس طرح مسلمان کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ جب ایک دوسرے سے ملو تو ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا (اللہ تمہیں سلامت رکھے) دو عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کے اس فرمان پر عمل نہ کیا' یہ تو مسلمان ہیں جو ایک دوسرے کو "السلام علیکم" کہہ کر ملتے ہیں جس کا مطلب ہے "اللہ کی تم پر سلامتی ہو"۔ عیسائیت میں صرف آرتھوڈکس

ننیں (NUNS) اپنے سر اور جسم کو ڈھانپتی ہیں مگر اسلام میں تو ساری باعمل مسلمان خواتین کی شرم و حیا، حجاب، پاکدامنی اور عجز و انکساری کا معیار ہی یہی ہے اور یہ صرف آرتھوڈکس یعنی راسخ العقیدہ خواتین تک محدود نہیں ہے۔ جب میں اجلاس سے رخصت ہوا تو خیالات کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا۔

جب میں نے اس مسلمان خاتون کو میوزک سٹور پر دوبارہ دیکھا تو اس کا شکریہ ادا کیا اور اسے بتایا کہ میرے لئے کس قدر تعجب انگیز تجربہ تھا، یقیناً میں اس اجلاس میں دوبارہ جاؤں گا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میرے پاس قرآن مجید ہے۔ میں نے بتایا کہ نہیں۔ میرا خیال تھا کہ قرآن صرف غیر ملکی زبان میں ہوگا اور میں اسے نہیں پڑھ سکتا مگر اس نے مجھے کہا کہ وہ عربی متن کے ساتھ انگریزی ترجمے والا قرآن مجید دے گی۔ میں نے خوشی کے ساتھ اس کی پیشکش کو قبول کرلیا۔ جب مجھے قرآن مجید ملا تو پکار اٹھا: "واہ! میرا پہلا خالص قرآن"۔ اس کا باقاعدہ مطالعہ شروع کرنے کا میں انتظار نہ کرسکا۔ میں نے انڈیکس دیکھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہر آیت پڑھ ڈالی۔ یہ وہ پیغمبر تھے جو میرے ذہن کے ہر خانے میں موجود تھے اور مجھے بہت ہی عزیز تھے۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ اس کتاب (قرآن) میں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کیا کیا فرمایا ہے۔ اگر مجھے ان کی شان میں کوئی تحقیر، گستاخی، تضحیک وغیرہ نظر آتی یا ان کی نبوت کا انکار کیا گیا ہوتا تو میں اس کتاب کو بند کر دیتا اور اسلام سے بھی دور چلا جاتا۔ لیکن قرآن مجید میں ان کے بارے میں پڑھ کر مجھے خوشی ہوئی اور جب میں نے پڑھا کہ اللہ تین میں سے ایک نہیں بلکہ وہ اپنی ذات و صفات میں یکتا اور بے نظیر و بے مثال ہے تو میرے ذہن نے اسے فوراً قبول تسلیم کیا۔ جب میں نے پڑھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک کنواری کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اور وہ خدا کے بیٹے نہیں تو مجھے اس سے بھی اتفاق تھا۔

جب میں قدیم عبرانی اور سامی زبانوں کی اصطلاحوں کا مطالعہ کر رہا تھا تو میں نے دیکھا: "بیٹا (SON) کے معنی قربت (Nearness) کے ہیں" اور عہد نامہ قدیم میں یہ لفظ دیگر افراد اور پیغمبروں کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ "خدا کا بیٹا" کی اصطلاح کا

مطلب ہے کہ وہ فرد جو اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہو یا اللہ کے ساتھ جس کا نہایت قریبی تعلق ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے "SON OF MAN" کی اصطلاح "SON OF GOD" کی نسبت کہیں زیادہ استعمال ہوئی ہے۔ تاہم قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''ابن مریم'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی طرح تھی۔ اس (اللہ) نے صرف ''کن'' کہا اور ہو گیا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کا نہ تو کوئی باپ تھا اور نہ ماں۔ اس طرح تو ان کی زیادہ پرستش ہونی چاہئے تھی مگر کسی نے ان کی "Only Begotten Son of God" کی حیثیت سے پرستش نہیں کی۔

جب میں نے قرآن میں پڑھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انسانی شکل میں خدا نہیں تھے بلکہ انسانوں کے لئے ایک پیغمبر تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے بھیجا' وہ بے نیاز نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے' اسی پر بھروسہ کرتے اور اسی سے ڈرتے تھے اور اسی کی عبادت کرتے تھے تو مجھے بہت اچھا لگا۔ مجھے قرآن کی یہ بات بھی تسلیم تھی کہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس اٹھا لیا تھا لیکن جب میں نے یہ پڑھا کہ وہ اسے مصلوب بھی نہ کر سکے تھے تو میں چونک گیا۔ سورۃ النساء کی آیت نمبر 157 (اور خود (یہودیوں نے) کہا کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے حالانکہ فی الواقع انہوں نے اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا) میری نظریاتی زندگی میں ڈرامائی تبدیلی لائی۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کسی بات کو بلا سوچ سمجھے فوراً تسلیم کر لیتے ہیں یا مسترد کر دیتے ہیں۔ میں تحقیق کرتا ہوں۔ دن کے وقت میں اس آیت پر غور کرتا اور رات کو اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا۔ میں بہتے آنسوؤں میں اللہ سے فریاد کرتا کہ وہ مجھے خواب میں بتائے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب نہیں کیا گیا تھا تو پھر ان کے ساتھ حقیقتاً کیا ہوا تھا' اصل واقعہ کیا تھا اور جھوٹ کیا تھا' یہ جاننے کے لئے میں بے تاب تھا۔ میں سخت پریشان تھا۔ میں تحقیق اور لوگوں سے بحث کرتا تاکہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آئے۔ میرے نزدیک

روح اس دنیا کی سب سے اہم چیز تھی اور میری روح سچائی کی متلاشی تھی۔ میں نے ہمیشہ اپنے خالق کو جاننا اور اس کی عبادت کرنا چاہی لیکن میں اس بات میں یقین چاہتا تھا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ صحیح ہے۔ میں اس وقت تک کوئی قدم اٹھانے کو تیار نہ تھا جب تک میں شرح صدر یا یقین نہ کرلوں کہ یہی راستہ صحیح ہے۔ بالآخر میں نے جواب کا انتظار چھوڑ دیا اور اپنے آپ سے پوچھا ''لفظ Crucifixion یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھائے جانے کے عیسائی کیا معنی لیتے ہیں؟''۔ عیسائیوں کے نزدیک اس لفظ کے معنی ''نجات'' کے ہیں یعنی گناہوں کی سزا سے نجات۔ اس کے اس دنیا اور آخرت میں کامیابی کے معنی بھی لئے جاتے ہیں۔ میرے نزدیک تو یہ ایک بنیادی بات ہے کہ اگر کوئی مذہب اپنے ماننے والوں کو نجات کا راستہ نہیں دکھاتا تو بے کار ہے۔

یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کئے جانے کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے پاس اپنے محبوب بنی نوع انسان کو معاف کرنے اور بخشنے کے لئے کوئی اور طریقہ نہیں تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مجھے دل و جان سے محبت تھی اور ان کی ذات مجھے بہت عزیز تھی۔ میں اکثر سوچتا کہ یہ کیسے درست ہوسکتا ہے کہ رب غفور الرحیم نے انہیں زمین پر اس لئے بھیجا کہ وہ ان گنت دوسرے انسانوں کے گناہوں کی معافی کے لئے اپنے آپ کو قتل کرائیں جبکہ انہوں نے خود کوئی گناہ ہی نہ کیا ہو یعنی ایک بے گناہ آدمی کو دوسروں کے گناہوں کی بھینٹ چڑھانا کیونکر انصاف ہوسکتا ہے۔ یہ تو ایک نامعقول نظریہ تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ ''کن'' کہہ کر ساری کائنات کو پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے تو پھر اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے اور معافی مانگنے والوں کے لئے وہ ایسا کیوں نہیں کرسکتا' وہ ایک فرد کو یہ کیوں نہیں کہہ سکتا ''جا تجھے معاف کیا یا فلاں مرد' عورت کو معاف کردیا گیا''۔ اس معافی کے لئے ایک بے گناہ انسان کا قتل اور خون ہی کیوں ضروری تھا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا: ''اگر اس کتاب (قرآن) نے نجات کا کوئی ایسا پروگرام دیا جس میں کسی بے گناہ کا خون اور قتل شامل نہ ہوا تو میں اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کو تسلیم کرلوں گا''۔

میں نے بائبل کے نظریات پر گہرائی سے نظر ثانی کی اور یہ ڈھونڈنے کی کوشش کی کہ

نجات کے لئے کیا ضروری ہے۔ یہودی اور مسلمان اللہ کی عبادت کرتے ہوئے کسی دوسری چیز کو درمیان میں نہیں لاتے تو پھر عیسائی ایسا کیوں کرتے ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام اور اللہ کے درمیان کوئی اور نہ تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اللہ کے درمیان بھی کوئی نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اور اللہ' داؤد علیہ السلام اور اللہ' عیسیٰ علیہ السلام اور اللہ کے درمیان بھی کوئی دوسرا نہ تھا۔ پوری بائبل میں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور کوئی دوسرا اس کے گناہوں کی سزا نہیں بھگتے گا اور نہ کسی دوسرے کو سزا دی جائے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو لوگوں کو توبہ کی تبلیغ کر رہے تھے اور لوگوں کو بتا رہے تھے کہ توبہ کے بعد ان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (بحوالہ لوقا باب 7) تو پھر اچانک بنی نوع انسان کی بخشش کے لئے ایک قتل اور خون کی ضرورت کیوں پیش آ گئی۔ قربانی' خون اور معافی کے موضوع پر قرآن مجید نے چند آیات میں کیا ہی خوب اور جامع بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الحج میں فرماتے ہیں: ''نہ ان کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں نہ خون مگر اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اس نے ان (جانوروں) کو تمہارے لئے اس طرح مسخر کیا ہے کہ اس کی بخشی ہوئی ہدایت پر تم اس کی تکبیر کرو''۔ گناہوں اور معافی کے بارے میں سورۃ یوسف میں فرمایا: ''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں''۔ سورۃ الزمر میں فرمایا: ''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ' یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے' وہ تو غفور الرحیم ہے''۔ بائبل کی کتاب زبور میں بھی میں ایسی ہی تعلیمات پائیں مثلاً باب 30 کی آیت پانچ میں ہے: ''کیونکہ اس کا قہر دم بھر کا ہے' اس کا کرم عمر بھر کا' رات کو شاید رونا پڑے پر صبح کو خوشی کی نوبت آتی ہے''۔ باب نمبر 32 کی آیت نمبر 5 میں بیان کیا ہے: ''میں نے کہا کہ میں خداوند کے حضور اپنی خطاؤں کا اقرار کروں گا اور تو نے میرے گناہوں کی بدی کو معاف کیا''۔ باب نمبر 62 کی آیت 1'2 میں فرمایا: ''میری جان کو خدا ہی کی آس ہے' میری نجات اسی سے ہے۔ وہی اکیلا میری چٹان اور میری نجات ہے''۔ سموئیل 1 کے باب نمبر 15 کی آیت 22 میں ذکر ہے: ''سموئیل نے کہا کہ کیا خداوند سوختنی قربانیوں اور ذبیحوں سے اتنا ہی خوش ہوتا ہے جتنا اس بات سے کہ خداوند کا حکم مانا جائے؟ دیکھ

فرمانبرداری قربانی سے اور بات ماننا مینڈھوں کی چربی سے بہتر ہے"۔

لوقا کے باب 15 میں ہے: "میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی طرح ننانوے راستبازوں کی نسبت جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے ایک توبہ کرنے والے گنہگار کے باعث آسمان پر زیادہ خوشی ہوگی--- میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی طرح ایک توبہ کرنے والے گنہگار کے باعث خدا کو فرشتوں کے سامنے خوشی ہوتی ہے"۔ حزقی ایل کے باب 18 میں ہے: "جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی۔ بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ۔ صادق کی صداقت اسی کے لئے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لئے"۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں آیات 20 تا 32 'یسعیاہ کے باب نمبر 12 کی آیت دو اور تین' لوقا کے باب نمبر 7 کی آیت 47 تا 50۔ جب میں نے قرآن کی سورۃ یونس کی آیت نمبر 57 پڑھی جس میں بتایا گیا ہے: "لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو دل کے امراض کی شفا ہے اور جو اسے قبول کرلیں ان کے لئے رہنمائی اور رحمت ہے" تو میں نے اپنے آپ سے کہا: "یہی صحیح ہے' یہی اللہ کا فرمان ہے"۔

مسجد میں جب میں دوسری بار گیا تو قبولِ اسلام کا اعلان کرتے ہوئے میں نے کہا: "عبادت کے لائق کوئی خدا نہیں مگر سوائے اللہ تعالیٰ کے جو احد ہے' اعلیٰ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان کے لئے اس کے آخری پیغمبر ہیں۔ قیامت تک بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے قرآن مجید اس کی آخری کتاب ہدایت ہے"۔ میں جان گیا کہ اسلام قاتلوں اور دہشت گردوں کا مذہب نہیں ہے جیسا کہ اہل مغرب پراپیگنڈہ کرتے ہیں' بلکہ یہ تو بنی نوع انسان' فطرت اور تمام دیکھی اور ان دیکھی مخلوقات کے لئے اصل اور سچا مذہب ہے۔ اسما اسلام ان لوگوں کا مذہب ہے جو امن کے متلاشی ہیں اور اللہ کی رضا و تسلیم میں اپنی کامیابی کے خواہاں ہیں۔ اسلام کو قبول کرکے میں نے کامیابی کا راستہ پالیا' نجات کا ایک سچا راستہ۔

(بشکریہ: ریڈیئنس' بھارت)

❁❁❁❁❁❁
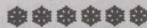
سکون جو جنگ سے ملا

امریکہ کے تھامس ٹیل نر (Thomas Tellner) کی داستان

میری پیدائش و پرورش لدھرن (Lutheran) عیسائی فیملی میں ہوئی اور تعلیم کے لئے پہلے 9 سال تک میں لدھرن پرائیویٹ سکول ہی میں جاتا رہا۔ ایلیمنٹری سکول کے ایام اور جووقت میں نے جونیئر ہائی سکول میں گزارا' اس سارے عرصہ کے دوران میں لدھرن مذہب کے اساسی اصولوں پر بھرپور اور باقاعدگی سے اسباق پڑھائے گئے۔ تاہم وہ وقت مجھ پر بھی آیا جو ہر فرد پر آتا ہے جب ذہن میں سوال اٹھنے شروع ہو جاتے ہیں۔

نو سالوں تک ہمیں اساتذہ نے ہمارے مذہب کے بارے میں زیادہ سے زیادہ پڑھایا اور ہم نے سب سے زیادہ یہی سیکھا۔ ہمیں ایسے سخت گیر ماحول میں پڑھایا گیا جہاں ہمارے مذہب کے تمام احکام وہدایات پر شدت سے عمل کرایا جاتا تھا۔ ایسی فضا میں سوالات اور شکوک وشبہات کے اظہار کو برداشت نہیں کیا جاتا۔ پہلے سات سال میں اسی روحانی فضا میں رہا اور بطور عیسائی انہی کی ہدایات کے مطابق گزارے۔ اس سکول میں آخری سال کے دوران میں ہم سب اپنے مذہب کے احکام وتعلیمات میں بڑی گہرائی اور سنجیدگی سے گزرے تاکہ اپنے پہلے عشائے ربّانی منانے کے عمل میں حصہ لے سکیں۔ اپنے مذہب تک رسائی کے لئے مشکل اور پیچیدہ اسباق کو سمجھنے کے لئے امثال کا مزید استعمال نہ کیا گیا کیونکہ ہمیں تو بہر حال یاد اور نقل کرنا تھا۔ اب ہم نے اپنے مذہبی احکام کی

ایک ایک بات یاد کرنا شروع کردی مگر انفرادی یا اجتماعی طور پر احکام کے نکات کا تنقیدی تجزیہ کے بغیر۔

سوالوں کا پیدا ہونا تو ناگزیر تھا مگر ان کے مناسب جواب دینے کے بجائے حسب معمول رٹا رٹایا ایک ہی جواب سنا دیا جاتا: ''کسی ثبوت کے بغیر بھی تمہیں اس عقیدے پر ایمان لانا ہے''۔ گزشتہ سات سالوں کی تعلیم و تربیت کا بہرحال اثر تھا اور کوئی فرد یہ سوچنا بھی نہ چاہتا تھا کہ وہ ''بے عقیدہ'' ہے۔ ''بے عقیدہ ہونا'' معاشرے میں سب سے بڑا کلنک کا ٹیکہ تھا اور کوئی فرد ایسا تصور بھی نہ کرسکتا تھا۔ مزید یہ کہ کلاس میں ہم میں سے بیشتر لڑکوں میں ایسے سوال اٹھانے یا نکات پر دلائل دینے کی کوئی تحریک نہ تھی کیونکہ ایسا کرنا فضول سمجھا جاتا تھا اور پھر یہ کہ اپنے معاشرتی سٹیٹس پر بے عقیدگی کا داغ لگنے کا خطرہ بھی ہوتا تھا۔ البتہ ہم میں سے کچھ ایسے بھی تھے جن کے پاس ضائع کرنے یا نقصان اٹھانے کے لئے کچھ بھی نہ تھا۔ ہم میں سے بیشتر کسی نہ کسی معاشرتی محرومی یا داغ کا پہلے ہی شکار تھے' مثلاً ہم تو طلاق یافتہ والدین کے بچے تھے' ہمارے والدین غریب تھے' ہمارے والدین تو ہر اتوار کو چرچ بھی نہیں جاتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

میں بھی موخر الذکر بچوں میں سے ایک تھا۔ میرے والدین طلاق یافتہ تھے مگر کسی طرح بھی غریب نہ تھے' تاہم ان کا شمار امراء میں بھی نہ ہوتا تھا۔ میرے پاس سوال نہ کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ میں نے خلوص دل سے جو بھی سوال کئے ان کے تسلی بخش جواب کبھی نہ ملے۔ میرے نزدیک یہ جواب عیسائیت کی مدافعت کرنے کے بجائے درحقیقت اس کی مزید ملامت کرنے والے ہوتے۔ سکول کی فیکلٹی میرے تنقیدی جائزے کو زیادہ دیر برداشت نہ کرسکی اور نتیجہ میں مجھے متاثر ہونا پڑا۔ بہرحال میں نے یہاں تعلیم جاری رکھی جو بلاشبہ معیاری تعلیم تھی مگر میں لدھرن مذہب کا مزید حصہ نہ رہا اور مجھے اس سے خارج سمجھا گیا۔ یہ سلسلہ سکول میں اعلیٰ ترین درجے تک جاری رہا اور اس کے بعد میں امتحان پاس کرکے آگے نکل گیا۔ اب میں پبلک سکول سسٹم کا حصہ تھا۔ جب میں نے اس کا موازنہ گزشتہ 9 سالوں کے محفوظ ماحول سے کیا تو یہ مجھے جنگل کی طرح نظر آیا۔ اس طرح میں

اپنے بچپن کے عقیدہ و مذہب سے دور تر ہوتا گیا۔ بظاہر میں نے عبادت کا سلسلہ ختم کر دیا مگر میرے اندر ہم سب سے اعلیٰ و ارفع ہستی کا تصور اب بھی موجود تھا۔

سکول میں ممتاز پوزیشن حاصل کر کے میں کالج پہنچ گیا۔ میں نے یونیورسٹی آف ڈنور (Denver) میں داخلہ لیا جہاں میری ملاقات چند عرب طلبہ سے ہوئی جنہوں نے انگریزی پڑھنے کے لئے مجھے ٹیوٹر رکھا تھا۔ ذہین ہونے کے باوجود تحریری کام خراب ہونے کے باعث ان کا گریڈ متاثر ہو رہا تھا۔ میں ان کے ساتھ کئی گھنٹے گزارتا اور ہم میں ایسی محبت و الفت پروان چڑھی کہ ہم ایک دوسرے کو سگے بھائیوں کی طرح چاہنے لگے۔ ان کی فیاضی اور کریم النفسی سے میں نے سینکڑوں دیگر اچھی باتوں کے علاوہ یہ بھی سیکھا کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ میرا رویہ کیا ہونا چاہئے۔ میں نے اس دوران میں ان سے اسلام کے متعلق بھی بہت کچھ سیکھا۔ میں نے ان سے جو بات بھی سنی اسے یاد رکھا۔ تاہم میں اب بھی اسلام کے بارے میں قائل نہ ہوا تھا۔ میں نے عیسائیت کے مزید فرقوں پر تحقیق کی۔ مجھے اب بھی امید تھی کہ میں ناقابل حل مسائل کا حل ڈھونڈلوں گا' مگر جو جوابات بھی مجھے ملے وہ یا تو انتہائی تصوراتی تھے یا پھر متضاد۔ نتیجتاً میں نے عیسائیت کو پس پشت ڈال دیا اور دوسرے مذاہب پر تحقیق شروع کر دی۔ میں نے بدھ مت پر دستیاب لٹریچر کا ہر پہلو سے مطالعہ کیا۔ میں نے تاؤازم پر بھی عمل کی کوشش کی۔ روحانی اور ثقافتی پہلوؤں پر تحقیق میں' میں نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ جب میں ماضی میں جھانکتا ہوں تو اب محسوس کرتا ہوں کہ میری یہ پر جوش تحقیق اسلام کے متعلق کم علمی کے باعث تھی۔

یہ بدقسمتی تھی کہ میں اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرتا تھا مگر میرے اندر اسلام قبول کرنے کی ہمت نہ تھی۔ میں نے اسلام کی سچائی کے اعتراف پر اطمینان محسوس کیا مگر اس پر عمل نہیں کر رہا تھا۔ اپنے نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے میرے اندر مطلوب نظم وضبط کی کمی تھی۔ میرے اس رویے نے مجھے زوال کے قریب پہنچا دیا۔ میں نے ایک ایسے کالج کو چھوڑنے سے انکار کر دیا جس کے اخراجات میں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ میں مقروض ہو گیا۔ بالآخر 1991ء میں امریکی فوج نے اس دلدل سے نکالنے کی مجھے پیشکش کی کہ اگر میں آرمی میں

چھ سال کے لئے آ جاؤں تو وہ میرا بڑا قرض اتار دے گی۔ میں نے یہ پیشکش قبول کر لی۔

میں آرمی میں بھی ممتاز رہا اور کام سے بھرپور لطف اندوز ہوا۔ کئی سالوں کے لئے مجھے جرمنی بھیج دیا گیا۔ میں نے یہاں بھی نئے تجربات سے خوب لطف اٹھایا۔ 1995ء کے آخر میں مجھے بوسنیا روانہ کر دیا گیا۔ یہاں مجھے زندگی تبدیل کر دینے والے تجربات ہوئے۔ بوسنیا میں' میدان جنگ کے بیچ میں' تباہ شدہ شہروں اور بڑی بڑی اجتماعی قبروں میں' محض مختلف عقیدہ رکھنے کے باعث متاثر ہونے والے لوگوں کے دکھ درد براہ راست سننے کا موقع ملا۔ میں نے مسلمانوں کے خلاف پراپیگنڈہ سنا' اس پر حیران ہوا اور سوچنے لگا' یہ تباہی کسی نظریہ کی خاطر نہیں ہوسکتی' یہ کم تر درجے کی وجوہات کے باعث ہی ہوسکتی ہے۔ اپنے کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے نسلی اور ثقافتی نفرت کو استعمال کیا گیا۔ اپنے مقاصد کی خاطر انسانیت سوز سرگرمیوں کیلئے خوف پیدا کیا گیا' مگر سوال یہ تھا کہ غیر مسلموں کو آخر وہ کون سا خوف تھا جسے اس پراپیگنڈہ کی بنیاد بنایا گیا؟

میں نے اس پر بہت غور کیا۔ میں نے عیسائیت کے ہاتھوں تشکیل پانے والے اپنے نظریات کو یاد کرنا شروع کر دیا۔ جب ہم ٹھنڈے دل سے ان پر غور کرتے ہیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انتہائی مضحکہ خیز جھوٹوں کے ذریعے ہمیں دوسرے مذاہب بالخصوص اسلام سے بدظن کیا جاتا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہمارے مرد ٹیچر نے ایک بار کہا تھا کہ میں بہت خوش ہوں کہ میں مسلمان نہیں ہوں۔ کیوں؟ کیونکہ مسلمان مرد ہر نماز' اللہ کا یہ شکر ادا کرتے ہوئے شروع کرتے ہیں کہ "ہم عورتیں نہیں ہیں"۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ مسلمان بتوں' گائے اور کعبہ کی پوجا کرتے ہیں۔ اسلام کے بارے میں میرا جو معمولی مطالعہ تھا اس کی روشنی میں' میں جان گیا تھا کہ اسلام کے متعلق کوئی خاص بات ہے جو غیر مسلم عالم ہم سے چھپاتے ہیں۔

ایک دن میں نے اچانک اپنی یونٹ کے ایک مسلمان سے پوچھا کہ کیا اس کے پاس قرآن ہے۔ اس سوال نے نہ صرف اسے بلکہ خود مجھے بھی حیران کر دیا لیکن وہ بلا تاخیر قرآن کی ایک کاپی مجھے دینے پر راضی ہو گیا۔ ڈیوٹی کے اختتام پر میں نے قرآن کا مطالعہ

شروع کردیا۔ میں نے حصوں میں اس کے مطالعہ کا پروگرام بنایا مگر جلد ہی اسے تبدیل کرنا پڑا ۔ میں نے پڑھنا شروع کیا تو رک نہ سکا۔ میں نے دو تین راتوں ہی میں قرآن کا مطالعہ مکمل کرلیا۔ میں جان گیا کہ مجھے وہ پیغام مل گیا ہے جو مدت سے مجھے اشارہ دے رہا تھا۔ قرآن کے صفحات پر میں نے جو کچھ پڑھا اس نے مجھے حیرت زدہ کردیا۔ میں قرآن کی سچائیوں کے جلال سے مرعوب ہوگیا۔ قرآن نے نہ صرف مجھے اللہ کے بارے میں بتایا بلکہ خود مجھے اپنے بارے میں، اپنے اردگرد اور جس معاشرے میں رہ رہا تھا اس کے بارے میں بہت کچھ پڑھایا۔

ایک ہفتے بعد میں نے نماز جمعہ میں شرکت کی اور کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ میں سچائی کا قائل ہوگیا اور دل کی گہرائیوں سے اپنے آپ کو اپنے مذہب کے مطالعہ میں لگا دیا۔ امریکہ سے کتب منگوانے لگا۔ بوسنیا میں فالتو وقت کے دوران میں میرے ہاتھ جو کچھ بھی لگا میں نے اس کا مطالعہ کر ڈالا۔ ایک بالکل نئی دنیا میرے سامنے آ گئی۔ میں جنگ کی جگہ گیا اور مجھے وہاں اسلام (امن وسلامتی) مل گیا۔

(بشکریہ: ریڈیئنس، شمارہ 10 تا 16 اکتوبر 1999ء)

عیسائیت میں کفارہ کا عقیدہ

کفارہ سے مراد یسوع مسیح کی قربانی ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہ السلام کا گناہ معاف نہیں ہوا تھا اس لئے ہر بچہ پیدائشی گناہ گار ہے یعنی تمام بنی نوع انسان پیدائشی گناہ گار ہیں اور اللہ نے بنی نوع انسان کے گناہ کو معاف کرنے کے لئے اپنے بیٹے کو صلیب پر چڑھایا۔ کفارہ پر ایمان و یقین عیسائیت کا لازمی جز ہے۔ عیسائیت کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا اور بندے کا تعلق گناہ آدم کے نتیجہ میں خلل پذیر ہوگیا تھا۔ اس تعلق کو پھر سے قائم کرنے کے لئے ضروری تھا کہ مسیح کو مصلوب کیا جائے۔ چنانچہ اس طرح حضرت مسیح علیہ السلام نے کفارہ ادا کر دیا اور اس طرح سے خدا اور بندے کا تعلق پھر سے استوار ہوا۔ مسیح کی موت تمام انسانوں کی طرف سے کفارہ ہوگئی۔

ایم کے شرما سے سلمان بننے تک

ایم- کے شرما 13 دسمبر 1972ء کو بھارتی صوبہ بمبئی کے ضلع گھت کوپار کے ایک برہمن گھرانے میں پیدا ہوئے۔ 1990ء میں انہوں نے بمبئی یونیورسٹی سے کامرس کی ڈگری حاصل کی۔ ان کا والد سدھا شرما ایک بزنس مین تھا۔ باپ کی موت کے بعد ایم کے شرما کی پوری فیملی نیو دہلی منتقل ہوگئی۔

4 جولائی 1994ء کو وہ ایک تجارتی نمائندے کے طور پر سعودی عرب آئے۔ سعودی دارالحکومت ریاض میں ان کے بھارتی اور پاکستانی دوستوں نے انہیں اسلام کے بنیادی عقائد اور تعلیمات سے متعارف کرایا۔ اس سے قبل کہ وہ اسلام کو پوری طرح سمجھ پاتے اور دین الٰہی کو قبول کرنے کے لئے قائل ہوتے ان کی کمپنی نے اپنے بزنس کو توسیع دینے کے لئے انہیں جنوری 1996ء میں خامس مشائت (KHAMIS MUSHAYT) بھیج دیا۔

مارچ 1997ء میں ان کی ٹرانسفر جدہ ہوگئی جہاں انہوں نے اپنے بھارتی دوست کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ وہ اسلامک ایجوکیشن فاؤنڈیشن پرنس ماجد روڈ جدہ میں قرآن مجید ناظرہ پڑھ رہے ہیں اور حفظ کرنا سیکھ رہے ہیں۔ وہ عربی زبان بھی سیکھ رہے ہیں اور ساتھ ساتھ روزمرہ کے مسائل کو سمجھنے اور جاننے کے لئے اسلامی فقہ بھی پڑھ رہے ہیں۔ (ممکن ہے کہ اب تک وہ اپنی اسلامی تعلیم مکمل کر چکے ہوں ...... ملک احمد سرور) انہوں نے اپنا

اسلامی نام ''سلمان'' رکھا ہے۔

'' آپ نے اسلام کیوں قبول کیا؟'' اس کا جواب دیتے ہوئے سلمان بتاتے ہیں:

''میرے اسلام قبول کرنے کی سب سے اہم وجہ اسلام کا ''تصور توحید'' بنا ہے جو نہ صرف نہایت معقول ہے بلکہ دل کو بھی لگتا ہے۔ بطور ہندو ایک فرد کو 330 ملین دیوتاؤں اور دیویوں کی پوجا کرنی ہوتی ہے جو ایک ناممکن ہدف ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں بمشکل ایک درجن کی پوجا کرتا تھا''۔

چونکہ انہوں نے ایک برہمن گھرانے میں آنکھیں کھولیں اس لئے ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت مذہبی ماحول میں ہوئی لیکن ان گنت دیوتاؤں اور دیویوں کی پوجا کے نظریہ کو ان کے ذہن نے کبھی قبول نہ کیا۔ ان کا کہنا ہے: '' مجھے حیرانی ہوتی ہے کہ ایک دفتر میں ایک ہی سٹیٹس اور اختیارات کے حامل جب دو ڈائریکٹرز نہیں ہوسکتے تو پھر ایک اعلیٰ درجے کی ایک منظم و وسیع کائنات کو ایک سے زیادہ خدا کیسے چلا سکتے ہیں''۔

وہ آسمان پر نظر دوڑاتے ہیں اور کائنات کے یکتا و بے مثال نظم کو دیکھ کر تدبر و تفکر میں ڈوب جاتے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ یہ کیسا نظام ہے جو کہکشاؤں کو لامحدود وقت سے بغیر کسی خرابی کے چلا رہا ہے۔ سورج روزانہ وقت مقررہ اور جگہ پر طلوع و غروب ہوتا ہے' چاند کا سفر بھی ایسے ہی جاری ہے۔ ان میں کیسی بے مثال ہم آہنگی ہے۔ سب کو اپنے طلوع و غروب ہونے کے اوقات اور راہ منزل کا علم ہے۔ کوئی ایک دوسرے کے کام میں رکاوٹ نہیں ڈالتا۔ کیا ایک سے زیادہ خداؤں کی صورت میں ایسا ممکن ہے؟ دنیا میں کسی ایک کام پر دو افراد میں ہم آہنگی نہیں پائی جاتی' کسی بھی کام کو انجام دینے کے طریقہ کار میں اختلاف پایا جاتا ہے مگر کائنات کے انتظام میں کوئی ابتری اور بدانتظامی نظر نہیں آتی۔ (اللہ تعالیٰ نے سورہ الملک میں فرمایا ہے: ''تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ترتیبی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو' کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے۔ بار بار نگاہ دوڑاؤ' تمہاری نگاہ تھک ہار کر نامراد پلٹ آئے گی''......مترجم)

اسلام قبول کرنے کے بارے میں ایک اور وجہ کا ذکر کرتے ہوئے سلمان بتاتے ہیں:

''اسلام میں موت کے بعد مواخذے یعنی جزا و سزا کے تصور نے بھی مجھے متاثر کیا۔ اللہ تعالیٰ

نے اس دنیا میں ہر فرد کو کچھ صلاحتیں اور اختیارات دیئے ہیں۔ اس نے ہمیں زندگی، صحت اور دولت دی ہے۔ ہم ان کا کیسے استعمال کرتے ہیں اور اگر غلط استعمال کرتے ہیں تو انجام کیا ہو گا؟ اس لئے یہ فطری تقاضا ہے کہ ایک دن ایسا ضرور آنا چاہئے جس دن ہر فرد کو زندگی میں کئے گئے کاموں کی جزاو سزا ملے۔ ہندو عقائد کے مطابق جب ایک فرد مرتا ہے اور اس نے اچھے کام کئے ہوں تو اس کی روح دوبارہ ایک اچھی شخصیت کی صورت میں جنم لیتی ہے اور اگر برے کام کئے ہوں تو وہ فرد دوبارہ کتے' بلی اور جانوروں کی شکل میں پیدا ہوتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ایسا عموماً جلدی نہیں ہوتا' سالہا سال اور صدیاں لگ جاتی ہے۔ پھر یہ کیسے معلوم کیا جائے کہ فلاں برے آدمی نے کتے' بلی یا فلاں جانور کی شکل میں جنم لے لیا ہے۔ یہ عقیدہ ذہن کو اپیل نہیں کرتا جبکہ اسلام کا نظریہ جزاوسزا ذہن کو قائل کرتا ہے''۔

اسلام قبول کرنے کی تیسری اہم وجہ کا ذکر کرتے ہوئے سلمان کہتے ہیں: ''میرے اسلام قبول کرنے کی تیسری اہم وجہ اسلام کا تصور مساوات ہے۔ اسلام میں رنگ' نسل' زبان' قومیت وغیرہ کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ رنگ' نسل' زبان اور قومیت کی بنیاد پر کوئی کسی سے برتر اور کمتر نہیں ہے بلکہ برتری کا معیار تقویٰ ہے۔ ہندومت میں میرے ذہن میں یہ بات بٹھائی گئی تھی کہ بطور برہمن میں تمام بنی نوع انسان میں برتر ہوں مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ محض برہمن فیملی میں کسی کے جنم لینے میں وہ کونسی بات ہے جو ایک فرد کو دوسرے سے برتر بنا دیتی ہے؟''۔

اسلام قبول کرنے کے بارے میں مزید وجوہات کا ذکر کرتے ہوئے سلمان بتاتے ہیں کہ اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں بنی نوع انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ گھریلو زندگی ہو یا بزنس کا میدان' سیاست ہو یا معاشیات' میدان جنگ ہو یا اقتصادی امور غرضیکہ ہر شعبے میں اسلام روشنی فراہم کرتا ہے جبکہ دیگر مذاہب صرف چند رسومات تک محدود ہیں' وہ انسانی زندگی کے لئے نامکمل و ناکافی ہیں اور زندگی کا کوئی واضح نصب العین بھی بیان نہیں کرتے۔

(فضیل اقدس غزالی کے قلم سے یہ روداد بھارتی جریدے ریڈینس کے شمارہ 28 مارچ تا 3 اپریل 1999ء میں انگریزی میں شائع ہوئی۔ ریڈینس نے اسے سعودی گزٹ سے لیا)

❋❋❋❋❋❋
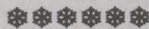
تاؤازم اور عیسائیت چھوڑ کر

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

سنگاپور کے نومسلم احسان کی روداد

فرمان رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ سفید کپڑے کی طرح ہوتا ہے' یہ والدین ہوتے ہیں جو سفید کپڑے کو رنگ دے کر سرخ' نیلا' پیلا یا سبز بنا دیتے ہیں۔ میرے والدین تاؤاسٹس (TAOISTS) ہیں (تاؤازم چینی فلسفی لاؤ تازے کا مذہب تھا جو بدھ مت سے ملتا جلتا ہے--- مترجم) اس لئے پیدائش کے بعد میری پرورش تاؤازم کے مطابق ہوئی۔ بچپن میں اگرچہ میں تاؤازم کے بارے میں کچھ نہ جانتا تھا اس کے باوجود میں نے تاؤازم کو قبول کیا۔ یہ میری نوجوانی کا ابتدائی زمانہ (Teenage) تھا جب مجھے معلوم ہوا کہ تاؤازم میرا خاندانی مذہب ہے۔ تاؤازم کے دیگر کئی پیروکاروں کی طرح میرے والدین بھی تاؤازم کی تاریخ سے ناواقف تھے اور انہوں نے اسے جاننے کی بھی کوئی تگ و دو نہ کی۔ مجھے بھی تاؤازم کی تاریخ اور مذہبی قواعد کی کوئی تعلیم نہ دی گئی۔ میں نے تاؤازم کو قبول کیا اور جس طرح میرے ماں باپ مذہبی عبادت کرتے تھے میں نے بھی کی۔

جب میں 9 سال کا ہوا تو ایک سکول ٹیچر نے مجھے اور میرے کلاس فیلوز سے کہا کہ ہم سب کو عیسائی بن جانا چاہئے۔ ہمیں بتایا گیا کہ اگر ہم نے عیسائیت کو قبول نہ کیا تو خدا ہمیں عیسائی نہ ہونے کے قصور پر موت کی سزا دے گا۔ میں اس دھمکی سے ڈر گیا اور اس طرح میں

دو مذاہب کے ماننے والا بن گیا۔ تاؤ ازم کو میں نے اپنے اہل خانہ کے باعث قبول کیا ہوا تھا اور عیسائیت کو دھمکی کے خوف سے۔ جب میں بڑا ہوا تو میرے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ کس مذہب پر عمل کروں۔

سیکنڈری سکول میں تعلیم کے تیسرے اور چوتھے سال کے دوران میں مذہبی تعلیم کے سلسلہ میں بدھ ازم کا اختیاری مضمون لیا کیونکہ مجھے بتایا گیا کہ یہ نہایت آسان ہوتا ہے۔ بدھ ازم کے نظریہ نے مجھے بہت متاثر کیا کیونکہ میں نے اسے ایک معقول اور عملی مذہب سمجھا۔ بدھ ازم میں انسانی خیر خواہی کا نظریہ میرے دل کو لگا۔ میں نے بدھ ازم کی تعلیمات کی ممکن حد تک پیروی کی مگر بدھ مت کو قبول نہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ اگرچہ بدھ ازم کی بنیاد اچھے اصولوں اور کاموں پر رکھی گئی ہے تاہم اس میں ایک سپریم ہستی یعنی خدا کا کوئی وجود نہیں ہے۔

جب میں سینٹ اینڈریو جونیئر کالج میں داخل ہوا تو وہاں مسلمانوں کے علاوہ دیگر تمام طلبہ کے لئے لازمی تھا کہ وہ سکول کی ہفتہ وار مذہبی عبادت میں شریک ہوں۔ ہم مذہبی گیت گاتے اور وعظ سنتے ۔بعض اوقات مذہبی سروس کے اختتام پر ہم سے پوچھا جاتا کہ کیا ہم میں سے کوئی عیسائی ہونا پسند کرے گا۔ میں ایک پادری سے بہت متاثر تھا جسے میں تبلیغ کے معاملے میں بہت طاقتور سمجھتا تھا۔ وہ بائبل کے عہد نامہ قدیم میں بیان کی گئی پیشین گوئیوں کی مدد سے نئے عہد نامہ کی سچائیوں کو نہایت متاثر کن انداز سے ثابت کرتا۔ جب وہ عہد نامہ قدیم کی ان پیشین گوئیوں کا ذکر کرتا جو نئے عہد نامہ میں پوری ہو چکی تھیں تو میں بہت متاثر ہوتا۔ جب وہ یوم آخرت کے بارے میں گفتگو کرتا تو میری دلچسپی مزید بڑھ جاتی۔ وہ ہمارے سامنے بعض عیسائیوں کے مشاہدات و تجربات بھی بیان کرتا۔ ایک مثال اس نے ایک عیسائی خاتون کی دی جس کی موت کی تصدیق ہو چکی تھی۔ موت کے دوران میں اسے سخت امتحان سے گزارا گیا' اس کی ٹانگ کو دوزخ میں ڈالا گیا' پھر اسے رہا کر دیا گیا اور وہ واپس دنیا کی زندگی میں آ گئی۔ موت سے واپسی پر اس نے تصدیق کی کہ وہاں خدا ہے۔ موت کے بعد کی زندگی اور دوزخ کا بائبل میں ذکر ہے۔ یہ تھے وہ حالات جن میں' میں

پروٹسٹنٹ اینگلیکن مذہب کی طرف کھنچتا چلا گیا۔ اس وقت میری عمر سترہ سال تھی۔

میں عیسائی عقیدہ کے ایک فرقہ پر مطمئن ہو کر نہ بیٹھا رہا۔ میں ایک سے دوسرا چرچ تبدیل کرتا رہا۔ میں اب بھی باطنی سکون کی تلاش میں تھا اور میرا ذہن نہیں بن رہا تھا کہ مجھے کس چرچ میں باقاعدگی سے حاضری دینی چاہئے۔ جب میں آخری سال میں تھا تو میں ایک دوست سے ملا جو مجھے اپنے چرچ سینٹ جان سینٹ مارگریٹ لے گیا۔ اس چرچ میں' میں نے اپنے آپ کو گھر میں محسوس کیا۔ چرچ کی سرگرمیوں میں' میں بھی متحرک ہو گیا۔ میں دو منسٹریوں میں لیڈر تھا۔ ایک منسٹری کا تعلق بچوں کے معاملات سے تھا جبکہ دوسری کا کھیلوں سے۔ مجھے بچوں کی تدریس میں ملوث کر دیا گیا۔ یہ منسٹری سکول کے بچوں کے لئے مفت تدریس کا اہتمام کرتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ بتدریج عیسائیت کا پیغام بھی پھیلاتی تھی۔ بچے پرائمری ون لیول سے لے کر اوپر کے تھے۔ مجھے دو طلبہ کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ہر تدریس سے قبل عبادت کا سیشن ہوتا تھا۔ ہم مذہبی گیت گاتے اور کہانیاں سناتے۔ میں طلبہ کو بائبل کی کہانیاں سناتا۔

میں چرچ کی سپورٹس منسٹری کے ساتھ بھی سخت محنت کرتا تھا۔ ہم لوگوں کو کھیل میں شرکت کی دعوت دے کر مشنری کا کام کرتے۔ میں باسکٹ بال ٹیم کا انچارج تھا۔ ہر ہفتے ہم ایک کورٹ کرائے پر لیتے اور کھیل کی مشق کرتے۔ ہم باہر کے لوگوں کو بلاتے اور مثالیں دے دے کر ان کو عیسائیت کی طرف لانے کی کوشش کرتے۔ ہم اپنے سماجی کاموں اور خدمات کو نمایاں کر کے ان کے سامنے پیش کرتے۔ کھیل کی مشق کے دوران میں اور بعد میں نوجوانوں کے سامنے مسیحی تعلیمات بیان کرتے۔ ان نوجوانوں میں اکثریت ٹین ایجرز کی ہوتی۔ سپورٹس منسٹری کا تصور صرف سنگاپور میں ہی نہیں دیگر ممالک میں بھی نہایت قابل عمل ہے۔ سب سے پہلے میرے چرچ نے ہی یہ آئیڈیا سنگاپور میں متعارف کرایا تھا۔ ابھی میں چرچ میں متحرک تھا کہ میرا تعلق ایک مسلمان خاتون سے قائم ہوا جس سے میں نے عیسائیت کے بارے میں بات کرنے کی کوشش کی۔ اسے اپنے مذہب کی سچائی پر مکمل یقین تھا مگر وہ یہ نہ جانتی تھی کہ میرے سامنے اپنے مذہب کی سچائیاں کیسے بیان کرے۔ اسے عیسائیت کے

بارے میں قائل کرنے کے لئے میرے پاس کوئی طریقہ نہ تھا۔ میں بہت حیران تھا کہ وہ مسلمان جو منشیات کے عادی تھے انہیں بھی پکا یقین تھا کہ اسلام ہی سچا دین ہے۔ میں نے اپنی مسلم دوست سے پوچھنے کا فیصلہ کیا کہ آخر تمہارے مذہب میں ایسی کونسی سچائی ہے کہ اس کے ماننے والے اپنے مذہب سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں ہوتے۔ وہ میرے سوال کا جواب واضح طور پر نہ دے سکی اور اس نے سنگاپور میں نومسلموں کی ایسوسی ایشن ''دارالارقم'' سے معلومات حاصل کرنے کے لئے کہا۔ میں نے اس کی تجویز سے اتفاق کیا' اگرچہ میں اسلام کو عقل وشعور سے خالی دہشت گرد مذہب سمجھتا تھا۔ میری دلیل یہ تھی کہ اگر یہ مذہب اچھا ہوتا تو اس کے ماننے والے بھی اچھے ہوتے۔ میں جونیئر کالج کے زمانہ کی صرف ایک ہی اچھی مسلمان دوست کو جانتا ہوں لیکن اس نے مجھ تک اسلام کا پیغام پہنچانے کی کوئی کوشش نہ کی۔ اس وقت دوسرے کئی مسلمانوں نے مجھے اسلام کا پیغام دینے کی کوشش کی تھی۔

میری فیملی اسلام کے خلاف تھی۔ اس کی وجہ مشرقِ وسطیٰ میں ہونے والے واقعات اور میرے باپ کے وہ ملازمین تھے جو نہایت سست اور بدتمیز تھے۔ چونکہ میں نے دارالارقم جانے پر اتفاق کرلیا تھا اس لئے میں وہاں گیا اور مشرقی علوم کی کلاس میں شرکت کی۔ مجھے برادر ریبے سے متعارف کرایا گیا۔ دو باتوں پر مجھے شدید جھٹکا لگا اور میں بہت متاثر بھی ہوا۔ اس نے مجھے پہلی بات یہ بتائی کہ عیسائیت کی طرح اسلام کی بنیاد محض جذبات پر نہیں ہے۔ میں اس کے الفاظ میں کھو گیا اور اپنے ردعمل پر بڑا حیران ہوا۔ دوسری بات اس نے یہ کہی ''فوراً مسلمان نہ ہونا۔ جب اپنے ذہن میں ابھرنے والے ہر سوال کو پوچھ لو' ہر شک وشبہ کو دور کرلو تو پھر اسلام قبول کرنا''۔ عیسائیت میں آپ زیادہ سوال نہیں پوچھ سکتے کیونکہ جتنے سوال آپ پوچھیں گے اتنے ہی زیادہ کنفیوژ ہوتے جائیں گے۔

ان دو باتوں کے بعد برادر ریبے نے مجھے ''اسلام ان فوکس'' کتاب دی۔ کتاب میں میں نے جو کچھ پڑھا یہ میرے لئے ایک اور جھٹکا تھا۔ عیسائیت میں کئی باتیں ایسی تھیں جو عقل نہ مانتی تھی اور ان باتوں کو ذہن سے منوانے کے لئے میرے پاس کوئی حل نہ تھا۔ ان

الجھنوں کا جواب میں نے اس کتاب میں پایا۔ مجھے اس بات پر بھی حیرانی ہوئی کہ میں بدھ ازم کی جن تعلیمات کو مانتا اور اچھا سمجھتا تھا وہ تو اسلام کی تعلیمات نکلیں۔ بدھ ازم اور اسلام کے بے شمار اصولوں اور باتوں میں مماثلت ہے۔

اگلے ہفتے میں دوبارہ دارالارقم گیا اور مبتدی کلاس میں شرکت کی۔ کلاس میں مجھے بوریت محسوس ہوئی اور صرف ایک دو اسباق ہی پڑھ سکا۔ اسلام پر دو کتابیں مجھے دی گئیں۔ یہ تھیں احمد دیدات کی "The Choice, Islam and Christianity" "The Basis of Muslim Belief" دونوں کتابوں سے بہت متاثر ہوا۔ میں ریمے بھائی سے دوبارہ ملا۔ انہوں نے مجھے استاد ذوالکفل سے متعارف کرایا جنہوں نے اسلام کے مختلف پہلوؤں پر کئی ہفتوں تک میرے ساتھ بحث کی۔ میں نے ان کی طرف سے عیسائیت پر کیے گئے وہ تمام سوال نوٹ کر لئے جن کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ ان سوالوں کے جواب کے لئے میں واپس چرچ اور سنگاپور بائبل کالج گیا۔ میں سخت مشکل صورت حال میں پھنس گیا کیونکہ چرچ اور بائبل کالج نے سوالوں کے جو جواب دیئے تھے وہ ذہن ماننے کو تیار نہ تھا۔ اگر میں ان کے جوابوں میں دی گئی وجوہات کو مان لیتا تو یہ رب کائنات کی ہستی کو بے آبرو کرنے والی بات تھی۔ مثلاً جب میں نے بائبل میں پائے جانے والے تضادات پر بات کی کوشش کی تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ یہ سب نہایت کم تر درجہ کے تضادات ہیں، بھول چوک اور کتابت کی غلطیاں ہیں۔ میں نے خود بھی دارالارقم کی طرف سے اٹھائے گئے سوالوں کے جواب کے لئے بہت تحقیق کی۔ میری تحقیق کا سب سے زیادہ تکلیف دہ حصہ ''چرچ کی تاریخ'' تھا۔ چرچ کی تاریخ ہی سے مجھے یہ پتہ چلا کہ عقیدہ تثلیث 325-CE میں متعارف کرایا گیا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے 325 سال بعد۔ اس سے قبل عیسائیوں میں مذہب کے کئی نظریات تھے جو ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

چونکہ عیسائیت کے بارے میں مجھے اسلامی ذرائع سے بہت معلومات مل چکی تھیں اس لئے چرچ کے جواب مجھے مطمئن نہ کر سکے۔ اسلامی ذرائع سے عیسائیت کے بارے میں مجھے

جو معلومات ملی تھیں انہیں میں نے مختلف انسائیکلو پیڈیاز اور ذرائع سے پرکھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلامی ذرائع سے ملنے والی معلومات بالکل صحیح حقائق ہیں۔ جب میں نے اس پیشین گوئی: ''سچائی کی روح آئے گی اور لوگوں کی سچائی کی طرف رہنمائی کرے گی'' پر غور کیا جو پہلے میں نے کبھی نہیں کیا تھا تو میں نے صاف محسوس کیا کہ یہ پیشین گوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیغام کے بارے میں ہے۔ یہ پیشین گوئی کسی طور پر بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر پورا نہیں اترتی کیونکہ قرن اول کے عیسائی یسوع کی شناخت تک کا فیصلہ نہ کر سکے بلکہ اب تک یسوع کی شناخت پر بحث ہو رہی ہے۔

اسلام کے مطالعہ کے دوران میں' میں نے عیسائی کتب سے بھی اسلام کو پڑھا اور عیسائیوں کو حاسد اور کینہ پرور پایا کہ انہوں نے اسلام کا حلیہ دانستہ بگاڑنے کی کوشش کی۔ جس قدر میں اسلام کا علم حاصل کر چکا تھا یہ عیسائیت کے جھوٹے دعوے جھٹلانے کے لئے کافی تھا۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ کے مقام وتصور کے بارے میں عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ مسلمانوں کا خدا بہت دور اور اپنی مخلوق سے لاتعلق ہے' وہ اپنی مخلوق کی بات نہیں سنتا۔ اب میں جان چکا تھا کہ یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ اسلام میں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے اس قدر قریب ہے جس قدر ایک انسان کی شہ رگ اس کے قریب ہوتی ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں۔ ہم اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں''۔ (سورۃ ق:16)

عیسائیوں کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ مسلمانوں کا اللہ پیار و محبت کی صفات سے محروم ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ عیسائیوں نے یہ دعویٰ کس بنیاد پر کیا ہے حالانکہ مسلمان تو ہر کام کے آغاز پر ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھتے ہیں اور یہ بات ان کے کاروبار حیات کا جزو لاینفک ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے 99 نام بھی اس کی رحیم وکریم' شفیق اور اپنی مخلوق سے نہایت پیار کرنے والی ہستی کی عکاسی کرتے ہیں۔ اسلام کے خلاف عیسائیوں کے تمام دعوے مسترد کرنے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ کار نہ رہ گیا کیونکہ میری اپنی ذات کی بھلائی اسی میں تھی۔

اس کے بعد میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بائبل اور تھامس کی انجیل میں مطالعہ کیا۔ اس پر مجھے کئی مزید جھٹکے لگے۔ بحر مردار کے واقعہ نے میرے عیسائی عقیدے پر آخری ضرب لگائی۔ میں نے بہت کوشش کی مگر اب مزید عیسائی رہنے کے لئے میرے پاس کوئی جواز نہ رہ گیا تھا۔ جن کی مجھے کوئی توقع نہ تھی میں نے عیسائیت کے وہ سارے جھوٹ دیکھ لئے تھے۔ میں نے ہر طریقے اور زاویے سے پرکھا کہ کہیں میں غلط تو نہیں سوچ رہا۔ اب میرے پاس پرکھنے کے لئے بھی کچھ نہیں بچا تھا۔ میں نے قرآن اور دیگر اسلامی کتب سے اسلام کا مطالعہ جاری رکھا۔ میں مسلم اساتذہ سے بھی ملتا رہا جو سچائی کی طرف میری رہنمائی کرتے رہے۔

ایک دن استاذ ذوالکفل نے مجھ سے پوچھا ''آپ کب مسلمان ہو رہے ہیں؟''۔ میں کوئی جواب نہ دے پایا۔ میں نے اس پر بار بار غور کیا اور میرے پاس اسلام قبول نہ کرنے کی کوئی ایک بھی وجہ نہ تھی۔ اس لئے میں نے ایک سچے دین ''اسلام'' کو قبول کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

شروع میں میری فیملی نے میرے قبولِ اسلام کو سنجیدگی سے نہ لیا۔ ان کا خیال تھا کہ میں نے محض شہرت کی خاطر اسلام قبول کیا ہے' خنزیر کا گوشت کھاتا رہوں گا اور غیر مسلموں کی طرز زندگی کو اپنائے رکھوں گا۔ بعد میں جب میری فیملی نے دیکھا کہ میں تو ایک عملی مسلمان بن چکا ہوں تو وہ درہم برہم ہوکر رہ گئے ۔ ماہ رمضان میں مجھے روزے رکھتے دیکھ کر وہ مزید برہم ہوئے۔ میں تقریباً گھر سے نکال دیا گیا۔ گھر میں صورت حال کئی ماہ تک کشیدہ رہی۔ میں نے گھر پر کھانا کھانا چھوڑ دیا۔ مجھ پر الزام لگا کہ مجھے اپنی فیملی سے کوئی دلچسپی اور انس نہیں رہی۔ میرے اور گھر والوں کے درمیان مسلسل جھگڑے تھے۔ میں نے ان کے سامنے اسلامی تعلیمات پیش کرنے کی کوشش کی مگر وہ کچھ نہ سمجھ پائے۔

میں گھر جاتے ہوئے ڈرنے لگا' رات گئے تک میں باہر رہتا۔ ایک دن میری ماں میرے پاس آئی اور کہا کہ اس قدر رات گئے تک باہر نہ رہا کریں۔ انہوں نے بتایا کہ میرا باپ بھی میرے رات گئے تک باہر رہنے سے پریشان ہے۔ میری ماں نے تجویز دی کہ میں اپنا سامان خورد ونوش خود خرید لایا کروں اور وہ الگ برتنوں میں پکا دیا کریں گی۔ اس طرح مجھے اور میری فیملی کو حلال کھانا ملنے لگا۔ میری ماں کے لئے ایسے کھانے تیار کرنا نہایت

آسان ہو گیا ہے جو اس کی فیملی اور اس کا مسلمان بیٹا کھا سکتا ہے۔ گھر کی صورت حال پہلے سے کہیں بہتر ہو چکی ہے مگر کبھی کبھار میری پریشانی کی کوئی بات ہو ہی جاتی ہے۔

(بشکریہ: مسلم ریڈر سنگاپور، ریڈیئنس شمارہ 2 تا 8 جنوری 2000ء)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عظیم ترین کیوں؟

ہفت روزہ میگزین ''ٹائمز'' نے 15 جولائی 1974ء کے شمارے میں ''تاریخ کے عظیم ترین رہنما کون تھے؟'' کے متعلق ایک مضمون شائع کیا تھا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت موسیٰ ؑ، حضرت عیسیٰ ؑ کے علاوہ ہٹلر، گاندھی، بدھا، لنکن اور کئی دوسرے نام سامنے آئے۔ امریکہ کے ایک یہودی سائیکالوجسٹ پروفیسر JULES MASSERMAN نے عظیم ترین کا انتخاب کرنے کے لئے ایک طریقہ مقرر کیا۔ اس نے کہا کہ کسی بھی عظیم رہنما میں یہ تین خصوصیات ضرور ہونی چاہئیں۔

1- انسانیت کی بھلائی کی رہنمائی۔ 2- ایک ایسے معاشرے کا قیام جس میں لوگ ہر طرح سے سکون، اطمینان اور اپنے آپ کو محفوظ خیال کر سکیں۔ 3- ان کے افکار کو ایک عقیدہ یا مذہب کا نام دیا جا سکے۔

ان خصوصیات کو سامنے رکھ کر تاریخ کے تمام بڑے انسانوں مع پیغمبروں کو پرکھا گیا۔ آخر میں وہ لکھتا ہے: ''لوگ پاسٹر (PASTER) اور سالک (SALK) کو پہلی سوچ میں بہت بڑا لیڈر کہتے ہیں۔ کچھ لوگ گاندھی اور کنفیوشس کو پسند کرتے ہیں اور کچھ سکندر اعظم کو، کچھ سیزر اور کچھ ہٹلر کو دوسرے عہد کے بڑے لیڈر شمار کرتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام اور بدھا کو تیسری طرز میں شمار کیا جاتا ہے مگر صرف اور صرف شاید اس دنیا میں تمام وقتوں کے عظیم ترین رہنما حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جن میں اوپر دی گئی تینوں کی تینوں صفات پائی جاتی ہیں اور پھر ان سے کافی کم درجہ پر ان خصوصیات کا حامل حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی دیکھا جا سکتا ہے''۔

جوزفین آئیوی جانیز کو

(JOSEPHINE IVY JANEEZKO)

جوزفین آئیوی جانیز کو (JOSEPHINE IVY JANEEZKO) اپنے قبولِ اسلام، اسلام پر اپنے یقین کامل اور ثابت قدمی کے باعث میرے لئے ایک قابل رشک شخصیت ہے۔ بطور نو مسلم اس نے کئی آزمائشوں اور چیلنجوں کا سامنا کیا ہے۔ جوزفین صرف دل ہی دل میں اسلام کو نہیں مانتی بلکہ اپنی چال ڈھال، رہن سہن، گفتگو اور لباس میں بھی اسلامی احکام پر عمل کرتی ہے۔ مکمل لباس کے ساتھ اپنے آپ کو ڈھانپے ہوئے وہ انبساط و مسرت سے درخشاں اور اپنے انتخاب پر مطمئن و پر سکون نظر آتی ہے۔ وہ کھلے بندوں اسلامی احکام پر عمل کرتی ہے۔ اس کا اصل مسئلہ اور پریشانی اس کی فیملی ہے۔

جوزفین سیلکیرک مینی ٹوبا (SELKIRK, MANITOBA) میں پیدا ہوئی۔ اس کا باپ پولش (پولینڈ کی قومیت رکھنے والا) جب کہ ماں یوکرینین ہے۔ اس کی دو بڑی بہنیں بھی ہیں۔ جوزی نے حال ہی میں اسلام قبول کیا ہے اور اکیلی رہتی ہے۔ میں پہلی بار جوزی سے یونیورسٹی آف مینی ٹوبا میں مسلم سٹوڈنٹس کے "کمرہ برائے نماز" میں ملی تھی۔ ظہرانہ کے وقفہ (LUNCH BREAK) کے دوران میں نماز میں اس کے انہماک کو دیکھ کر میں بہت متاثر ہوئی۔ وہ دوپہر کا کھانا نہیں کھا رہی تھی۔ بعد میں گفتگو کے دوران میں اس نے بتایا کہ قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین نے اسے اسلام قبول کرنے کی تحریک دی۔ وہ اسلام کو دیوانگی کی حد تک چاہتی ہے۔ اسلام سے متعلق اس کے

علم نے مجھے ششدر کر دیا۔ میں ایک پیدائشی مسلمان ہوں' اس کے باوجود اس کا اسلامی علم مجھ سے کہیں زیادہ تھا۔

اگر تین سال قبل اس سے کسی نے یہ پوچھا ہوتا کہ وہ اپنی زندگی میں کیا چاہتی ہے تو اس کے جواب میں قبولِ اسلام کا کوئی ذکر نہ ہوتا۔ اپنے قبولِ اسلام پر تو وہ خود حیران تھی کیونکہ وہ تو کئی سالوں سے صرف اپنی دلی خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔ وہ کہتی ہے: ''مجھے اپنی دلی خواہشات کی تکمیل کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت نہ تھی' اور یقیناً اپنی زندگی میں مجھے ''خدا'' کی بھی جستجو نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں کئی بار پڑھنے کیلئے لٹریچر لیا لیکن جونہی میں نے کسی کتاب اور میگزین میں لفظ ''خدا'' دیکھا تو اسے پرے پھینک دیا۔ مجھے خدا اور مذہب میں کوئی دلچسپی نہ تھی تاہم میں سچائی کو ضرور ڈھونڈ رہی تھی۔ جونہی سچائی ملی تو یہ مجھے اللہ کی طرف لے گئی''۔

یہ سچائی اسے کیسے ملی' اس بارے میں وہ اپنی یادوں میں جھانکتے ہوئے بتاتی ہے: ''میں اپنی سہیلیوں کے ہاں گئی ہوئی تھی جو ایک کمپیوٹر ٹیبل کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں نے کتابوں کی الماری سے ایک کتاب (قرآن) اٹھائی اور اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ میں نے کہیں کہیں سے اصل متن کے ساتھ اس سے متعلقہ حصہ کی تشریح بھی پڑھی۔ میں تو اس میں منہمک ہو کر رہ گئی۔ دو گھنٹے تیزی سے گزر گئے مگر میں تو اسے مزید پڑھنا چاہتی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ قرآن مجید دوسری کتابوں کی طرح نہیں ہے' اس کا مصنف تو قاری سے ذاتی سطح پر مخاطب ہے۔ میں قرآن مجید کی اپنے لئے ذاتی کاپی حاصل کرنے کی آرزو مند تھی اور بعد میں مجھے یہ کاپی اپنی سہیلی سے مل گئی۔ بعد میں مجھے احادیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی علم ہوا۔ جو کچھ میں پڑھ رہی تھی' وہ مجھے اپنی لپیٹ میں لیتا جا رہا تھا اور میں جان گئی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی سچ ہیں''۔

اسلام اصل میں کیا ہے' یہ جان لینے کے بعد وہ اپنی شاہراہ حیات کے دوراہے پر تھی۔ اس کے اندر کے احساسات یہ تھے کہ اگر وہ اسلام سے پرے ہٹی تو اپنے آپ سے دور ہو جائے گی مگر اس کے ذہن کا پریشان کن سوال یہ تھا: ''کیا میری فیملی میرے اس فیصلے اور

پسند کی توثیق کر دے گی''۔ بالآخر اس نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے قبولِ اسلام کا ایک ظریفانہ پہلو بھی تھا کہ وہ اس کے اعلان سے پہلے ہی اس کے احکام پر عمل کر رہی تھی۔ وہ بتاتی ہے: ''میں قرآن باقاعدگی سے پڑھ رہی تھی اور پانچ وقت نماز بھی ادا کر رہی تھی۔ میں نے ماہ رمضان میں چند روزے رکھنے کی بھی کوشش کی تھی۔ یہ میں اس لئے کر رہی تھی کہ قبولِ اسلام سے پہلے مذہبی رسومات کی مشق کو مکمل کر لوں''۔

شروع میں جوزفین کا خیال تھا کہ نمازیں اور روزے اس کے لئے متجاوز ہوں گے لیکن اسلامی احکام کی بجا آوری کے لئے جب اس نے نمازیں پڑھنا اور روزے رکھنا شروع کئے تو اسے ان کی کئی پوشیدہ برکات اور رحمتیں حاصل ہوئیں۔ اب اسے پختہ یقین ہے کہ یہ عبادات اسے ممکنہ بہترین شخصیت میں ڈالنے کے لئے ہیں۔ وہ بتاتی ہے: ''اپنے خیالات اور خواہشات کی تعمیل کے بجائے میں اپنے خالق کی اطاعت و بندگی کرتی ہوں جو مجھے سمجھتا' جانتا اور مجھ سے محبت کرتا ہے۔ مجھے اس پر مکمل بھروسہ اور اعتماد ہے کہ میرے لئے جو بھی بہترین ہے وہ مجھے اس سے نوازے گا۔ اب میں سمجھ گئی ہوں کہ اسلامی احکام مثلاً رمضان المبارک میں روزے رکھنا اور پانچ وقت نماز پڑھنا کسی بھی لحاظ سے متجاوز' بلا ضرورت یا غیر معقول نہیں ہیں کیونکہ یہ میرا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کئے گئے فرائض ہر لحاظ سے مکمل ہوتے ہیں' مسئلہ صرف ہمارے محدود علم کا ہے''۔

وہ مذہب کے بارے میں پُر تعظیم اور پُر احترام خوف میں مبتلا تھی اور اپنی اس ذہنی کیفیت کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ اس کے گھر والے بھی ایسا ہی محسوس کریں گے۔ اپریل 1996ء میں جب وہ ایبٹسفورڈ برٹش کولمبیا میں رہ رہی تھی تو اس کے گھر والے اس کے قبولِ اسلام سے آگاہ ہوئے۔ وہ بتاتی ہے: ''میں نے اپنی بڑی بہن ڈیانے (DIANNE) کو بتایا' جس نے بعد میں باقی گھر والوں کو مطلع کیا۔ میرے والدین سخت پریشان ہو گئے اور وہ میرے انتخاب کو نہ سمجھ سکے مگر میرے فیصلے کو انہوں نے سنجیدگی سے بھی نہ لیا۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے بلکہ یقین کئے بیٹھے تھے کہ اپنی زندگی کے جس مرحلے سے میں گزر رہی ہوں ''اسلام'' اس میں ایک منظر ہے' جب میں ونی پگ (WINNIPEG)

اپنے گھر لوٹوں گی تو سب کچھ معمول پر آ جائے گا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس دوران میں اگر ٹیلی فون پر مذہب موضوعِ گفتگو بنے تو ہم اس پر بات نہیں کریں گے تا کہ کسی بھی بحث سے بچا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں اپنی فیملی کے ساتھ اسلام کے بارے میں کوئی زیادہ گفتگو نہ کر سکی''۔

جولائی 1996ء میں اس نے اپنے والدین کو اطلاع دی کہ وہ لاس اینجلس میں ایک مذہبی کانفرنس میں شرکت کرے گی۔ اس اطلاع پر اس کے والدین بڑے متفکر ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ کسی غیر ملکی مسلمان سے شادی کر کے اس کے ملک چلی جائے گی جہاں اس پر ظلم ہو گا اور وہ اسے کبھی نہ دیکھ پائیں گے۔ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ اسے اغوا کر لیا جائے گا۔ ان کے رویے سے وہ بہت مایوس ہوئی' کیونکہ کانفرنس میں وہ شادی کے لئے نہیں جا رہی تھی بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کے بارے میں وہ مزید علم حاصل کر سکے۔

ستمبر 1996ء میں وہ ونی پگ واپس آئی اور یونیورسٹی آف مینی ٹوبا میں ہیومن ریسورسز ڈیپارٹمنٹ میں اسے ملازمت مل گئی۔ وہ کہتی ہے: ''میں نے محسوس کیا کہ ونی پگ میں اپنی فیملی کے پاس آ کر میں بہت خوش ہوں۔ میں نے وہاں مسلم کمیونٹی کے ساتھ وابستہ ہونا شروع کر دیا تا کہ اسلامی فرائض کی بجا آوری میں مجھے آسانی رہے۔ ایبٹسفورڈ میں بطور مسلمان زندگی گزارنا میرے لئے بہت مشکل تھا کیونکہ وہاں مسلم کمیونٹی بہت مختصر تھی' جن مسلمانوں سے میں مانوس اور شناسا تھی یا جن سے مجھے کسی قسم کی مدد مل سکتی تھی وہ وین کوور (VANCOUVER) میں رہتے تھے۔ ایبٹسفورڈ میں سوائے اس ایک فیملی کے جس سے میں نے قرآن مجید حاصل کیا تھا کوئی نہیں جانتا تھا کہ میں مسلمان ہوں''۔

اگرچہ وہ اپنے انتخاب اور فیصلوں پر مطمئن اور پُراعتماد تھی تاہم بطور نو مسلم اپنی فیملی کے ساتھ پہلے کرسمس کو کبھی نہ بھلا پائے گی۔ وہ اپنی ان تلخ یادوں کے حوالے سے بتاتی ہے: ''شام کے کھانے پر میز کی دوسری طرف بیٹھے ہوئے میرے باپ نے مجھ پر نظر ڈالی' مگر زبان سے ایک لفظ نہ کہا' وہ مجھے اس طرح دیکھ رہے تھے جس طرح باپ اپنے بچوں کو ان کی غلطی' بداخلاقی یا برائی کا احساس دلانے کیلئے دیکھتے ہیں۔ اس نے مجھے اندر سے ہلا کر

رکھ دیا اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے پھوٹ پڑے' میرے اندر ابھرنے والے جذبات کا خاموشی سے گلا گھونٹ دیا گیا۔ میرا باپ یہ نہ سمجھ سکا کہ میں اس سے دھوکہ کیوں کروں گی۔ قرآن مجید میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان کو اپنے والدین کے ساتھ محبت اور شفقت کے ساتھ پیش آنا چاہئے کیونکہ والدین اپنے بچوں کی پرورش کے لئے بہت تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔ یہ جان کر کہ میں نے اپنے باپ کا دل دکھایا ہے' میرے لئے ناقابل برداشت احساس بن گیا''۔

آٹھ مہینے تیزی سے گزر گئے۔ اس نے محسوس کیا کہ سوائے چند نشیب و فراز کے اس کے اپنی فیملی کے ساتھ تعلقات بتدریج بہتر ہو رہے ہیں۔ اب گھر میں قیام کے دوران میں بغیر کسی مشکل کے وہ آسانی سے نمازیں پڑھ سکتی تھی۔ وہ بتاتی ہے: ''تاہم میری بہن اور میرے درمیان ناگفتہ رسا کشی کا ماحول تھا۔ میری سالگرہ پر اس کی سہیلی اور سہیلی کی کزن مجھے باہر لنچ پر لے گئیں۔ بعد میں اسی شام سہیلی کی کزن نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا اور عیسائیت پر بحث شروع کر دی۔ یہ صورتحال میرے لئے نہایت تکلیف دہ تھی۔ میں نے اسے ایک دھوکہ وفریب محسوس کیا کیونکہ سارا دن وہ مجھے احساس دلاتی رہیں کہ یہ دن خاص طور پر صرف میرے لئے ہے۔ اب بات واضح ہو گئی تھی کہ مجھ پر ان کی خصوصی عنایات کا پس پردہ مقصد مجھے اپنے عقیدے سے ورغلانا تھا۔ مجھے احساس ہے اور میں جانتی ہوں کہ میری بہن مجھ سے بہت محبت کرتی ہے' میرے لئے وہ وہی کچھ کر رہی تھی جسے اپنی عقل کے مطابق میرے لئے بہتر سمجھتی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ میری بہن نے مجھے کہا تھا: ''میں تمہارے لئے بہت پریشان ہوں کہ تم یسوع (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو تسلیم نہ کر کے دوزخ میں چلی جاؤ گی'' لیکن وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلامؑ اسلام میں اتنے ہی اہم ہیں جتنے پرانے اور نئے عہد نامے میں مذکور دیگر پیغمبر''۔

گزشتہ سال (1997ء) اسے کرسمس کی چھٹیاں اپنی فیملی کے ساتھ گزارنے کا موقع ملا۔ 25 دسمبر 1997ء سے تھوڑا عرصہ قبل اپنے دل میں پردہ کے لئے پیدا ہونے والی لگن کی وہ زیادہ دیر مزاحمت نہ کر سکی اور حجاب کرنے لگی۔ کرسمس کے دن اس کے باپ نے اس

پر ایک نظر ڈالی اور کہا: ''تم میری بیٹی نہیں ہو''۔ اس کی ماں نے کہا: ''میں بھی اب تمہیں جان گئی ہوں''۔ اس کی بہن نے تو اس کا نوٹس تک نہ لیا کہ اس نے حجاب پہنا ہوا ہے۔ بھائی نے کہا: ''ہینو کا مبارک ہو اور یہ میز پوش اپنے سر سے اتار دو''۔ (ہینو کا'چنو کا ''HANUKKAH`CHANUKAH'' یہودیوں کا روشنیوں کا ایک تہوار ہے جو آٹھ دن رہتا ہے۔ یہ یروشلم کی عبادت گاہ کی شامیوں کے بادشاہ انیتوکس کے ہاتھوں بے حرمتی کے بعد تجدید عہد کے سلسلے میں منایا جاتا ہے۔) ایسے لگا جیسے اس نے ان کا کرسمس ایک بار پھر خراب کر دیا ہے۔ اس نے بڑی ہمت' جرأت اور صبر کے ساتھ ان کی طنزیں اور تبصرے برداشت کئے کیونکہ اس نے حجاب صرف اللہ کی رضا کے لئے پہنا تھا کسی اور کی خاطر نہیں۔ جب اس کی فیملی پر واضح ہو گیا کہ اب اسلام ہی اس کی زندگی کا راستہ ہو گا تو پھر انہوں نے اس کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا۔ اس وقت اس کے گھر والے اس کے ساتھ بول چال رکھتے ہیں اور اس کی عبادات کے معاملہ میں رواداری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہ اب اسلام کے بارے میں بھی تھوڑا بہت جان گئے ہیں اور اسے خطرہ محسوس نہیں کرتے۔

اسلام قبول کرنے کا اس کا فیصلہ ساری زندگی کے لئے ہے اور وہ پوری زندگی اسلامی احکام کے مطابق گزارنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ کھلے عام عبادت کرنے (نماز پڑھنے اور روزہ وغیرہ رکھنے) کے لئے اسے دو سال کا عرصہ لگا۔ وہ اس وقت کے لئے اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہے۔ وہ اپریل میں (اپریل 1998) حج کے لئے جانے کے انتظامات کر رہی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری بے شمار مشکلات دور کی ہیں اور راستے کھولے ہیں' میں اللہ کے ان احسانات کا شکر ادا کرنے کا حق ادا نہیں کر سکتی۔

اس کا کہنا ہے: ''اسلام نے مجھے زندگی کے عظیم مقصد سے روشناس کرایا ہے جو بلا شرکت غیرے اللہ کی بندگی ہے۔ قبولِ اسلام سے مجھے ذہنی سکون ملا ہے اور اس کے لئے میں اللہ کی شکر گزار ہوں۔ مجھے مادی اشیاء کی کوئی شدید خواہش نہیں ہے اور میں اپنے معاملات زندگی کو اللہ کی مرضی کے مطابق چلانے کی کوشش کرتی ہوں۔ وہ سوالات جو میری روح کو پریشان کرتے تھے اب ختم ہو چکے ہیں۔ یہ پوچھنے کے بجائے کہ فلاں مشکل مجھ پر

کیوں آئی یا فلاں واقعہ میرے ساتھ کیوں پیش آیا' یا ایسے یا ویسے کیوں نہیں ہو سکتا' میں کہتی ہوں ''الحمد للہ'' یعنی سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ بطور ایک با عمل مسلمان کے میں سمجھتی ہوں کہ زمین اور اس کی ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے بے حساب کثرت سے دیتا ہے اور جسے نہیں چاہتا روک لیتا ہے۔ میرا احساس یہ ہے کہ زیادہ مادی دولت اور اشیاء انسان کو کھائی میں گرا دیتی ہیں اور سچے راستے سے ہٹا کر گمراہ کر دیتی ہیں یعنی اللہ کی عبادت سے دور لے جاتی ہیں۔ اسلام ہمیں یاد کراتا ہے کہ انسان بے چارگی میں پیدا ہوتا ہے اور انجام بھی ایسا ہی ہوتا ہے تو پھر ایک انسان کو اپنی زندگی بھی ایسے ہی عاجزی وانکساری سے گزارنی چاہئے' اور یہ صرف اسلامی احکام کی پیروی سے ممکن ہے۔ اسلام نے مجھے مختلف تہذیبوں' ثقافتوں اور خوشبوؤں پر مشتمل دنیا میں آنے کی دعوت دی۔ اسلام نے مجھے بتایا کہ بلا امتیاز رنگ' نسل' لسان اور معاشرتی پس منظر کے سب انسان برابر ہیں''۔

اسلام کے بارے میں جہاں تک دوسرے لوگوں کے خیالات کا تعلق ہے وہ سمجھتی ہے کہ اسلام کو ایک بنیاد پرست مذہب کے طور پر دیکھا جاتا ہے' عموماً مسلمانوں کو دہشت گرد اور عورتوں پر ظلم کرنے والے سمجھا جاتا ہے۔ یہ باتیں اسے پریشان نہیں کرتیں کیونکہ وہ انہیں اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں سمجھتی ہے۔ وہ بتاتی ہے: ''میں جانتی ہوں کہ میرا یعنی مغربی کلچر اسلام کے بارے میں جو عقیدہ رکھتا ہے وہ درست نہیں ہے۔ میڈیا پر مسلمانوں کے خلاف جب بے رحم اور جھوٹا پراپیگنڈہ سنتی ہوں کہ مسلمان دنیا میں دہشت گردی پھیلا رہے ہیں تو میں دفاع کرتی ہوں۔ اسلام درحقیقت کیا ہے' دنیا اس سے لاعلم ہے اور اس کا غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے میڈیا کے ذریعے دنیا کو اسلام سے ڈرایا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو ''امن'' کے ساتھ رہنے کی تعلیم دی گئی ہے اور عربی لفظ ''اسلام'' کے تو معنی ہی سلامتی کے ہیں۔ اگرچہ مجھے کسی حد تک اس سے پریشانی ہوتی ہے کہ بے شمار لوگ اسلام کے بارے میں کئی غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔ میں محسوس کرتی ہوں کہ ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے سخت جدوجہد (جہاد) کی ضرورت ہے اور میں اس میں دل و جان سے حصہ لینا چاہتی ہوں۔ اگر ہم نے لوگوں کو تعلیم نہ دی تو یہ غلط فہمیاں کبھی دور نہ ہوں گی' اس

لئے میں لوگوں کی مدد کرنا چاہتی ہوں تا کہ وہ جان سکیں کہ اسلام درحقیقت کیا ہے"۔

اسلام میں عورتوں پر جبر واستبداد کے حوالے سے وہ کہتی ہیں: "اسلام عورتوں پر ظلم و جبر کی اجازت نہیں دیتا بلکہ عورتوں کو آزادی دیتا ہے۔ کسی بھی دوسرے مذہب کے مقابلے میں اسلام میں عورتوں کو زیادہ حقوق حاصل ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیگم ام المومنین حضرت خدیجہؓ ایک تاجر خاتون تھیں اور ان کی بیٹی ایک نرس اور سکالر تھیں۔ اسلام میں ایک عورت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ چاہے وہ کسی دفتر یا کارخانے میں کام کرے یا گھر پر رہ کر بچوں کی پرورش کرے۔ اگر وہ کام کا انتخاب کرتی ہے تو اپنی تمام آمدنی اپنے پاس رکھ سکتی ہے اور گھر کے تمام اخراجات اس کے شوہر کے ذمہ ہوں گے۔ مزید یہ کہ گھریلو ذمہ داریوں میں بھی میاں بیوی ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ وہ گھر میں برابر کا مقام و مرتبہ رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کے غلام نہیں ہیں۔ طلاق کے معاملہ سے متعلق بھی عورتوں کو بعض حقوق حاصل ہیں۔ اگر شادی میں ہم آہنگی نہ رہے تو عورت کو طلاق کا حق حاصل ہے۔ اگر خاوند طلاق دے تو اسے کہا گیا ہے کہ وہ ہمدردی و رحمدلی کا خیال رکھے' اسے عورت کی مالی مدد بھی کرنی پڑتی ہے۔ مزید یہ کہ اسلام میں عورت کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ شادی کے بعد چاہے تو اپنا خاندانی نام جاری رکھے اور چاہے تو اپنے خاوند کا نام اختیار کرے"۔

جوزفین کہتی ہے: "مجھے اس وقت شدید دلی دکھ ہوتا ہے جب ایک عورت جس نے تعلیم کے لئے اسلام میں تحقیق کی ہوتی ہے اور مجھے بتاتی ہے کہ اسلام ایک قبائلی مذہب ہے جس میں مرد عورتوں پر مسلط ہوتا ہے۔ یہ بات اسلامی تعلیمات کے متضاد ہے۔ جب میری اس عورت سے بحث ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت نے اپنی تحقیق میں قرآن اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو شامل ہی نہ کیا تھا جن میں اسلام کی بنیادی تعلیمات ہیں۔ اس کی ساری تحقیق لوگوں کے ذاتی خیالات پر مبنی ہوتی ہے۔ میں ایسی عورت سے پوچھتی ہوں کہ کیا اسے اس موضوع پر صحیح معلومات چاہئیں۔ اگر وہ کہے تو میں اسے "اسلام میں عورت کا مقام" واضح کرنیوالا پمفلٹ دیتی ہوں"۔ (انگریزی میں تحریر: خالدہ تنویر) (بشکریہ: دعوۃ ہائی لائٹس' شمارہ اگست 2000ء)

اسلام میں ہر بات کی عقلی وضاحت موجود ہے

لیلیٰ رفین (LEILA RAFEIN)

میری عمر 25 سال ہے اور میں ایک فرانسیسی لڑکی ہوں۔ میں نے دو سال قبل اسلام قبول کیا ہے۔ اسلام میں میری دلچسپی کا باعث کیا اور کون بنا؟ بدقسمتی سے ان میں سے کوئی بھی مسلمان اسلام میں میری دلچسپی کا باعث نہ بن سکا جن سے میں اسلام سے متعارف ہونے سے پہلے ملی تھی بلکہ اسلام کی طرف میرے سفر کی وجہ وہ لوگ بنے جنھوں نے اسلام کا ایک بُرا چہرہ پیش کیا' میری مراد ''میڈیا'' سے ہے۔ایک مسلمان دوست جو زیادہ مذہبی نہ تھا سے ''اللہ تعالیٰ کے وجود'' پر میری بحث ہوئی اور اس کے بعد میں نے اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں ایک غیر مسلم ملک سے آئی تھی اور مجھے زیادہ مسلمانوں سے ملنے کا اتفاق کبھی نہ ہوا تھا' میرے ذہن میں جو بھی اسلام کا تصور تھا وہ میڈیا یعنی ٹی وی' ریڈیو اور اخبارات و رسائل کا دیا ہوا تھا۔

جب میں نے اسلام پر تحقیق شروع کی تو سب سے پہلے میں نے اسلام میں ''عورت کے مقام و مرتبہ'' کو دیکھا کیونکہ اسلام کا یہی وہ نقطہ اور پہلو تھا جس پر میڈیا میں سب سے زیادہ تنقید ہو رہی تھی اور بطور عورت بھی مجھے اسی پہلو سے زیادہ دلچسپی تھی۔صرف اسلام میں عورت کے مقام و مرتبہ پر تحقیق کرنے کے بجائے میں نے تینوں الٰہی مذاہب یعنی اسلام' عیسائیت اور یہودیت میں عورت کے مقام و مرتبہ پر تحقیق کی۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہ

تھی کہ مذاہب کے پیروکاروں کا عمل اور کردار کیا ہے بلکہ میں تینوں مذاہب کے اصل اور بنیادی ذرائع (Origional Sources) سے اپنے سوال کا جواب چاہتی تھی۔ میں نے چند دلچسپ معلوماتی مضامین پڑھے جن میں تینوں مذاہب کا موازنہ کیا گیا تھا۔ ان میں سے ایک مضمون میں مجھے اپنے مذہب عیسائیت (اس وقت کے مذہب) کے بارے میں بہت زیادہ معلومات حاصل ہوئیں۔ اپنے مطالعہ و تحقیق کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی کہ اسلام، عیسائیت اور یہودیت کی نسبت عورت کو زیادہ حقوق اور آزادیاں دیتا ہے۔ اسلام نے تو عورت کو وہ بھی حقوق دیئے ہیں جو فرانس کی عورت صرف گزشتہ پچاس سال میں حاصل کر پائی ہے۔ میں فرانسیسی عورت کے بارے میں اس لئے بات کر رہی ہوں کیونکہ میں خود بھی ایک فرانسیسی عورت ہوں لیکن میری بات کا اطلاق بیشتر یورپی ممالک پر بھی ہوتا ہے۔ بیشتر یورپیوں کے لئے میری تحقیق کا حاصل حیران کن اور ان کے تصور اسلام کے بالکل الٹ ہے۔ لیکن مجھے اب مزید کسی کی کوئی پروانہیں تھی کہ وہ اسلام کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔

اسلام مجھے تیزی کے ساتھ اپنی طرف کھینچتا چلا جا رہا تھا اور میں قطعاً مزاحمت نہ کر سکتی تھی۔ میں نے مطالعہ و تحقیق کو جاری رکھا کیونکہ اسلام کے بارے میں چند نکات ایسے تھے جنہیں میں سمجھ نہ پائی تھی۔ مجھے ان نکات کی وضاحت اسلام کے مجموعی مطالعہ سے ملی۔ اسلام کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ اس کے سارے پہلوؤں کا مطالعہ کریں، صرف چند حصوں کے مطالعہ سے آپ اسے نہیں جان سکتے کیونکہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔ مجھے اسلام کی ہر بات منطقی اور معقول لگی۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کوئی غیر منطقی اور نا معقول بات ملے مگر نہ ملی۔ اسلام میں ہر بات کی ایک عقلی وضاحت موجود ہے۔ اسلام عیسائیت کی طرح نہیں ہے جہاں سوالات کئے بغیر ہر بات کو تسلیم کرنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ اسلام کو سمجھنے کے لئے میں نے کبھی مسلمانوں، ان کے افعال اور رویوں کو نہیں دیکھا بلکہ ہمیشہ اسلام کے سر چشمہ کو دیکھا ہے اور بغیر کسی فرد کی مداخلت اور اثرات کے اس کا اکیلے مطالعہ کیا ہے۔ میں نے اپنی اس تحقیق و مطالعہ کے لئے نہایت مختصر وقت لیا، صرف تین ہفتے۔ ان تین ہفتوں میں ہی اسلام میرے لئے ایک ''مقناطیس'' بن چکا تھا اور میرے ذہن پر ''وہم'' کی طرح چھا گیا تھا۔ میں نے محسوس کر لیا کہ اب میرے لئے اسلام قبول

کرنے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ تھا۔

بالآخر جب میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا تو میں نے ان تمام مشکلات کے بارے میں سوچا جو فرانسیسی معاشرے میں مجھے پیش آ سکتی تھیں۔ مجھے ان مشکلات کی بھی کوئی پروا نہ تھی کیونکہ میرے نزدیک سب سے اہم اسلام تھا۔ جب میں نے اسلام قبول کیا تو میں اپنی تعلیم کے سلسلے میں کینیڈا میں تھی۔ کینیڈا میں مجھے کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑا کیونکہ وہاں کے لوگ ان معاملات پر توجہ نہیں دیتے۔ مشکلات تو فرانس میں پیدا ہوئی تھیں جہاں کے مکمل غیر مسلم ماحول میں مجھے اپنی ایک ایسی فیملی کا سامنا کرنا تھا جس میں مسلمانوں کے لئے برائے نام بھی تحمل و رواداری نہ تھی اور جہاں اسلام کی ہر بات کا تعلق عربوں سے جوڑا جاتا ہے۔

اگرچہ میں پیرس میں رہتی تھی مگر میرے کوئی زیادہ مسلمان دوست نہ تھے۔ فرانس واپسی پر بغیر سر ڈھانپے ہی مجھے بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ وہاں کے لوگ ایک لمحے کے لئے بھی یہ تصور نہیں کر سکتے کہ میں مسلمان ہوں۔ فرانس میں جب کوئی مرد کسی عورت سے ملتا ہے تو وہ جانتا ہے کہ اس نے عورت سے ہاتھ نہیں ملانا بلکہ اس کے رخساروں پر بوسہ دینا ہے۔ اس لئے جب میں کسی مرد کو ہیلو کہتی اور بوسہ لینے دینے سے انکار کر دیتی تو وہ اپنی تذلیل محسوس کرتا اور میں اسے بالکل عجیب و غریب اور اجنبی لگتی۔ تاہم مجھے اپنے گھر والوں کے ساتھ کوئی زیادہ مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑا کیونکہ میں پہلے ہی خود مختار تھی۔ وہ جانتے تھے کہ وہ مجھ پر زیادہ اثر انداز نہیں ہو سکتے اور نہ مجھ پر کوئی دباؤ ڈال سکتے ہیں۔ ان کے پاس مسئلہ کا ایک ہی حل تھا کہ وہ میرے انتخاب سے اتفاق نہ کرتے ہوئے بھی اس کا احترام کریں۔ الحمد للہ، میں خوش قسمت ہوں کہ مجھے زیادہ مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ میں کئی نومسلم فرانسیسی عورتوں سے ملی ہوں جنہیں اپنے گھر والوں کی طرف سے بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

اسلام میری زندگی میں کیا تبدیلیاں لایا؟ جواب بہت سادہ ہے کہ خورد و نوش سے لے کر کپڑوں اور دوسروں سے تعلقات تک ہر چیز میں تبدیلی آئی۔ میں روزانہ پانچ وقت

نماز ادا کرتی ہوں' ماہ رمضان میں روزے رکھتی ہوں اور زکوٰۃ ادا کرتی ہوں۔ ڈھیلے ڈھالے اور لمبے کپڑے پہنتی ہوں اور اپنے سر کو بھی ڈھانپ رہی ہوں۔ گزشتہ سال میں نے فرانس چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور اب میں مراکش میں ہوں جہاں میں کام کرتی ہوں۔ میری ابھی شادی نہیں ہوئی لیکن شادی کا پروگرام رکھتی ہوں' ان شاء اللہ جلد۔

(بشکریہ: ریڈئینس بھارت' شمارہ مارچ اپریل 1999)

لیلیٰ رفین کے بارے میں مزید معلومات بھی سامنے آئی ہیں۔ وہ اس وقت فرانسیسی زبان میں شائع ہونے والے ایک اسلامی میگزین ''اسلم تسلم'' (اسلام لاؤ محفوظ رہو گے) کی ادارتی رکن ہیں۔ ''اسلام سے تعارف کیسے ہوا؟'' اس سوال کا جواب دیتے ہوئے وہ اخبار العالم الاسلامی کے نمائندے کو بتاتی ہیں:

''مسلمانوں کے ذریعے اسلام سے میرا پہلا تعارف اس وقت ہوا جب میں کینیڈا میں تعلیم کی غرض سے گئی تھی۔ وہاں بعض عرب مسلمان بھائیوں سے تعارف ہوا مگر ان میں کوئی دینی لگاؤ نہیں پایا جاتا تھا۔ البتہ تیونس کے ایک طالب علم کا عقیدہ کسی حد تک مضبوط تھا' اس نے مجھے متاثر بھی کیا۔ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اسلام میں عورتوں کے حقوق کے بارے میں بھی اس سے میری اکثر گفتگو ہوئی۔ میں نے انٹرنیٹ کے ذریعے بھی عورتوں کے حقوق کے متعلق کتابوں کی تلاش شروع کر دی اور اس طرح مجھے بڑی تعداد میں کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملا۔ انٹرنیٹ پر بعض ایسی کتابیں بھی دستیاب ہوئیں جنہوں نے عیسائیت' یہودیت اور اسلام کے حوالے سے تمام معلومات یکجا کر دی تھیں۔ جب میں نے مطالعہ کے بعد انکا موازنہ کیا تو مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اسلام کس قدر اور کتنے ہی اچھے حقوق عورتوں کے لئے متعین کرتا ہے جو کہ دوسرے ادیان میں نہیں پائے جاتے۔ لیکن وراثت وغیرہ جیسے بعض مسائل سمجھ میں نہ آئے تو میں نے اس موضوع پر بھی تحقیق شروع کر دی۔ اس دوران میں مجھے عیسائیت کے بہت سے احکام سے بھی تعارف ہوا جنہیں میں نہیں جانتی تھی۔ اسلام کے متعلق میری پریشانی اس قدر بڑھ گئی کہ میرے لئے رات کا آرام اور دن کا چین مشکل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اسلامی تعلیمات کے مطالعہ میں اضافہ کر دیا۔ جس قدر

معلومات میں اضافہ ہوتا گیا' اسلام کے متعلق میرے شکوک وشبہات دور ہوتے چلے گئے۔ تیونس کے مسلمان بھائی نے میرے ساتھ بڑا تعاون کیا اور ساتھ ہی مجھے ایک دوسرے مسلمان فلسطینی بھائی کے پاس بھیجا جو کہ اسلام کے متعلق کثیر معلومات رکھتا تھا اور وہاں ایک مسجد میں امام و خطیب تھا۔ اس سے سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا جس سے میری تسلی ہوتی چلی گئی۔ جس کے بعد میں نے مسلمان ہونے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ ایک دن میں بعض شبہات کو دور کرنے کی غرض سے مسجد گئی تو مسلمان ہو کر گھر واپس لوٹی۔ ایک ہفتے کے اندر میں نے نماز کا طریقہ اور نماز سیکھی اور اس کے بعد خطیب صاحب کے اہل خانہ سے بھی میرا تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ اور یوں اسلامی احکامات کو جاننے کا مجھے وافر موقع میسر آیا۔ اگرچہ اس سے قبل اسلام کے متعلق اکثر معلومات کا تعلق کتابوں کے مطالعہ کا نتیجہ تھا لیکن جب مجھے فلسطینی مسلمان بھائی اور اس کی بیوی کے ذریعہ ان کے طرزِ زندگی سے اسلامی اقدار کے عملی مشاہدہ کا موقع ملا تو اسلام کے متعلق مجھے شرح صدر ہوئی''۔

جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد آپ کے خاندان والوں کا آپ کے ساتھ رویہ کیسا رہا؟ تو انہوں نے بتایا کہ شروع میں نے مسلمان ہونے کا اعلان ان کے سامنے نہیں کیا تھا' میں اکیلے گھر میں چھپ کر نماز ادا کرتی تھی۔ جب میں نے والد کو اس بات سے آگاہ کیا تو انہوں نے اس کی کوئی پروا نہ کی۔ انہوں نے سمجھا کہ نوجوانی کے عالم میں ایسی تبدیلیاں آتی ہیں جو جلد ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ والدہ تو میری ویسے ہی ان پڑھ تھی اسے اس بارے میں کوئی معلومات ہی نہ تھیں' البتہ میری دادی جنہوں نے میری تربیت کی تھی وہ مجھے اس بارے سمجھانے لگیں لیکن بعد میں انہوں نے بھی میری رائے کو ترجیح دی اور مداخلت چھوڑ دی۔

اسلام قبول کرنے کے بعد پیش آنے والی مشکلات کے بارے میں انہوں نے بتایا:

''مجھے مشکلات و مسائل کا اس وقت سامنا کرنا پڑا جب میں نے اسلامی پردہ کرنا شروع کیا۔ میں یونیورسٹی سے فارغ ہوئی' انجینئر بن گئی اور پردہ شروع کردیا۔ اس وقت میرا باپ میرے ساتھ ناراض ہو گیا۔ اس نے میرے ساتھ ہر طرح کا تعلق توڑ لیا حتیٰ کہ ٹیلی

فون پر بھی بات نہ کرتا۔ اس کے خیال کے مطابق میں دہشت گرد بن گئی تھی۔ میرا باپ اتنا زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہے۔ آخر کار پردہ کی وجہ سے مجھے فرانس کو چھوڑنا پڑا کیونکہ وہاں غیر مسلم معاشرے میں رہ کر کسی اہم منصب پر پردہ کی حالت میں ملازمت کرنا مشکل کام تھا' کئی مسلمان عورتوں نے تو ملازمت کے لئے پردہ ترک کر رکھا تھا لیکن میرا ایمان اور دینی جذبہ اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتا تھا''۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمانوں کو آپ نے کیسا پایا تو انہوں نے بتایا: ''اسلام کی تعلیمات اور مسلمانوں کے کردار کے مابین تفاوت مجھے بہت محسوس ہوا ہے۔ میں نے چونکہ عام مسلمانوں کو ملنے سے پہلے اسلام کا مطالعہ کیا تھا اس لئے میں مسلمانوں کے بارے میں کچھ نہ جانتی تھی' اگر میں پہلے مسلمانوں کا مطالعہ کرتی تو ہوسکتا تھا کہ میں مسلمان ہی نہ ہوتی' کیونکہ مسلمانوں کے قول وفعل میں بڑا تضاد پایا جاتا ہے۔ مغربی ذرائع ابلاغ فی زمانہ اس مسئلے کو بڑی حد تک پھیلا رہے ہیں۔ وہ منفی اموز پر بھرپور توجہ دیتے ہیں لیکن اسلام کے محاسن وخوبیوں پر دھیان نہیں دیتے۔

جب ان سے ان کی دادی کے متعلق پوچھا گیا جو کہ ان کے مسلمان ہونے کی مخالفت پر اتر آئی تھیں تو انہوں نے بتایا کہ وہ الحمد للہ مسلمان ہو چکی ہیں اور فریضہ حج بھی ادا کر چکی ہیں: ''میری دادی کے میرے اوپر بڑے احسانات تھے۔ حج کے موقع پر میں نے ان کے لئے دعا مانگی تھی اور اللہ نے قبول فرمائی۔ وہ ایک اچھی اور نیک عورت ہے' نماز روزہ کی پابند ہے' ان کے اسلام قبول کرنے کی وجہ مغربی مسلمانوں کا کردار بنی۔ وہ انہیں دیکھ کر بہت متاثر ہوئی''۔

آخر میں انہوں نے کہا: ''آخر میں میری یہی خواہش ہے کہ مسلمان اپنے کردار' افعال' اطوار' عادات اور اعمال کو اسلامی احکام کے مطابق بنائیں اور قول وفعل میں تضاد کو دور کریں۔ کیونکہ یورپین لوگ اس لئے اسلام سے نفرت کرتے ہیں کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو ایک جیسا نہیں پاتے''۔ (بشکریہ : المنبر فیصل آباد)

❁❁❁❁❁❁

میں نے اسلام کا انتخاب کیوں اور کیسے کیا؟

فرانس میں مقیم چینی لڑکی کی روداد

میری زندگی میں میرے لئے جو سب سے اہم اور سودمند واقعہ ہو سکتا تھا وہ میرا اسلام قبول کرنا ہے۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے صراط مستقیم دکھایا۔ میں 25 سال کی ایک چینی لڑکی ہوں۔ کمبوڈیا میں پیدا ہوئی اور چار سال کی عمر میں اپنی فیملی کے ہمراہ فرانس چلی آئی۔ میری فیملی ایک روایت پرست چینی فیملی ہے۔ مذہباً میرے والدین بدھ مت کے پیروکار ہیں' ان کا یہ مذہبی تعلق بھی روایتی ہے۔ وہ اس لئے بدھ ہیں کہ میرے دادا دادی/ نانا نانی (یعنی ان کے والدین) کا تعلق بدھ مت سے تھا۔ چونکہ میرے والدین کٹر قسم کے مذہبی نہیں ہیں اس لئے انہوں نے مجھے مذہب کی کوئی تعلیم نہ دی۔ علاوہ ازیں وہ بدھ مت کی باقاعدگی سے عبادت وغیرہ بھی نہیں کرتے۔ جب کبھی میں نے ان سے مذہبی رسموں کے بارے میں پوچھا کہ وہ یہ رسمیں کیوں کرتے ہیں تو وہ کوئی وضاحت بھی نہ کر سکے۔ میں اگرچہ بدھ مت کی پیروکار تو نہ تھی مگر میری شخصیت اور رویے پر بدھ ازم کے فلسفے اور اخلاقی اقدار کے اثرات نمایاں تھے۔ اس گھریلو ماحول میں فرانس کے یہود و نصاریٰ کے معاشرتی ماحول کا بھی اضافہ کر لیں۔ فرانس فکری آزادی اور انسانی حقوق کا علمبردار ایک کثیر الثقافتی ملک ہے۔ مذہباً کیتھولک اکثریت کا حامل خطہ ہے۔ آبادی کے لحاظ سے اسلام یہاں کا دوسرا بڑا مذہب ہے۔ فرانس میں آباد شمالی افریقی ممالک کے افراد بھی اہم تعداد

رکھتے ہیں اور اس کی وجہ فرانس کا نوآبادیاتی ماضی ہے۔ زیادہ تر مسلمان عرب، مراکشی اور سیاہ افریقی ہیں۔ صدی کے آخری عشرے میں فرانس میں کئی دہشت گردوں کے بم حملوں کے خوفناک خونیں مناظر بھی دیکھے گئے جن کا الزام اسلامی گروپوں پر لگایا گیا۔ فرانس میں عربوں کو عزت واحترام کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ بڑی تعداد میں فرانسیسی اسلام سے خوف زدہ ہیں اور ان کے ذہنوں میں اسلام کا نہایت منفی (برا) تصور ہے۔

میں مغرب کی نئی نسل کے ساتھ پروان چڑھی ہوں جو مذہب کے متعلق ہر چیز کے ساتھ بے اعتنائی برتتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ نسل آزادی کی متمنی ہے اور ہر قسم کی اچھی یا بری قدیم روایات سے تعلق ختم کرنا چاہتی ہے۔ دنیا کے مادہ پرستانہ اور الحادی تصورات نے بھی اس نسل کو کنفیوژ کیا ہے۔ میرے زیادہ تر دوست یورپی ہیں۔ میرے ہم جماعت کمبوڈیا سے لے کر الجزائر تک دنیا کے مختلف خطوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسلام میں میری دلچسپی سے پہلے نہایت مذہبی کوئی فرد میرا دوست نہ تھا اور میرے دوستوں میں سے کسی نے بھی کبھی اپنا مذہبی نقطہ نظر نہیں بتایا تھا۔ مذہب پر یقین یہاں نہیں پایا جاتا۔ المختصر یہود و نصاریٰ کا پس منظر رکھنے والے فرانس کے سیکولر معاشرے میں جہاں مختلف کلچر گھل مل چکے ہیں، میں اپنی روایتی چینی فیملی کے ساتھ رہ رہی تھی۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کسی بھی مذہبی رو کا مجھ پر کوئی اثر نہ تھا۔ تاہم اسلام کا میرے ذہن میں ایک برا امیج ضرور تھا، وہی امیج جو مغربی ممالک نے بنایا تھا۔ علاوہ ازیں مذاہب کے بارے میں میرا نقطہ بڑی حد تک منفی تھا۔ میرے خیالات کے مطابق تو مذہب کو اپنے پیروکاروں کی اخلاقی اقدار اور رویوں پر نہایت اچھے، مضبوط اور گہرے اثرات مرتب کرنے چاہئیں۔ لیکن میں نے اپنے اردگرد جو دیکھا اور تاریخ میں جو پڑھا تھا وہ نہایت تاریک پہلو لئے ہوئے تھا مثلاً مذہبی جنگیں، مذہبی قتل وغارت (خاص طور پر پروٹسٹنٹ عیسائیوں کو ذبح کرنے کے ہولناک واقعات) قدامت پسندی، سائنسی ترقی کی مخالفت، اسلامی بنیاد پرستی وغیرہ وغیرہ۔

تاہم ایک سپریم پاور پر میرا یقین تھا جو پوری دنیا پر حکمرانی کرتی ہے اور جسے میں خدا کہنے کی جسارت نہ کر سکتی تھی کیونکہ میں ڈرتی تھی کہ لوگ خدا کے نام پر کیا کچھ (غلط) نہیں

کرتے۔ میں مانتی تھی کہ اس خصوصی سیارے یعنی کرۂ ارض پر زندگی کا ظہور کسی خوش کن اتفاق کا نتیجہ نہ تھا۔ کائنات میں اس قدر حسن ترتیب ہے کہ کسی اتفاقی حادثے میں ظہور پذیر ہونے والی چیزوں میں یہ ممکن ہی نہیں۔ ایٹم سے لے کر ستاروں تک کائنات کی ہر چیز اپنی صحیح جگہ پر ہے۔ دنیا کو قابو میں رکھنے والی اس سپر قوت پر میں یقین رکھتی تھی مگر ہر قسم کے مذہب کو میں نے مسترد کیا ہوا تھا۔ میں نے کبھی بھی زیادہ گہرائی سے اس مسئلہ پر غور نہ کیا تھا' یہاں تک کہ ساڑھے تین سال قبل مسلمان دوستوں سے ملاقات ہو گئی۔

یہ اس وقت ہوا جب مجھے اپنی تعلیم کے لئے دوسرے شہر جانا ہوا۔ میں اپنے والدین کے شہر سے کافی دور تھی۔ میں تنہا اور خود مختار تھی۔ یونیورسٹی میں میری مراکش کے مسلمانوں سے شناسائی ہوئی۔ ان میں سے ایک میرا بہترین دوست بن گیا۔ اس کے ذریعے میں نے اسلام کا ایک اور ہی چہرہ دیکھا۔ اس نے سب سے پہلے ایمان کا سب سے اہم نکتہ جو میرے ذہن نشین کرایا وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کے یکتا و بے مثال ہونے پر یقین رکھنا۔ اس نے اسلام میں خواتین کے حقوق کے بارے میں بھی مجھے بتایا اور یہ بھی کہ لفظ ''اسلام'' کے کیا معنی ہیں۔ اس نے اسلام اور دیگر مذاہب (عیسائیت' یہودیت' بدھ مت وغیرہ) میں پائے جانے والے فرق بھی واضح کئے۔ میں نے محسوس کیا کہ اسلام دیگر مذاہب کی طرح نہیں ہے۔ اسلام کے معنی تو ''اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت و فرمانبرداری'' کے ہیں اور مسلمان کا مطلب ہے'' وہ فرد جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے مکمل تسلیم ہو جائے''۔ میں اسلام کے اعلیٰ معیار سے بہت متاثر ہوئی۔

اس کے بعد میں اسلام کے نظریہ تقدیر' فرشتوں' جنوں اور یوم حساب سے آگاہ ہوئی۔ میں نے یہ بھی جان لیا کہ قرآن مجید حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کس طرح نازل ہوا۔ ان تمام انکشافات سے میری سمجھ میں یہ بات آگئی کہ کرۂ ارض پر انسان کی آمد کا مقصد کیا ہے۔ میرے ذہن میں سوال پیدا ہوتا کہ اگرچہ انسان شعور کی صلاحت سے مزین ہے' لیکن اگر خدا ہے تو پھر انسان اور خدا کے درمیان کوئی باطنی رروحانی تعلق ورابطہ کیوں نہیں تا کہ انسان اللہ سے براہ راست خیر وشر کے بارے میں جان سکے۔ میں جانتی ہوں کہ اللہ پر ایمان رکھنے

والوں کے نزدیک یہ ایک خاصا مزاحیہ سوال ہے لیکن یہ بھی تو دیکھیں کہ میری کسی قسم کی کوئی مذہبی بنیاد اور پس منظر نہیں ہے۔ میں تقریباً آٹھ ماہ تک تمام امور پر حیران و پریشان ہوتی رہی۔ اللہ تعالیٰ اور مذہب کے بارے میں اپنے احساسات کو میں نے اپنے بہترین دوستوں کے سامنے بھی بیان نہ کیا۔ درحقیقت میں نہیں چاہتی تھی کہ اس اہم اشو پر کوئی بھی مجھ پر اثر انداز ہو' میں سچائی کو ہر ممکن واقعیت کے ساتھ خود تلاش کرنا چاہتی تھی۔ میری ہمیشہ یہ خواہش ہوتی کہ میں تنہائی میں اس مسئلہ پر غور و فکر کروں۔ البتہ میرے اندر یہ عجیب احساس تھا کہ مجھے کسی غلط راستے کا انتخاب نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ معاملہ انتہائی اہمیت کا حامل تھا۔ تاہم میں یہ بھی محسوس کرتی تھی کہ میرے پاس انتخاب کا ایک ہی راستہ ہے۔ میں قدم آگے بڑھانے سے خوف زدہ تھی۔ اگلے دو ماہ کے دوران میں' میں بہت ہی پریشان اور تذبذب کا شکار رہی۔

مجھے جب بھی فراغت کا موقعہ ملتا میں مطالعہ کرتی۔ میں نے تین الہامی مذاہب کے بارے میں ایک کتاب پڑھی۔ میں نے مذاہب سے متعلق کتابوں کے منتخب حصوں کا مطالعہ بھی کیا۔ اسلام کے بارے میں مضامین بھی پڑھے اور موریس بوکائے (Maurice Bucaille) کی کتاب ''بائبل' قرآن اور سائنس'' کا مطالعہ بھی کیا۔ اس کتاب میں جدید سائنسی دریافتوں اور ٹیکنالوجی کے حوالے سے بائبل اور قرآن مجید میں کئے گئے سائنسی انکشافات کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ کتاب بڑی حد تک حقیقت پسندانہ تھی اور اسے ایک فرانسیسی سرجن نے لکھا جسے سعودی عرب جانے کا اتفاق ہوا تھا۔

میرا ذہن بھی سائنسی فکر رکھتا ہے اور میں سائنس و ٹیکنالوجی ہی کا مطالعہ کر رہی ہوں۔ میں نے دیکھا کہ یہ کتاب جسے ایک مغربی تنظیم نے انعام بھی دیا ہے' میں مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اس کی میں تصدیق نہ بھی کروں تو حقائق پھر بھی حقائق ہی رہیں گے۔ اس کتاب کے مطالعہ نے مجھے تذبذب سے نکال دیا اور راستے کے انتخاب کے لئے فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ اس کتاب نے میرے سامنے یہ حقیقت بھی رکھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں موجود رہے ہیں اور اللہ کی مدد سے انہوں نے معجزات بھی دکھائے ہیں۔ بلاشبہ اس

حقیقت کے انکشاف پر میں زندگی میں پہلی بار حیران رہ گئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود تھا۔ میں اپنے آپ کو کوسنے لگی کہ میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وجود کے بارے میں پہلے کیوں نہ پوچھا تھا حالانکہ میں ایک ایسے ملک میں رہ رہی تھی جس کا کیلنڈر ان کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ میں نے کبھی نہ سوچا تھا کہ کہ ایک نئے کیلنڈر کا آغاز ان کے نام سے کیوں شروع ہوا، کسی بادشاہ یا شہنشاہ کے نام سے کیوں شروع نہ ہوا۔ اس شخص نے ایسا کونسا نادر کارنامہ انجام دیا تھا، آخر ہوا کیا تھا؟ یقیناً اس نے کوئی انتہائی متاثر کن کام کیا ہو گا کہ اس قدر لوگوں کو ان کا نام یاد ہے اور وہ ان کی پیروی کرتے ہیں۔

اس کے بعد ایسے ہی سوالات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی میرے ذہن میں پیدا ہوئے۔ میرا اس بات پر یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی رہنمائی کے لئے اس تک قرآن مجید پہنچانے کا خصوصی کام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا۔ میں اس بات سے بہت متاثر ہوئی کہ ہر فرد خواہ وہ مسلمان ہے یا غیر مسلم وہ اس حقیقت سے اتفاق کرتا ہے کہ قرآن مجید انتہائی زوردار اور اثر انگیز عربی زبان میں لکھا گیا ہے۔

جب میں نے یہ پڑھا کہ قرآن مجید نے 1400 سال قبل ان سائنسی علوم کے انکشافات کئے تھے جنہیں ہم آج جدید ٹیکنالوجی سے دریافت / ثابت کر پائے ہیں مثلاً جنین کی نشوونما تو میں مزید متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اس سے قبل مجھے قطعاً علم نہ تھا کہ قرآن نے بہت سے سائنسی حقائق بھی بیان کئے ہیں اور یہ بھی بتایا ہے کہ سورج اور چاند مخصوص مداروں میں گردش کرتے ہیں۔ (سورہ نمبر 21 کی آیت نمبر 33 سورہ نمبر 36 کی آیت نمبر 40'38 سے متعلق ہے۔ مترجم) قرآن میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب کوئی دریا کسی سمندر سے ملتا ہے تو شیریں اور تلخ و شور پانی کے درمیان پردہ حائل رہتا ہے۔ (سورہ 25 کی آیت نمبر 53، سورہ 35 کی آیت نمبر 12، سورہ 55 کی آیات نمبر 19 تا 21 سے متعلق ہے۔ مترجم)۔ کئی آیات میں قرآن مجید نے زمین پر زندگی کے لئے پانی کی اہمیت کو بھی بیان کیا ہے۔ یہ ایک مکمل سچائی اور حقیقت ہے کہ پانی (H_2O) کے بغیر زندگی کا تصور بھی ممکن نہیں۔ مجھے صحیح تناسب کا تو علم نہیں لیکن میرے خیال میں خود ہمارے جسم کا 70 تا 80 فیصد حصہ

پانی پر مشتمل ہوتا ہے۔ پانی ہی نباتات کے لئے +H اور O فراہم کرتا ہے۔

سائنس اور مذہب میں مخالفت کا تصور اسلام میں نہیں پایا جاتا مگر یہ عیسائیت میں پایا جاتا ہے اور اب بھی موجود ہے۔ میں یہ جان کر حیران رہ گئی کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کبریائی جاننے کے لئے سائنسی تحقیق کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ قرآن مجید کیسے نازل ہوا اور کس طرح لکھا گیا' یہ جان کر اور اس کا توراۃ اور زبور سے موازنہ کر کے میرے اعتماد میں مزید اضافہ ہوا۔ میں نے جان لیا کہ قرآن مجید انتہائی اعلیٰ اور بہترین طریقے سے محفوظ کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں میرے دوست نے بتایا کہ اسلام جنوں کے وجود کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ یہ میرے لئے ایک اور دلچسپ انکشاف تھا کیونکہ اس سے مافوق الفطرت واقعات کی وضاحت ہو جاتی ہے جنہیں سائنس ثابت نہیں کر سکتی۔ کالے جادو کا استعمال کرنے والے کچھ لوگوں کی طاقت کا انکار میرے لئے مشکل تھا اور مجھے مایوسی بھی ہوتی تھی کہ سائنس ان مافوق الفطرت واقعات کی کوئی وجہ بیان نہیں کرتی۔ جنوں کے وجود نے میری اس پریشانی کو دور کر دیا۔

اسی دوران میں' میں نے ایسا رویہ اختیار کیا کہ جیسے میں مسلمان ہوں' میرا مطلب ہے کہ میں نے سؤر کا گوشت کھانے اور شراب پینے سے اجتناب کیا۔ اس سے میں نے محسوس کیا کہ افراد کے اعمال نے مذہب کے مقاصد کے متعلق مجھے کنفیوژ کیا ہوا تھا۔ میں جان گئی کہ مجھے مذہب الٰہی اور انسانوں کے اعمال میں امتیاز کرنا ہوگا۔ مجھے احساس ہو گیا کہ اللہ کے پیغام پر ایمان لانے کے راستے میں انسانوں کے اعمال کو حائل نہیں ہونا چاہئے۔ اور پھر ایک شام میں نے اللہ کے راستے کی طرف قدم بڑھا ہی دیا۔ میں خوف اور ابہام کا شکار تھی کہ کہیں غلط راستے کا انتخاب نہ ہو جائے۔ شدید اضطراب میں' میں نے روتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ مجھے اس متزلزل صورت حال سے نکالے۔ غسل کے بعد میں نے اپنے آپ کو نہایت ہلکا پھلکا اور پرسکون محسوس کیا جیسے شکوک وشبہات اور تذبذب کی صورت حال میں' میں کبھی مبتلا ہی نہ تھی۔ خدائے واحد پر ایمان لانے کے راستے میں اب کوئی ذہنی الجھن نہ تھی۔ میں نے اس تبدیلی کو دو تین روز تک چھپائے رکھا اور اس کے بعد اپنے بہترین دوست کو بتایا۔

میں اپنے خیالات کی ہمراہی میں مکمل تنہائی چاہتی تھی اور یہ میری افتادطبع کا معاملہ تھا۔ میں نے حقیقت کوتسلیم کرلیا کہ میں جو کتب / مضامین پڑھنا چاہتی ہوں وہ ویب یا کتابوں کی دکانوں یا پھر اپنے دوستوں کے تعاون سے مجھے حاصل کرنے چاہئیں۔ میں ذیل کی سطور میں ان تمام اقدام کو سمیٹنے کی کوشش کروں گی جو صراط مستقیم کے انتخاب میں میرے لئے معاون ورہنما ثابت ہوئے۔

پہلی بات یہ ہوئی کہ اسلام کا میرے ذہن میں ایک اچھا امیج ابھرا۔ میں نے اسلام کے اہم ارکان کا علم حاصل کیا۔ اسلام کے بارے میں ذہن میں جو غلط تصورات تھے مطالعہ سے وہ محو ہو گئے۔ اس کے بعد میں نے اس میں فرق کیا کہ خدا انسان سے کیا چاہتا ہے (اچھے کام) اور انسان کیا کرتا ہے۔ اس کے بعد میں نے سوچا اور سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ فرائض کی ادائیگی کے لئے انسان کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ بلاشبہ انسان میں خیر و شر کا احساس اور نیکی و بدی کو جاننے کی بصیرت موجود ہے' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر بھیج کر اس کی مدد کرتا ہے۔

''معجزے رونما ہو سکتے ہیں'' اسے قبول کرنے کے لئے میں ٹھوس دلیل چاہتی تھی۔ میں نے سوچا کہ اگر میں اس بات کو تسلیم کرلوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کامل ہے تو پھر اسے ہمارے لئے کچھ نشانیاں دکھانا ہوں گی کیونکہ ہم کمزور اور بے وقوف ہیں۔ ''کوئی خدا نہیں مگر خدائے واحد'' کا تصور قبول کر لینے کے بعد میں نے قرآن کا الہامی ہونا بھی قبول کرلیا کیونکہ یہ ایک معجزے کے طور پر میرے سامنے آیا تھا۔ میں عیسائیت اور یہودیت پر ایمان لانے کا انتخاب بھی کرسکتی تھی کیونکہ یہ دونوں مذاہب میرے کلچر کے قریب تر تھے مگر میں نے اسلام کا انتخاب کیا اس لئے کہ میں قرآن کے معجزہ ہونے پر یقین رکھتی تھی۔ علاوہ ازیں میں نے دیکھا کہ اسلام دوسرے الہامی مذاہب کے مقابلے میں زیادہ عالی شان ہے۔ مجھے کیتھولک چرچوں میں بتوں / مجسموں کا وجود ناپسند تھا۔ میں چرچوں کی پیشوائیت کو بھی پسند نہ کرتی تھی۔ میں عیسائیت کے عقیدہ تثلیث کے بارے میں بھی کنفیوژ تھی۔ میں یہ بھی نہ سمجھ سکی کہ ایک مذہب کو صرف ایک قوم / نسل تک کیوں محدود رکھا گیا (یعنی یہودیت کو صرف بنی

اسرائیل تک محدود رکھا گیا) مزید براں اسلام دوسرے دونوں مذاہب کے بعد آیا تا کہ انہیں مکمل کرے۔ جب میں نے یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لی کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی موجود ہے تو میرے لئے مناسب یہی تھا کہ مذاہب سے منسلک قوموں کے اعمال دیکھے بغیر میں سب سے بہتر، سب سے زیادہ منصفانہ و عادلانہ اور سچے مذہب کا انتخاب کروں۔

''اسلام ہی سچا مذہب ہے'' یہ ثابت کرنے کے لئے اب میرے پاس زیادہ سے زیادہ وجوہات تھیں۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے سچے راستے کے انتخاب کی توفیق دی۔ مسلمہ بن جانے کا فیصلہ کر لینے کے تقریباً دو ہفتے بعد میں نے رمضان کے روزے رکھنے بھی شروع کر دیئے۔ میں نے اسلام قبول کرنے کے بارے میں صرف دو مسلمان دوستوں ہی کو بتایا۔ اگر چہ میں روزے رکھ اور عبادات کے بارے میں سیکھ رہی تھی مگر نہ جانے کیوں اپنے آپ کو مسلمہ محسوس نہ کرتی تھی۔ میں اپنے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو پسند کرتی تھی مگر اپنے نئے مذہب کے بارے میں اناڑی تھی۔ اس لئے انہیں یہ بتانے کے لئے کہ میں مسلمہ ہوں ہچکچاتی تھی۔ میرے یہ تمام احساسات (یعنی ہچکچاہٹیں وغیرہ) بتدریج ختم ہوتے گئے۔

میں نے قرآن کا فرانسیسی ترجمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ شروع میں قرآن کے مطالعہ سے میں بہت زیادہ خوف زدہ ہو گئی۔ دراصل اس میں کئی باتیں ایسی تھیں جو میں سمجھ نہ پائی مثلاً جنت میں حوروں کے ذکر سے میں پریشان ہو گئی۔ تاہم میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ مجھے قرآن کو سمجھنے کے لئے فہم و فراست دے، جو بات اس وقت میری سمجھ میں نہیں آ رہی وہ بعد میں سمجھا دے، میرے قلب کو اطمینان دے اور میرے ایمان کو مضبوطی عطا فرمائے۔ قرآن کے مزید مطالعہ سے میں جان گئی کہ میں صرف ایک انسان ہوں، مجھے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا اور اپنے اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ اللہ ہی سب سے بہتر علم رکھنے والا ہے۔ اس طرح قرآن کے مطالعہ اور دوستوں سے سوالات پوچھ کر میں اسلام سیکھ رہی تھی۔ ماہ رمضان کے دوران میں ایک دن میں اپنے دوستوں کے ہمراہ مغرب و عشاء کی نمازوں کے لئے مسجد گئی۔ رمضان کے آخری دنوں میں ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ مین اللہ تعالیٰ کے حضور دعا

کر رہی ہوں' یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا اور اسے دیکھ کر میرا قلب اطمینان سے لبریز ہو گیا۔
مجھے بتایا گیا کہ ماہ رمضان میں ایک خاص رات ہوتی ہے جب فرشتے زمین پر اترتے ہیں (فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کی اجازت سے ہر حکم لے کر اترتے ہیں۔ وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوع فجر تک۔ سورہ القدر) میں بہت زیادہ خوشی محسوس کر رہی تھی کہ میں نے زندگی کا بہترین انتخاب کیا ہے جس سے بہتر انتخاب کسی انسان کے بس میں نہیں۔
میرے اندر احساس پیدا ہوا کہ اس دریافت میں مجھے اپنے خاندان کو بھی شریک کرنا چاہئے۔

میں اپنے رشتے داروں کو اچھی طرح جانتی تھی' میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں انہیں اپنے قبولِ اسلام کے بارے میں کیسے بتاؤں۔ یہ تو بہرحال جانتی تھی کہ مجھے اس وقت تک خاموش رہنا ہو گا جب تک میں یہ نہ جان لوں کہ انہیں اپنے قبولِ اسلام کے اعتراف کے لئے کیسے تیار کرنا ہے۔ میں مشورہ کے لئے امام مسجد کے پاس گئی اور انہوں نے مجھے وہی مشورہ دیا جو میرے ذہن نے سوچا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ان حالات میں اگر اپنے والدین کے گھر میں مجھے سؤر بھی کھانا پڑے یا میں نماز نہ پڑھ سکوں تو پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔

گھر جا کر میں نے اپنے والدین سے ان کے مذہب کے بارے میں سوالات کرنے شروع کئے۔ میں مذہب کے معاملے میں انہیں حساس بنانا چاہتی تھی تاکہ اپنے عقیدے کے بارے میں صحیح سوالات کر کے غور و فکر کریں۔ ایک دن میری چھوٹی بہن اور چھوٹے بھائی نے بتایا کہ میں بڑی عجیب و غریب ہو گئی ہوں اور بڑے ہی فضول سوال کرتی ہوں۔ یہ سن کر میں مسکرانے لگی۔ میں نے اپنے آپ کو اپنی فیملی کے بہت قریب محسوس کیا۔ میں جانتی تھی کہ اسلام گھر والوں سے محبت اور والدین کے احترام کا حکم دیتا ہے۔ میں نے ہمیشہ اپنے والدین سے محبت کی ہے اور جب میں مسلمہ بن گئی تو میں نے دیکھا کہ اس محبت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ میں اپنے گھر والوں' اپنے والدین' اپنی بہنوں' بھائیوں' دادا دادی' نانا نانی' چچاؤں' ماموؤں' خالاؤں' ممانیوں' چچیوں وغیرہ کے ساتھ کہیں زیادہ محبت کا اظہار کرنے لگی۔ لیکن جو بات میرے لئے پریشان کن تھی وہ عربوں اور مسلمانوں کے خلاف ان کا نسلی

تعصب تھا۔ میرے رشتے داروں کی اکثریت عربوں اور مسلمانوں کو ایک ہی چیز سمجھتی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اس مسئلے سے کیسے نبٹوں۔ مزید براں میں انہیں یہ بھی بتانا چاہتی تھی کہ میں اپنے بہترین مسلمان دوست سے محبت کرتی ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ اس لئے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے میں اپنے مسلم دوست کے ساتھ شادی کے مسئلہ سے آغاز کروں گی، اس کے بعد قبولِ اسلام کے مسئلہ سے نبٹوں گی۔

افسوس کہ میرے والدین نے غیر چینی کے ساتھ میری شادی کے خیال کو مسترد کر دیا۔ اور اگر انہیں یہ معلوم ہو جاتا کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں تو صورت حال ان کے لئے بدترین ہوتی۔ انہوں نے مجھ پر دباؤ ڈالا کہ میں اپنے دوست سے نہ ملوں۔ میرے دوست کے گھر والوں سے بھی کہا کہ وہ ہمیں ایک دوسرے سے نہ ملنے دیں۔ میرے والدین کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ کہیں میں مسلمان نہ ہو چکی ہوں۔ اس لئے میں نے مذہب کے بارے میں ان سے کسی قسم کے بھی سوال پوچھنے بند کر دیئے۔ میرے اور گھر والوں کے درمیان ماحول کشیدہ ہو گیا۔

یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران میں آخری ماہ رمضان کرسمس کی چھٹیوں میں آیا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ والدین کے گھر میں روزوں کو کیسے چھپا پاؤں گی کیونکہ ان چھٹیوں میں معمول کے مطابق مجھے بہر حال گھر جانا تھا۔ پہلے دو روزے تو میں کسی حد تک چھپانے میں کامیاب رہی لیکن اس کے بعد مشکل تر ہو گیا اور مجھے اس وقت روزہ توڑنا پڑ گیا جب میری ماں کو شک گزرا کہ میں نے روزہ رکھا ہوا ہے۔ دوسری طرف میں نے اپنی سب سے چھوٹی آنٹی اور انکل کو اپنے قبولِ اسلام کے بارے میں بتانے کا فیصلہ کرلیا۔ انکل کے ردعمل نے مجھے دہشت زدہ کر دیا۔ ایسا دکھائی دیتا تھا کہ اگر میں نے اسلام سے دستبرداری کا اعلان نہ کیا تو انکل میری پٹائی کر دے گا۔ اس کے بعد ہر رشتے دار میرے قبولِ اسلام اور جو کچھ میرے انکل نے میرے ساتھ کیا تھا اس سے آگاہ ہو گیا۔ میری ماں نے بھی سب کو بتا دیا۔ میں نے بھی سب کے سامنے قبولِ اسلام کے اعتراف کا فیصلہ کرلیا۔

صورت حال بدتر ہوتی چلی گئی۔ اسلام کے بارے میں جو کچھ بھی سمجھی تھی میں نے وہ ان

کے سامنے وضاحت سے پیش کیا لیکن انہوں نے میرے انتخاب کو مسترد کر دیا۔ میں نے چاہا کہ وہ ایک ایشیائی مسلمان سے مل لیں تا کہ وہ انہیں سمجھا سکے کہ مسلمان کا ہرگز مطلب عرب نہیں ہے لیکن انہوں نے ملنے سے صاف انکار کر دیا۔ بالآخر میں نے جھوٹ بولنا قبول کیا اور انہیں بتایا کہ میں اسلام چھوڑ دوں گی۔ درحقیقت میں خوف زدہ تھی کہ اگر میں نے اصرار کیا: ''میں مسلمان رہوں گی''تو شاید وہ مجھے واپس یونیورسٹی نہ جانے دیں۔

میری ماں نے کہا کہ میں کیتھولک چرچ جاؤں کیونکہ اس کے خیال میں مسئلہ کا یہی بہترین حل تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ میری ضرورت خدا پر ایمان لانا ہے اور چرچ یہ ضرورت پوری کرسکتا ہے۔ اس طرح اس نے میرے لئے کیتھولک عیسائیت کا انتخاب کیا۔ جب میں یونیورسٹی واپس آئی تو وہ میرے ساتھ تھی۔ وہ میرے کمرے میں میرے ساتھ سوتی۔ وہ چھپ کر دیکھتی کہ کہیں میں دوبارہ روزے تو نہیں رکھ رہی' نماز تو نہیں پڑھ رہی یا مسلمانوں والا کوئی دوسرا کام تو نہیں کر رہی۔ میں جانتی تھی کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے لیکن میں نے اسلام اور اپنے انتخاب کے بارے میں جب بھی بتانا چاہا اس نے سننے سے انکار کر دیا۔ دوسرے عزیزوں کا رویہ اس سے بھی بدتر تھا۔ کوئی بھی میرے انتخاب کا احترام کرنے کو تیار نہ تھا۔

دو ماہ بعد میں نے سچ سچ بتا دیا۔ مجھے مزید جھوٹ بولنا پسند نہ تھا۔ اپنے ساتھ ان کے خوشگوار رویے کے لئے میں انہیں مزید دھوکہ نہیں دے سکتی تھی۔ لہٰذا ایک اتوار کو میں چرچ نہ گئی۔ اس طرح انہیں میرے جھوٹ اور اسلام پر میری ثابت قدمی اور ارادے کا علم ہو گیا۔ ان کا ردعمل انتہائی پرتشدد تھا۔ مجھے پیٹا اور پھٹکارا گیا۔ وہ سب سخت غصے اور طیش میں تھے۔ میرے والدین رشتے داروں کی باتوں کا کچھ زیادہ ہی اثر لے رہے تھے۔ مجھے بتا دیا گیا کہ اگر میں نے اپنا ذہن تبدیل نہ کیا تو مجھے گھر سے نکال دیا جائے گا۔ میرے اور میری بڑی فیملی کے درمیان ماحول ناقابل برداشت ہو چکا تھا' ایک شام صورت حال خطرناک ہو گئی۔ تقریباً ہر فرد وہاں موجود تھا۔ میں خائف تھی کہ یہ مجھے شدید زخمی کر دیں گے۔ میں محسوس کر رہی تھی کہ تنہا میں اپنی حفاظت اور دفاع نہیں کرسکوں گی۔ علاوہ ازیں اب اس گھر میں میری

کوئی عزت اور احترام نہ رہا تھا۔ میں کچھ بھی کہتی وہ سننے کو تیار نہ تھے۔ اس لئے میں نے گھر چھوڑ دیا اور اپنی ایک فرانسیسی سہیلی کی طرف چلی آئی' وہ گھر پر ہی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے نہایت عمدہ اور ذہین دوست دیئے ہیں۔ میرے گھر والوں کی طرف سے مجھے جو بھی مشکل صورت حال پیش آئی' اس کا مقابلہ کرنے کے لئے مجھے ان سے بھرپور امداد ملی۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم سب دوست شامل ہیں' خاص طور پر میرا بہترین دوست جو ہزاروں کلومیٹر دور تھا' نے دوستی کا حق ادا کیا۔ اس نے ہر لمحہ میری ہمت بندھائی۔ اس وقت میں اپنی یونیورسٹی والے شہر ہی میں رہ رہی ہوں' اس طرح میں مسجد آزادی سے جا سکتی ہوں۔ مسجد میں مسلمان بھائیوں اور بہنوں کی طرف سے جو ہمدردی' محبت' پیار' یگانگت' ایثار ملتا ہے وہ میرے لئے بہت پر لطف ہوتا ہے اور میری ہمت کو دوچند کر دیتا ہے۔ میں دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے والدین کے دل کو نرم و شیریں کر دے اور مجھے اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کی ہمت دے۔ آمین

(از لارے' بشکریہ: ریڈیئنس بھارت' شمارہ 6 تا 12 جون 99ء)

اناجیل اربعہ کے انتخاب کا بے نظیر طریقہ

اور ان کتابوں کا انتخاب کس طرح ہوا' ہر عیسائی جانتا ہے کہ نیقیہ کی کونسل والوں نے گرجا کے صدر مقام پر انجیلوں کے اس انبار کو تہہ بر تہہ کر کے رکھ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے نیچے جبوں والے پادری سجدے میں گر کر آنکھیں بند کر کے یہ دعا کرتے رہے' دل ہی دل میں یہ منتر پڑھتے جاتے تھے: "جو جھوٹی ہے سو گر جائے' جو جھوٹی ہے سو گر جائے"۔ کہتے ہیں کہ سب گر گئیں' صرف چار اور ان کے ساتھ پولوس کے کچھ خطوط بھی گرنے سے رہ گئے۔ سجدے سے سر اٹھا کر وہی سر پر رکھی گئیں۔ اس کے بعد "مسیح علیہ السلام کی سچی انجیل یہی ہے" کی آواز سے آسمان کو سر پر اٹھا لیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ کونسل کے ان پادریوں میں سے دو کا انتقال بھی ہو گیا تھا۔ ان کی قبروں پر اس رپورٹ کی مسل رات کو رکھ دی گئی' صبح کو توثیقی دستخط اس پر ثبت شدہ تھے۔ تصحیح و تغلیط' تنقید و تنقیح کے اس عجیب و غریب انوکھے طریقہ پر شاید دنیا نے نہ اس سے پہلے کبھی عمل کیا تھا' نہ ان کے بعد کسی کو ایسی نوبت آئی۔ (بحوالہ: النبی الخاتم از مناظر احسن گیلانی)

مذہب کا تقابلی مطالعہ مجھے اسلام کی طرف لایا

صفیہ جانسن کی روداد

1992ء میں میرے ہاں ایک خوبصورت بچی نے جنم لیا۔ وہ ملکوتی حسن کا نمونہ تھی، اس سے زیادہ خوبصورت بچی میں نے کبھی نہ دیکھی تھی، اس کی خوبصورتی کے بارے میں جس قدر بھی کہا جائے کم ہے۔ وہ بہت ہی اچھی لگتی تھی۔ اسی سال نومبر میں جب میری بچی ٹینا ابھی پانچ ماہ کی تھی کہ وہ SIDS(Sudden Infant Death Syndrome) سے انتقال کر گئی۔ اس کی موت نے میری زندگی کو ویران کر دیا۔ مجھ پر غصہ کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر اللہ تعالیٰ نے میری ہی بچی کو موت کیوں دی جبکہ دنیا میں ہزاروں بیمار بچیاں بھی تو تھیں، ان میں سے کسی کو کیوں نہ اٹھا لیا۔ تدفین کے موقع پر لوگ میری ڈھارس بندھاتے ہوئے مجھے یقین دلاتے رہے: ''تم ایک دن اسے جنت میں ضرور ملو گی''۔ میں کہتی: ''آپ کیسے جانتے ہیں کہ میں جنت میں جاؤں گی''۔

لوگوں کی باتوں نے میرے اندر ایک سچے مذہب کی تلاش کی امنگ پیدا کر دی جو مجھے جنت کے راستے پر ڈال دے تا کہ میں اپنی بچی کو دوبارہ دیکھ سکوں۔ میری پرورش اگرچہ عیسائیت میں ہوئی تھی لیکن اب پہلے کی طرح آنکھیں بند کر کے میں اسے قبول نہ کر سکتی تھی۔ مجھے تو ایک ایسا مذہب چاہئے تھا جو میرے ذہن میں پیدا ہونے والے میرے سوالوں کا جواب دے اور مجھے وہ راستہ دکھائے جس پر چلتے ہوئے میں اپنی بچی سے دوبارہ مل سکوں۔

اب مجھے ایک ایسے مذہب کی تلاش تھی جو میرے ذہن کو مطمئن کر سکے۔ دو سالوں تک میں ہر رات ایک ہی دعا اللہ کے حضور کرتی رہی:

''پیارے اللہ، میں جانتی ہوں کہ تمہیں پہلے ہی معلوم ہے کہ میرے دل میں کیا ہے۔ میں بہت دکھی ہوں۔ آپ میری بچی کو اس وقت لے گئے جب میں اس کے پاس نہ تھی، میں تو اسے خدا حافظ بھی نہ کہہ سکی۔ میں اسے دوبارہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ مجھے صحیح راستہ نہیں دکھائیں گے؟ وہ راستہ جس پر آپ مجھے چلانا چاہتے ہیں۔ میں ہرگز یقین نہیں کر سکتی کہ آپ میرے لئے عیسائیت کا راستہ پسند کرتے ہیں۔ یہ میرے لئے قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اس میں عقل و شعور والی کوئی بات ہی نہیں۔ مجھ پر رحم کریں اور مجھے بتائیں کہ کونسا مذہب حق ہے تاکہ میں اس کو اختیار کر سکوں۔ اے اللہ تیرا بہت بہت شکریہ۔ اے اللہ، کیا آپ مجھے خاوند نہیں دیں گے تاکہ میں مزید بچے حاصل کر سکوں۔ اے اللہ تیرا شکریہ، میری بچی کا خاص خیال رکھنا، اسے بتانا کہ میں اسے محبت کرتی ہوں اور اسے بہت بہت یاد کرتی ہوں''۔

جونہی دعا ختم ہوتی میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے۔ میں نے کئی مذاہب کا مطالعہ کیا مگر کوئی میرے دل کو نہ لگا۔ میں نے سوچنا شروع کر دیا کہ شاید اللہ نے مجھے بھلا دیا ہے، اس کے پاس کرنے کو میری ذات سے کہیں زیادہ اہم کام ہیں۔ تب ایک دن کی بات ہے کہ جب میں بار میں کام کر رہی تھی تو وہاں کام کرنے والی ایک عورت سے میری ملاقات ہوئی۔ ہم سہیلیاں بن گئیں۔ ایک دن اس نے مجھے اپنے ایک ''بڑے منصوبے'' کے بارے میں بتایا۔ اس نے مجھ سے کہا: ''میں ایکسپورٹ، امپورٹ کا کام کرنا چاہتی ہوں مگر اپنے بچوں کو چھوڑ کر باہر نہیں جا سکتی۔ تم ملائیشیا جا کر وہاں میرے لئے ایکسپورٹ، امپورٹ کا رابطہ دفتر قائم کرو۔ تمہیں اچھی تنخواہ ملے گی اور تمہارے تمام اخراجات بھی برداشت کروں گی''۔ میں نے پوچھا: ''مجھے کب روانہ ہونا ہے''۔

دو سوٹ کیس اور ایک پرس لئے میں جہاز میں سوار ہوئی۔ مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ میں اپنا ہدف کیسے حاصل کروں گی مگر میں پر جوش تھی۔ میں ملائیشیا رمضان المبارک کے وسط میں

پہنچی۔ میرے ساتھ ہر فرد کا رویہ نہایت عمدہ تھا' اس قدر عمدہ کہ میں خوف زدہ ہو گئی اور سوچنے لگی کہ کہیں یہ لوگ مجھے بے وقوف تو نہیں بنا رہے' کہیں کوئی اس سے بھی زیادہ خطرناک بات تو نہیں لیکن ایسی کوئی بات نہ تھی' وہ تو بہت ہی مخلص تھے۔ بدلے میں وہ مجھ سے کچھ نہیں چاہتے تھے۔ اس قدر عمدہ لوگوں سے میں پہلے کبھی نہ ملی تھی۔ میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے پوچھا: ''ہر فرد کا رویہ اس قدر اچھا کیوں ہے؟''۔ اس نے بتایا: ''یہ رمضان المبارک کا مہینہ ہے' اس مہینے میں اگر ہم کوئی اچھا کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں دہرا اجر دے گا''۔ میں نے کہا: ''نہایت ہی اچھا اللہ''۔

ہوٹل میں ملازم لڑکوں سے میری بحث ہوتی کہ کون سا مذہب بہتر ہے' اسلام یا عیسائیت؟ میں ایک بھی بحث نہ جیت پائی۔ وہ میرے مذہب کے بارے میں سوال کرتے اور میں کوئی جواب نہ دے پاتی۔ میں سوچتی کہ میں ایسے مذہب کا دفاع کیوں کر رہی ہوں جس پر میرا اپنا یقین نہیں ---؟؟؟ ۔کھانا کھلانے وہ مجھے باہر لے جاتے مگر خود نہ کھاتے۔ عورتیں لمبی آستینوں والے کپڑے پہنتیں اور سر پر سکارف اوڑھتیں ۔ اگر کبھی میں غصہ میں آ جاتی تو وہ کچھ کہے بغیر دور چلے جاتے۔ یہ عجیب صورت تھی۔

جب بھی میں نے ان میں سے کسی سے پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا ہے؟ سب ایک ہی بات کہتے: ''کیونکہ قرآن ہمیں ایسا کرنے کے لئے کہتا ہے''۔ مجھ جیسے کسی بھی امریکی کے لئے یہ ایک غلط جواب تھا۔ یہ تو ویسے ہی تھا جیسے میری ماں مجھے کہا کرتی تھی کہ رات کو زیادہ دیر تک نہیں جاگنا۔ جب میں پوچھتی کہ کیوں تو جواب ملتا: ''کیونکہ میں کہتی ہوں''۔ میں ٹھوس جواب چاہتی تھی' اس لئے ملائیشیا کے ایک دوست کی مدد سے میں نے قرآن مجید کی ایک کاپی اور اسلام کے بارے میں چند دیگر کتب حاصل کیں۔ دو ہفتوں کے لئے میں نے اپنے آپ کو کمرے کے اندر بند کر لیا تا کہ اسلام کے بارے میں یکسوئی کے ساتھ مطالعہ کر سکوں۔ میں اس دوران میں کسی بھی کام یا کسی بھی فرد سے ملنے کے لئے باہر نہ آئی۔ میں نے قرآن اور کتابوں کا مطالعہ کیا۔

مطالعہ سے میرا ذہن صاف اور شکوک دور ہو گئے اور میں جان گئی کہ جس مذہب کی

مجھے تلاش تھی یہ وہی ہے' اللہ کی رضا یہی ہے کہ میں اس مذہب کو اختیار کروں مگر میرے لئے ایک مسئلہ تھا۔ مسئلہ یہ نہیں تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر کیا ہے' مسئلہ یہ بھی نہ تھا کہ میرے پاس جو کپڑے ہیں وہ مجھے پھینکنا پڑیں گے اور بالکل مختلف سٹائل کا لباس پہننا ہوگا۔ مسئلہ یہ تھا کہ میں اپنی ماں کو کیسے قائل کروں گی کہ وہ مجھے بطور مسلمان قبول کر لے۔ میں جانتی تھی کہ یہ کوئی آسان بات نہ تھی۔ اس صورت حال نے مجھے اس قدر سخت ذہنی اذیت اور پریشانی میں مبتلا کر دیا کہ میرا کھانا بھی چھوٹ گیا' یکسوئی ختم ہو گئی اور سکون سے میرے لئے سونا بھی مشکل ہو گیا۔ اس دوران میں ایک ہی خوفناک خواب مجھے پریشان کرتا رہا۔ ایک فرشتہ مجھے خواب میں دکھائی دیتا جس کے بازوؤں میں میری بچی ہوتی' اس کے پیچھے عفریت یعنی شیطانی جن ہوتے۔ میری ساری رات اس بدترین مخلوق سے جنگ کرتے گزر جاتی۔ وہ چاہتے تھے کہ میں دین حق کے راستے سے دور رہوں جبکہ فرشتہ کی خواہش ہوتی کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔ وہ میرے مسئلہ پر آپس میں لڑنے لگتے۔ میں آنسوؤں اور پسینے سے شرابور جاگ اٹھتی۔ اکثر چہرے پر خراشیں ہوتیں' یہ خراشیں کیسے آتیں اس کا کوئی علم نہ تھا۔ ایک رات میں شیطانی جن سے لڑ رہی تھی کہ اس نے میرے چہرے کو نوچ ڈالا۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے کہا: ''اوہ نہیں' تم ایسا نہیں کر سکتے' کیا تمہیں ایک عورت کے چہرے کو نوچنے سے بہتر کچھ نہیں آتا'' اور میں نے اسے کک مار دی۔ اس واقعہ کے دو ہفتے بعد ایک رات کو شیطانی جن سے لڑتے ہوئے میں چیخ مار کر جاگ اٹھی ''تم جو چاہو کر لو میں اسلام قبول کر کے رہوں گی اور یہ کام میں آج ہی کروں گی''۔

میں نے اپنے پورے جسم میں ایک ناقابل یقین سکون محسوس کیا۔ میں نے اس سے قبل ایسا سکون کبھی محسوس نہ کیا تھا۔ میں جان گئی کہ اللہ میرے ساتھ خوش ہے۔

میں کمرے سے باہر نکلی اور سیڑھیاں اتر کر ملازم لڑکوں کے پاس گئی۔ انہوں نے مسلمان بنانے کے لئے مجھ پر بہت محنت کی تھی۔ میں ان کے سامنے یہ اعلان کرنا چاہتی تھی کہ میں مسلمان ہونے کے لئے تیار ہوں۔ جب میں نے انہیں بتایا تو وہ بولے ''نہیں''۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ اسلام قبول کرنا ایسا مسئلہ نہیں ہے جسے اس قدر ہلکا یا غیر اہم لیں' ایک

دفعہ آپ مسلمان ہوگئیں تو پوری زندگی آپ کو مسلمان رہنا ہوگا۔ تب انہوں نے مجھ سے پوچھا: ''اوہ یہ تمہارے چہرے کو کیا ہوا ہے؟''۔ میں نے شیشے میں دیکھا کہ میرا چہرہ تو کسی نے نوچا ہوا ہے۔ میں نے انہیں اپنے خوابوں کے بارے میں بتایا اور ''جن'' کے متعلق یہ میرا پہلا سبق تھا۔ اس کے بعد انہوں نے اتفاق کرلیا کہ اب مجھے صحیح طریقے سے اسلام قبول کرلینا چاہئے۔ وہ مجھے کوالالمپور میں نومسلموں کی تنظیم ''PERKIM'' کے دفتر لے گئے۔ میں نے 15 جون 1994 کو کلمہ شہادت پڑھا۔

صفیہ جانسن مسلمانوں کی تنظیم اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ (ICNA) کے ساتھ کام کرتی تھیں۔ 29 مئی 1999ء کو شادی کے بعد وہ MILWAUKEE WISCONSIN-USA منتقل ہوگئیں۔ انہوں نے امریکن اوپن یونیورسٹی میں اسلامی مطالعہ کی کلاسیں شروع کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ (بشکریہ: ریڈیئنس بھارت)

عہد نامہ قدیم اور اناجیل کی حقیقت

عہد نامہ قدیم ایسی متعدد ادبی تحریروں پر مشتمل ہے جو تقریباً نو سو سال کی مدت میں لکھی گئیں۔ یہ ایک انتہائی غیر یکساں اور مختلف النوع پچیکاری کا کام ہے جس کے ٹکڑوں کو صدیوں کے دوران انسان نے بدل دیا ہے۔ جو چیز پہلے سے موجود تھی اس میں کچھ حصوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے' چنانچہ آج یہ بتانا بعض اوقات نہایت مشکل ہو جاتا ہے کہ ابتداءً وہ کہاں سے آئے تھے۔ اناجیل کا مقصد حضرت یسوع مسیح کے اقوال و افعال کے ذریعہ لوگوں کو وہ تعلیمات پہنچانا تھا جو وہ اپنی حیات دنیوی کے مشن کی تکمیل کے وقت لوگوں کو دینا چاہتے تھے' بدقسمتی سے اناجیل کے مصنفین ان معلومات کے جو انہوں نے درج کیں عینی شاہد نہیں تھے وہ صرف ترجمان تھے جنہوں نے ان معلومات کا اظہار کیا جو سیدھے طریقے پر ایسی خبریں تھیں جن کو مختلف یہودی' عیسائی فرقوں نے حضرت یسوع مسیح کی قومی زندگی سے متعلق محفوظ کیا تھا اور جو زبانی روایات اور ایسی تحریروں کے ذریعہ منتقل ہوئی تھیں جن کا آج کوئی وجود نہیں ہے اور جو زبانی روایت اور قطعی متون کے بیچ میں ایک درمیانہ درجہ تھا۔ (موریس بوکائے کی کتاب ''بائبل' قرآن اور سائنس سے)

ایمان کی دریافت

مسلمانوں کے کٹر دشمن ایک عیسائی کے قبولِ اسلام کی کہانی

مینوئل ایس اگوئکر 25 اپریل 1961ء کو فلپائن کے علاقے تارلیک (TARLAC) کے شہر بمبن کے ایک کیتھولک گھرانے میں پیدا ہوا۔ وہ ریاض میں واقع المکاتب کمپنی میں کام کرتا ہے۔ 1999ء میں اس نے ''کوآپریٹو آفس فار کال اینڈ گائیڈینس'' میں اسلام قبول کیا۔ اس کا مسلم نام موسیٰ رکھا گیا۔ ذیل میں اس کے اسلام قبول کرنے کی روداد دی جا رہی ہے یہ روداد پہلے سعودی گزٹ اور پھر بھارت کے مسلم جریدے ''ریڈینس'' میں شائع ہوئی ہے۔ موسیٰ بتاتا ہے کہ:

میرے آبائی شہر بمبن کے عیسائی اگرچہ فلپائن کے مختلف علاقوں میں آباد مسلمانوں کے بارے میں خبریں تو سنتے رہتے ہیں مگر مسلمانوں کے عقائد اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ مغربی میڈیا کی طرح میرے ملک کا میڈیا بھی اسلام کو ایک بنیاد پرست مذہب کے طور پر پیش کرتا ہے جو اپنے پیروکاروں کی پسماندگی، جہالت اور راسخ الاعتقادی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ہمیں یہ بتایا گیا کہ مسلمان ہمیشہ ''جہاد'' کرنے کی بات کرتے ہیں اور جہاد کے ذریعے کرۂ ارض سے غیر مسلموں کا صفایا کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح دوسرے عیسائیوں کی طرح میرے دل میں بھی اپنے ملک کی مسلم کمیونٹی کے خلاف نفرت پروان چڑھی۔ بچپن سے لے کر اب تک تشکیل پانے والی اس ذہنی حالت کے ساتھ

1993ء میں، میں سعودی عرب میں اترا۔ میں یہاں ریاض کی المکاتب کمپنی میں بطور کنٹریکٹ ورکر کے آیا تھا۔ چونکہ شروع ہی سے ذہن میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان گنت غلط فہمیاں بھر دی گئی تھیں، اس لئے جو کام بھی وہ کرتے، میں انہیں غلط سمجھتا۔

اسی دوران میں مجھے منسٹری آف اسلامک افیئرز کے ریاض میں نئے آفس کمپلیکس ''کال اینڈ گائیڈینس'' میں ملازمت مل گئی۔ یہاں میرا ایک سعودی بوڑھے سے رابطہ ہوا جو انگریزی سمجھ اور بول سکتا تھا۔ میں اس کے رویے اور اخلاق سے بہت متاثر ہوا۔ غیر مسلموں کے ساتھ بھی اس کا سلوک قابل تعریف تھا۔ وقت کے ساتھ میری اس سے دوستی گہری ہوتی گئی۔ ایک دن جب ہم مختلف مذاہب کے عقائد اور تعلیمات پر گفتگو کر رہے تھے تو اس نے اسلامی عقائد اور تعلیمات پر بھی مجھ سے بات کی۔ خاص طور پر ''عیسائیت میں عقیدہ تثلیث' اسلام میں توحید کا تصور' اسلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام' ان کی معجزانہ پیدائش اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہ السلام کے بارے میں اسلام کیا کہتا ہے'' کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔ اس کے دلائل میں علمی وزن اور گہرائی تھی اور اس کا طرز گفتگو دلچسپ اور قائل کر لینے والا تھا۔ اس نے اسلام اور عیسائیت کے بارے میں میرے سوالوں کے جواب بھی دیئے۔

اپنی زندگی میں پہلی بار میں نے اس سے اللہ تعالیٰ کے کئی پیغمبروں کی کہانیاں سنیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی داستان بھی شامل تھی۔ یہ سن کر میں حیران رہ گیا کہ یہ سارے مسلمان تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان سب کو جو پیغام دیا وہ ایک ہی تھا' وہ یہ کہ ''اللہ کے ایک ہونے کی گواہی دینا''۔ مجھے بتایا گیا کہ پیدا ہونے والا ہر بچہ مسلمان ہوتا ہے' یہ اس کے والدین اور دوسرے رشتہ دار ہوتے ہیں جو اسے عیسائی یا دیگر مذاہب کا پیروکار بنا دیتے ہیں۔

ان نادر باتوں سے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں میری سوچ اور رویے میں مثبت تبدیلیاں آئیں۔ میں اپنے ساتھی کارکن سے ملا جو ایک فلپائنی مسلمان ہے اور اس سے کہا کہ وہ اس معاملے میں میری رہنمائی کرے۔ وہ جمعرات کی رات کو میرے ساتھ ریاض کے ضلع السولے (Al-Sulay) میں ''کوآپریٹو آفس فار کال اینڈ گائیڈینس'' میں گیا۔ میری رہائش گاہ

سے یہ جگہ پیدل مسافت پر ہے۔ وہاں ٹگ لوگ (TAg Log) زبان میں لیکچر تھا۔ وہاں میں نے کئی نئی باتیں سیکھیں۔ ان باتوں سے نہ صرف میرے علم میں اضافہ ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں جاننے کے لئے جس سچائی کی تلاش میں تھا اس بارے میں بھی اطمینان حاصل ہوا۔ الحمدللہ، اسی رات وہاں میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں، دل کو کھول دیا، اپنی ذات اور اپنی روح کو اللہ کی مرضی کے حوالے کر دیا۔ اور پھر مجمع کے سامنے کلمہ شہادت پڑھ کر میں نے اللہ کے واحد اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی گواہی دی۔

قبولِ اسلام کے بعد گھر کے اندر مجھے کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ میری ماں اور میری بیوی میرے سخت مخالف ہو گئیں لیکن میں ان کے رویے پر کبھی مضطرب نہ ہوا۔ ان کا رویہ کوئی غیر متوقع نہ تھا کیونکہ وہ اسلام کے عقائد اور تعلیمات سے آگاہ ہی نہ تھیں۔ بذات خود جب میں اسلامی عقائد اور تعلیمات سے آگاہ نہ تھا تو مسلمانوں سے میرا رویہ بھی معاندانہ ہی تھا۔ اللہ، پیغمبروں خاص طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہ السلام کے بارے میں اسلام کیا کہتا ہے، میں نے انہیں تفصیل سے بتایا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بارے میں بھی بتایا۔ اللہ کا شکر ہے کہ کوئی زیادہ عرصہ نہ لگا اور وہ جلد ہی میرے نئے ایمان اور اسلام میں زندگی کو سمجھ گئیں۔ مشکل لمحات میں میری استقامت پر میری بیوی نے میری تعریف کی۔ اگرچہ تاحال عیسائی ہیں مگر اسلام کے بارے میں ان کی غلط فہمیاں بڑی حد تک دور ہو چکی ہیں۔

میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں جس نے صراط مستقیم کی طرف میری رہنمائی کی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں بھی آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں ہوتا۔ میں یوم الدین پر یقین رکھتا ہوں جس دن عقائد اور اعمال پر فیصلہ ہوگا۔ میں ان تمام لوگوں کو دعوت دیتا ہوں جو کھلا ذہن رکھتے ہیں، جن کے دل میں کسی مذہب سے نفرت اور عناد نہیں ہے کہ وہ اسلام کا مطالعہ کر کے اس کے عقائد اور تعلیمات کا دوسرے مذاہب سے موازنہ کریں۔ یقیناً وہ اسلام ہی کو ''دین حق'' پائیں گے۔ کوشش تو کریں، سچائی کھل کر سامنے آجائے گی۔ ہم اکثر کہتے ہیں کہ کوشش کرنے میں حرج ہی کیا ہے، تو پھر آپ بھی کوشش کر کے دیکھیں۔

امریکہ کی مجیدہ میکنتوش علی

(MAJEEDA McINTOSH ALI)

مجیدہ میکنتوش علی (MAJEEDA McINTOSH ALI) 1960ء کی دہائی کے وسط میں امریکہ میں Baptist Family میں پیدا ہوئیں اور 1999ء میں انہوں نے اسلام قبول کیا۔ ارکنساس یونیورسٹی سے انہوں نے کمپیوٹر سائنس میں بیچلر ڈگری حاصل کی۔ گریجوایشن کے بعد انہوں نے فیڈرل ایوی ایشن ایڈمنسٹریشن میں شمولیت اختیار کی۔ کچھ عرصہ بعد مجیدہ نے فیڈرل گورنمنٹ کی ملازمت چھوڑ دی تا کہ امریکہ میں تارکین وطن اور مہاجر آبادی کی بہتر مدد کر سکے۔ مزید یہ کہ بوئنگ اور مائیکرو سافٹ جیسی کمپنیوں میں ملازمت کے لئے مطلوبہ مہارت حاصل کرنا بھی اس کے پیش نظر تھا۔ انہوں نے تارکین وطن کی تشکیل کی گئی ایک نئی تنظیم کے ساتھ بھی کام کیا۔ اس کے بعد مجیدہ نے انگلش اور Creative Writing میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے یونیورسٹی آف سنٹرل اوکلھوما میں گریجوایٹ اسسٹنٹ کے طور پر کام کیا۔ وہ انٹرنیشنل سٹوڈنٹس کو ''مضامین وغیرہ لکھنا'' کے بارے میں پڑھاتی رہی ہیں۔ وہ یونیورسٹی کی ''آن لائن رائٹنگ لیب'' کو چلانے کی بھی ذمہ دار رہی ہیں۔ وہ یونیورسٹی کی کئی کانفرنسوں میں بھی شرکت کر چکی ہیں۔ ان کے اسلام قبول کرنے کی روداد ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ اسلام کی طرف میرے سفر کا آغاز اس وقت ہوا جب

میں ابھی نوعمر تھی۔ ایک پر تشدد ظلم و جرم کے واقعہ کا شکار ہونے کے بعد میں سخت حیران تھی کہ ایسا خوفناک واقعہ بھی میرے ساتھ پیش آ سکتا ہے۔ مجھے اس بات پر بھی حیرانی تھی کہ یہ کیسا خدا ہے جس کے سامنے اس طرح کا ظلم ہوتا ہے اور بدی کا وجود قائم ہے۔ میں کیتھولک سکول میں پڑھتی تھی۔ میں نے بپٹسٹ چرچ (Baptist Church) اور کیتھولک سکول دونوں جگہ سوالات پوچھے مگر مجھے عجیب و غریب اور طلسماتی کہانیوں جیسے جواب ملے جو مجھے مطمئن نہ کر سکے، تاہم میں عیسائیت میں پائے جانے والے تضادات سے آگاہ ضرور ہوگئی۔ میں نے اللہ کے حضور مدد کے لئے دعا کی۔ مجھے یقین ہے کہ میری یہ دعا اس طرح پوری ہوئی کہ میرے اندر مطالعہ کا شوق ابھرا اور مطالعہ کئے جانے والے مواد کو سمجھنے کی قابلیت پیدا ہوئی۔ جب میں سیکنڈ گریڈ میں تھی تو میرے سکول نے انکشاف کیا کہ میں اپنی عمر سے تقریباً پانچ سال آگے پڑھ سکتی ہوں۔ جو کتاب بھی مجھے ملی میں نے پڑھ ڈالی۔ ان میں زیادہ تر کتب ممالک اور مذاہب کے بارے میں تھیں۔ بدھ ازم، ہندو ازم، کنفیوشس ازم کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ میں نے رومن، یونانی اور مصری دیو مالائی مذاہب وغیرہ کو بھی پڑھا۔ تاہم ان مذاہب کے فلسفہ میں مجھے اپنے سوالوں کا جواب نہ ملا۔

جب میں تقریباً دس سال کی تھی تو عیسائیت کی ایک اور تعبیر میرے سامنے آئی۔ میرے والدین نے Jehovah's Witnesses فرقے میں شمولیت اختیار کر لی۔ گھر میں بائبل کا باقاعدہ مطالعہ ہوتا اور میں اس میں شریک ہوتی۔ اللہ کے بارے میں میرے ذہن میں بے شمار سوالات تھے جو میں پوچھتی۔ میرے سوالات سے تنگ آ کر مجھ پر بائبل کے مطالعہ کے پروگرام میں شریک ہونے پر پابندی لگا دی گئی۔ اس کے باوجود میں نے بائبل کا مطالعہ باقاعدگی سے جاری رکھا لیکن میں کبھی مطمئن نہ ہوئی۔

کئی سال بعد کی بات ہے کہ میں کالج سے گھر آئی اور اپنے والدین کو بتایا:

"Jehovah's Witnesses میں جو کچھ سکھایا جاتا ہے اس پر ایمان رکھنے کے لئے میں مزید تیار نہیں۔ میرے اندر کوئی ایسی چیز ہے جو عیسائیت خاص طور پر اس کی تعبیروں کو درست نہیں سمجھتی"۔ اگرچہ میں اب عیسائی چرچ باقاعدگی سے نہیں جا رہی تھی لیکن اللہ

تعالیٰ کی ذات پر میرے یقین میں کوئی انقطاع نہیں آیا تھا' تاہم میں نے سائیکالوجی اور سوشیالوجی کا مطالعہ شروع کیا تا کہ جان سکوں کہ بعض انسان اس قدر برے کیوں ہوتے ہیں۔ بدی اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں میرے بنیادی سوال تاحال لاجواب تھے۔ اتفاق سے کالج کے بعد صورت حال میں میرے لئے تبدیلی آئی۔

کالج چھوڑنے کے بعد جب میں نے پہلی ملازمت شروع کی تو مسلمانوں سے میرا پہلا رابطہ ہوا۔ چونکہ اسلام کے بارے میں میرا مخصوص امریکی نقطہ نظر تھا کہ سارے مسلمان دہشت گرد ہیں' اس لئے میں نے مذہب کے بارے میں ان میں سے کسی سے کوئی بات نہ کی۔ تاہم جب میں اپنے ساتھی مسلمان ورکرز کو جان گئی تو مسلمانوں کے بارے میں میرا رویہ تبدیل ہو گیا۔

کوئی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ میں نے مسلمان مرد سے شادی کر لی۔ جس وقت میں نے شادی کی اس وقت مجھے اپنا مذہب تبدیل کرنے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ پھر میں اپنے خاوند اور بچے کے ساتھ ایک دوسرے شہر چلی گئی جہاں میں نے مسلمانوں کی ہمسائیگی میں رہنے کا فیصلہ کیا کیونکہ مجھے ان کی ''اقدار'' بہت پسند تھیں۔ میں اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کی مذہبی عبادات' تعبیریں' علم اور اقدار ایک ہی جیسی تھیں۔

میں اپنے نئے ہمسایوں میں ایک مسلمان عورت اور اس کی فیملی کی دوست بن گئی۔ میں ان کی محبت وشفقت سے بہت متاثر ہوئی۔ انہوں نے مجھے ایک مقامی مسجد میں بچوں کی عربی اور قرآن کلاس کے بارے میں بتایا اور پوچھا کہ کیا میں اپنے بچے کو وہاں بھیجنا چاہتی ہوں۔ یہ پوچھنے کا ان کا اصل مقصد کیا تھا میں کچھ نہ سمجھ سکی۔ لیکن میں نے اپنے بچے کو وہاں جانے دیا کیونکہ کوئی بھی دوسری زبان سیکھنا ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔ ایک دن کوئی بڑا بچہ اپنی کتاب میری کار میں چھوڑ گیا۔ واپس کرنے کے بجائے میں نے کتاب کو اپنے پاس رکھا اور پڑھا۔ جو باتیں میں نے پڑھیں' نہ تو میں سب کو سمجھ سکی اور نہ مجھے ہر بات سے اتفاق تھا۔ تاہم یہ ایک دلچسپ کتاب تھی اور پڑھنے کے بعد میں نے مذہب کے بارے میں دوبارہ سوچنا شروع کر دیا۔

تھوڑے ہی عرصے بعد اسی ہمسائی نے اپنے بچے کی پیدائش کے بعد مسجد میں ایک تقریب منعقد کی اور مجھے بھی دعوت دی۔ جب میں نے قرآن کی تلاوت کو سنا تو میں تڑپ اٹھی، میں جانتی تھی کہ یہی صحیح راستہ ہے مگر تا حال مذہب کو تبدیل کرنے کا ادراک نہ تھا' تاہم میرے اندر اسلام کو زیادہ سے زیادہ سیکھنے کی خواہش موجود تھی۔

اسی دوران میں میرے اور میرے خاوند کے درمیان مسائل پیدا ہوئے اور بالآخر ہم علیحدہ ہو گئے۔ علیحدگی کے ایک سال کے دوران میں پورا عرصہ میرے اندر ایک زبردست احساس رہا کہ اگر میں طلاق کا فیصلہ کرلوں تو کوئی حیران کن چیز میرے انتظار میں ہے لیکن میں اس کا تصور بھی نہ کرسکتی تھی کہ ایسی چیز سچ مچ بھی ہوسکتی ہے۔ یہ احساس آئندہ ڈیڑھ برس تک بھی میرے اندر موجود رہا۔ بالآخر میں نے تسلیم کرلیا کہ اب اپنی شادی کو بچانے کی کوئی امید نہیں رہی اس لئے طلاق کا فیصلہ کرلیا۔ طلاق کا فیصلہ کر لینے کے فوراً بعد میری زندگی میں مذکورہ بالا احساس کے ساتھ دیگر کئی تبدیلیاں بھی رونما ہونا شروع ہو گئیں۔ مثلاً ایک دن میرے اندر عربی زبان سیکھنے کی شدید خواہش پیدا ہوئی اگرچہ عملاً مجھے اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ میں لائبریری گئی۔ عربی زبان سیکھنے کی کتابیں' عربی زبان کی آڈیو کیسٹس اور عرب عوام کے بارے میں کتب لے آئی۔ بلاشبہ اس عمل نے مجھے اسلام کے راستہ پر ڈال دیا۔ میں کچھ نہ جانتی تھی کہ اس کے مجھ پر کس قدر اثرات مرتب ہوں گے۔ اس کے بعد میرے ذہن میں انٹرنیٹ پر جانے کا انوکھا خیال ابھرا تاکہ عربی زبان سیکھنے کے لئے عربی بولنے والے افراد کی مدد حاصل کروں۔

جس فرد سے بھی میں ملی اس نے پوچھا کہ کیا میں مسلمان ہوں اور میں عربی زبان کیوں سیکھنا چاہتی ہوں۔ میں انہیں کوئی جواب نہ دے پاتی کیونکہ میرا یہ فعل صرف احساسات کی بنیاد پر تھا جسے آسانی سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ کئی افراد نے ''اسلامک ویب سائیٹس'' کی طرف میری رہنمائی کی۔ اسی دوران میں میرا اپنے پسندیدہ بک سٹور پر بھی جانا ہوا جہاں میں اکثر جاتی ہوں' غیر متوقع میں نے وہاں قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ دیکھا۔ یہ مذہبی سیکشن میں نہیں بلکہ لٹریچر والے حصہ میں تھا۔ میں نے اسے خرید لیا کیونکہ اس بار میں

متجسس تھی کہ قرآن میں کیا لکھا ہے۔ میں نے قرآن کا مطالعہ کیا مگر تا حال میرے ذہن میں مسلمان ہونے کا خیال پیدا نہ ہوا۔ ایک رات میں حسب معمول سوئی، صبح کو جب اٹھی تو جان چکی تھی کہ مجھے بہر صورت اسلام قبول کرنا ہے۔ میں مسجد گئی، اپنی آمد کا مقصد بیان کیا اور کلمہ شہادت پڑھ لیا۔

جب میں مڑ کر اپنی زندگی میں پیچھے کی طرف دیکھتی ہوں تو مجھے نظر آتا ہے کہ میری زندگی میں کئی ایسے واقعات رونما ہوئے جو مجھے اسلام کی طرف لے گئے۔ جب میں بڑی ہو رہی تھی تو میرے والدین نے مجھے کبھی "بوائے فرینڈز" کے ساتھ ملنے نہ دیا۔ انہوں نے مجھے سگریٹ نوشی، شراب پینے اور پارٹیوں میں شریک ہونے کی بھی کبھی اجازت نہ دی۔ میرے اپنے اندر شرم وحیا کا جو قدرتی مادہ تھا اسکے باعث میں نے ہمیشہ ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے اور اپنے آپ کو جس حد تک ممکن تھا ڈھانپا۔ میں نے ہمیشہ اپنے آپ کو بیشتر امریکیوں بشمول اپنے گھر والوں سے مختلف محسوس کیا۔ میں اکثر حیران ہوتی کہ اس معاشرے میں میں فٹ کیوں نہیں ہوں۔ الحمدللہ اب میں مسلمان ہوں اور مکمل مطمئن ہوں۔

تعدد ازواج کے بارے میں مجیدہ میکنتوش علی کے خیالات

ایک مرد کا کئی بیویوں سے شادی کرنا تعدد ازواج کہلاتا ہے۔ اہل مغرب اور ان کے ہم نوا روشن خیال مسلمانوں کا اسلام پر یہ بھی اعتراض ہے کہ تعدد ازواج صریح ظلم و زیادتی ہے۔ یہ لوگ قرآن کے احکام کو نہیں جانتے یا دانستہ تجاہل عارفانہ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ قرآن نے چار شادیاں کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ بوقت ضرورت اجازت دی ہے اور وہ بھی انصاف سے مشروط ہے۔ محققین کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ نزول قرآن کے وقت لوگ غیر محدود بیویاں رکھتے تھے، بعض لوگوں کی دس دس بیس بیس بیویاں ہوتی تھیں اور قرآن نے اس تعداد کو چار تک محدود کر دیا۔ آئیں دیکھیں کہ نومسلمہ مجیدہ میکنتوش علی تعدد ازواج کے بارے میں کیا کہتی ہیں:

مجھے اعتراف ہے کہ اسلام قبول کرنے سے قبل میں تعدد ازواج کے صحیح تصور سے آگاہ نہ تھی۔ اس وقت تعدد ازواج کے نظریہ کی مخالفت میں میرے پاس بے شمار وجوہات تھیں۔

میرے زیادہ تر دلائل کا میدان مجنونانہ رقابت کے خوف سے لے کر میرے اس نظریہ تک تھا کہ جس طرح ایک ملک کی ایک ہی ملکہ ہوتی ہے اسی طرح ایک مرد کی ایک ہی بیوی ہونی چاہئے۔ چونکہ میری پرورش مغربی ماحول میں ہوئی تھی اس لئے میرے خیالات کی بنیاد عدم تحفظ کے احساسات تھے۔ طویل غور و خوض کے بعد تعدد ازواج کے بارے میں اب میرا ذہن بڑا واضح ہو چکا ہے۔ تعدد ازواج کے بارے میں کئی حقائق ایسے ہیں کہ ہمیں اپنی زندگی کا فیصلہ کرتے وقت ان پر لازماً غور کرنا چاہئے۔ میرے نزدیک امریکہ میں زن و مرد کا تناسب بھی ایک اہم حقیقت ہے۔ مردوں کی شرح پیدائش 49 فیصد جب کہ عورتوں کی 51 فیصد ہے۔ امریکہ کی کل آبادی 270 ملین سے زیادہ ہے۔ ایک عام حساب کے مطابق خواتین کی تعداد مردوں سے 30 لاکھ زیادہ ہے۔ امریکی خواتین کی ایک عمومی شکایت یہ ہے کہ انہیں شادی کے لئے کوئی مرد نہیں ملتا۔ خواتین کی ایک بڑی تعداد اڑتیس انتالیس سال کی عمر میں داخل ہو رہی ہے جن کی شادی کا کوئی امکان نہیں۔ ایسی عورتوں کے ساتھ شانہ بشانہ کام کرتے ہوئے میں نے مشاہدہ کیا ہے کہ ان میں مایوسی کی سطح انتہائی زبردست ہے جو خود ان کے لئے اور دوسروں کے لئے بھی خطرناک ہے۔ جب سوسائٹی میں غیر شادی شدہ عورتوں کی آبادی بہت زیادہ ہو گی تو تعدد ازواج کے بغیر یہ ہمارے لئے کسی نہ کسی خطرے کا باعث ہی ہے۔

یہ امکان تو ہمیشہ ہے کہ ہم کسی حادثہ میں مستقل معذور ہو جائیں، بار آوری میں مشکلات کا سامنا ہو، خاوند کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ ہم بہت سی باتوں کو نہیں جانتے جن کو صرف اللہ جانتا ہے، اس نے تعدد ازواج کی اجازت دی ہے تو یقیناً اس میں حکمت اور خواتین کی بھلائی ہو گی۔ اس لئے عقل کا تقاضا یہی ہے کہ ہم کسی چیز کو کبھی خارج از بحث قرار نہ دیں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم اپنے آپ کو ممکنہ غیر متوقع صورتحال کے لئے تیار کریں۔ ایک عورت کو سوچنا چاہئے کہ کسی بدقسمت واقعہ کی صورت میں اس کے لئے کیا بہتر ہے یعنی سوکن یا دوسرے مسائل۔ تعدد ازواج کو بعض کلچرل گروپوں کے لئے قبول کرنا مشکل ہے۔ مغربی طرز معاشرت رکھنے والی خواتین کو گمراہ کیا گیا ہے کہ محبت اور شادی ملکیتی چیزیں

ہیں۔ مغربی کلچر خواتین کے ذہن میں یہ بات بھی بٹھاتا ہے کہ مردوں کو عورتوں کی پوجا کرنی چاہیۓ۔ عشق و پوجا کا یہ تصور تعدد ازواج کو مسترد کرتا ہے کیونکہ یہ اس فلاسفی سے براہ راست ٹکراتا ہے جس میں بتایا جاتا ہے کہ مردوں کی کائنات کا مرکز عورت ہے اور اپنی جاگیر میں ایک عورت کسی دوسری کو اپنا حصہ دار نہیں بنا سکتی۔ تاہم اس رومانوی تصوراتی فلسفہ کے پردوں کے پیچھے مغرب کے کلچر میں عورت دو طرح کا کردار ادا کر رہی ہے۔ ایک عورت ''گھر میں فرشتہ'' کی صورت میں ہے تو دوسری جو اکثر داشتہ / ملازمہ ہوتی ہے ایک اخلاق باختہ عورت کا کردار ادا کر رہی ہوتی ہے۔ تعدد ازواج کا فلسفہ اس دوئیت کا خاتمہ کر دیتا ہے کیونکہ اس میں شادی کے ذریعے زن و مرد کے تعلقات کو قانونی حیثیت مل جاتی ہے۔

اگر کوئی عورت تعدد و ازواج کے نظریہ کو قطعاً پسند نہیں کرتی تو اسے ایسے مرد سے شادی کرنی چاہیۓ جو دوسری بیوی کا بوجھ ہی برداشت نہ کر سکے' لیکن سوال یہ ہے کہ اگر اللہ اسے امیر کرنے کا فیصلہ کر لے تو پھر یہ عورت کیا کرے گی؟

(بشکریہ : ریڈیئنس' بھارت)

تثلیث کا عقیدہ

عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم سے مرکب ہے' باپ' بیٹا اور روح القدس۔ اقانیم ثلاثہ میں بھی اختلاف ہے۔ بعض عیسائی فرقوں کے نزدیک باپ' بیٹا اور کنواری مریم اقانیم ثلاثہ ہیں جب کہ دوسرے باپ' بیٹا اور روح القدس کو اقانیم ثلاثہ مانتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا تثلیث کی تعریف اسطرح کرتا ہے: ''تثلیث کے عیسائی نظریہ کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ باپ خدا ہے' بیٹا خدا ہے اور روح القدس خدا ہے۔ یہ تین مل کر تین خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہے۔ اسلیئے کہ عیسائی نظریہ کے مطابق ہم جسطرح ان تینوں میں سے ہر اقنوم کو خدا اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں اسی طرح ہمیں کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کر دی ہے کہ ہم ان کو تین آقا اور خدا سمجھنے لگیں''۔ سوال یہ ہے کہ جب باپ' بیٹا اور روح القدس یا کنواری مریم میں سے ہر ایک کو خدا مان لیا گیا اور ہر ایک کو مستقل بالذات وجود تسلیم کر لیا گیا تو خدا ایک کہاں رہا؟ یہ اتنا پیچیدہ نظریہ ہے کہ اسے عیسائی عالم بھی نہیں سمجھتے اور اعتراف کرتے ہیں کہ نظریہ تثلیث انسانی سمجھ سے بالاتر ہے۔ عقیدہ تثلیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے 325 سال بعد عیسائیوں میں مروج ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا وجود مجھ پر کیسے ثابت ہوا؟

برطانیہ کے لی کوپر کے قبولِ اسلام کی روداد

اسلام سے میرا پہلا رابطہ اس وقت ہوا جب میرے برطانوی آجر نے مراکش میں ایک پراجیکٹ کا کام مجھے تفویض کیا۔ مجھے ایک سافٹ ویئر ڈویلپرز ٹیم کے سربراہ کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اس ٹیم نے مراکش کے دوسرے بڑے ٹیلی وژن اسٹیشن 2۔ ایم کے طریقہ کار اور کمپیوٹر پروگرامز کو مکمل کرنا تھا۔ یہ کام اکتوبر 1991ء میں شروع ہوا اور چند مہینوں میں کامیابی سے مکمل ہو گیا۔

میں اس کام کے لئے کیوں منتخب کیا گیا؟' میں آج تک اسے نہیں جان پایا اور اسے قسمت کا لکھا ہی سمجھتا ہوں۔ میرے کئی رفیق کار اس سافٹ ویئر کے خصوصی کام کو مجھ سے کہیں زیادہ بہتر سمجھتے تھے اور ان کا ایک ضمنی فائدہ یہ بھی تھا کہ وہ فرانسیسی زبان بول سکتے تھے' اس کے باوجود اس پراجیکٹ کے لئے مجھے وہاں جانے کے لئے کہا گیا اور میں چلا گیا۔ ایک شوقین سیاح کی حیثیت سے میرا مصمم ارادہ تھا کہ جس قدر ممکن ہو اس ملک کو زیادہ سے زیادہ دیکھوں اور یہاں کی ثقافت کا زیادہ سے زیادہ مشاہدہ کروں۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے اپنا بیشتر فالتو وقت کا سابلانکا میں گھومتے' رباط اور مراکش شہر کی طرف ریل کے سفر میں گزارا۔ میرے پاس وہاں کی نہایت سہانی اور دلکش یادیں ہیں' ان لوگوں کی یادیں جن سے میں مراکش میں ملا اور ان جگہوں کی یادیں جنہیں میں نے دیکھا۔

اسے میری خوش قسمتی ہی کہیئے کہ سفر کے دوران میں مجھے افریقہ کی سب سے بڑی مسجد ''شاہ حسن ثانی مسجد'' دیکھنے کا موقع ملا جو اس وقت زیر تعمیر تھی۔ میرا گائیڈ مجھے یہ بتاتے ہوئے بہت ہی خوشی کا اظہار کر رہا تھا کہ مسجد کی تکمیل کے بعد مسجد کے مینار سے چھوڑی گئی لیزر لائٹ خانہ کعبہ کی طرف رہنمائی کرے گی۔

مراکش میں قیام کے دوران میں ہر روز مجھے پانچ وقت اذان سننا پڑی۔ اذان کے چند ہی لمحوں بعد بڑی تعداد میں مسلمان جوش و خروش کے ساتھ مسجد کی طرف جاتے دکھائی دیتے۔ قدرتی طور پر میرے لئے ایک متجسس صورت حال تھی لیکن عربی اور فرانسیسی زبان نہ جاننے کی مجبوری کے باعث میں اپنی متجسس خواہش کو بیان نہ کرسکتا تھا کہ ذہن میں پیدا ہونے والے اپنے سوالوں کے جواب حاصل کرسکوں۔ وہ مسجد کیوں جاتے ہیں؟ 'یہ'' اللہ اکبر'' کیا ہے جو میں روزانہ سنتا ہوں؟ مراکش میں اسلام کے بارے میں جو سوالات میرے ذہن میں پیدا ہوئے' بدقسمتی سے ان سوالات کے جواب اس وقت بھی میرے لئے نامعلوم تھے جب میری انگلستان واپسی کا وقت آ گیا۔

اسلام کے بارے میں میرا تجسس انگلستان میں بھی برقرار رہا۔ اب میرے ذہن میں پہلے سے کہیں زیادہ اسلام کے بارے میں سوالات پیدا ہو چکے تھے۔ کوئی فرد نہیں تھا جس سے میں یہ سوال پوچھ سکتا۔ قریب ترین مسجد بھی میرے گھر سے کئی میل دور ساؤتھمپٹن کے مضافات میں تھی۔ اور دیانتداری کی بات یہ بھی ہے کہ میں انگلستان میں مذہبی سوالات آسانی سے نہیں پوچھ سکتا تھا کیونکہ مجھے ان لوگوں کی طرف سے مسلسل پریشانی کا خوف تھا جن سے میں یہ سوالات پوچھتا اور پھر میرا اسلام قبول کرنے کا کوئی ارادہ بھی نہیں تھا' میں تو صرف اپنے تجسس کا اطمینان چاہتا تھا۔

1993ء میں اسلامی تاریخ کے متعلق میں نے ساؤتھمپٹن یونیورسٹی میں شام کے ایک کورس میں داخلہ لے لیا۔ چند ہفتوں بعد میں نے ایک عربی کورس بھی پڑھنا شروع کر دیا۔ اسلامی تاریخ کا کورس زیادہ عرصہ تک جاری نہ رہ سکا اور یونیورسٹی نے عمومی عدم دلچسپی کے باعث دو ماہ بعد ہی اسے منسوخ کر دیا۔ کورس میں ہم دو ہی لڑکے تھے' منسوخی سے ہمیں سخت

مایوسی ہوئی۔ لیکن مراکش میں قیام کے دوران میں اسلام کے بارے میں میرے ذہن میں جو سوالات اٹھے تھے کم از کم ان کے جواب حاصل کرنے کا مجھے ایک موقع ضرور مل گیا۔ عربی کا کورس تقریباً دو تین ماہ تک جاری رہا اور مجھے اعتراف ہے کہ میں نے اسے بہت ہی مشکل پایا۔ اس طرح میری پڑھائی میرے اپنے باعث ہی ختم ہوگئی۔

1994ء میں برطانیہ میں ایک ریکروٹمنٹ کنسلٹنٹ نے مجھ سے رابطہ کیا جس کے پاس میں نے مراکش سے واپس آنے کے فوراً بعد رجسٹریشن کرائی تھی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں کویت میں کام کرنا پسند کروں گا؟ میرے لئے یہ ایک اہم موقع تھا جسے ضائع کرنے کے لئے میں تیار نہ تھا اور اپنے نئے آجر کے بارے میں جانے بغیر ہی میں نے اپنا ذہن تیار کرلیا کہ میرا مستقبل کویت میں ہے۔

لندن ہیتھرو ائر پورٹ پر ناشتہ انٹرویو پر حسب ضابطہ اپنی ذمہ داری قبول کرنے کے فوراً بعد ایک اندھے خوف نے مجھے اچانک آدبوچا۔ مجھے یاد ہے کہ چند لمحوں کے لئے ہر چیز سیاہ نظر آنے لگی اور میں سخت دہشت زدہ ہوگیا۔ میں سوچنے لگا کہ میں نے کیسا اقرار کرلیا ہے؟ جو عرب صحرا دو سال قبل تک جنگی زون کا مرکز تھا وہاں کام کرنے کے لئے میں انگلستان کی محفوظ، مستحکم اور معمول کی پرسکون زندگی کو کیوں چھوڑ رہا ہوں' یہ جانتے ہوئے بھی کہ صحرائی بچھو اور سانپ میرے انتظار میں ہیں' میں وہاں اپنے خیمے کے اندر رات کو کیسے سوسکوں گا؟ جنگ خلیج کے دوران میں کویت کے بارے میں کئی ٹیلی وژن فلمیں دیکھنے کے باوجود کویت کے متعلق میرا علم لارنس آف عربیہ کے خیالات سے شروع ہوکر وہیں ختم ہو جاتا تھا۔ میں دوبارہ کہوں گا کہ میری تقدیر ہی مجھے کویت لائی اور یہ اللہ تعالیٰ ہی کے منصوبہ کا ایک حصہ تھا۔

جون 1994ء میں مجھے ایئر پورٹ سے کویت کے پلازہ ہوٹل لے جایا گیا جہاں میں نے ایک ماہ تک قیام کیا کیونکہ جو اپارٹمنٹ مجھے دیا گیا تھا پانی ٹپکنے کے باعث وہ خراب ہو چکا تھا۔ مراکش کی طرح یہاں بھی میں نے اپنا بیشتر فالتو وقت کویت شہر میں گھومتے پھرتے گزارا باوجود کہ یہاں کا درجہ حرارت 30 سینٹی گریڈ سے زیادہ تھا۔ میں تقریباً روزانہ آئی پی

سی (اسلام پریزینٹیشن کمیٹی یعنی دعوت اسلام کمیٹی) کے دفتر اور بک شاپ کے پاس سے گزرتا مگر میرا کبھی وہاں جانا نہ ہوا کیونکہ اس وقت اسلام کے بارے میں کوئی فوری سوالات میرے ذہن میں نہیں تھے۔ بعد ازاں میں نے اسلام کے متعلق KTV2 سے ٹیلی وژن پروگرام دیکھنے شروع کر دیئے اور میں 2-4ISLAM (2447526) ٹیلی فون نمبر سے شناسا ہو گیا۔ اگرچہ مجھے فوری طور پر وہاں فون کرنے کا کوئی شوق نہ تھا مگر میرے ذہن میں یہ نمبر بیٹھ گیا اور 1994ء سے لیکر آج تک مجھے یہ یاد ہے۔

ان ٹیلی وژن پروگراموں کو دیکھنے اور ان دیکھے ہوئے پروگراموں کے بارے میں اپنے کویتی رفیقان کار سے سوالات پوچھنے سے ایک بار پھر اسلام میں مجھے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ یہ 1995ء کی بات ہے کہ میں نے سوچا کہ یہی وقت ہے کہ مجھے کسی بک شاپ پر جانا چاہیے۔ میں نے ہیکل کی لکھی ہوئی کتاب ''حیات محمد'' خریدی اور اسے پڑھنا شروع کیا۔ اس کتاب کے پڑھنے سے ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون تھے؟'' کے بارے میں ایک مبہم تصویر ذہن میں ابھرنے لگی مگر اس مرحلے پر بھی میں یہ ماننے کو تیار نہ تھا کہ خدا کا کوئی وجود ہے۔ جن لوگوں کے ساتھ میں کام کرتا تھا میرے خیال میں وہ بہت اچھے اور دیانت دار لوگ تھے۔ میں سوچنے لگا کہ جب میں جانتا ہوں کہ وہ دانستہ اسلام کے بارے میں مجھے دھوکہ نہیں دیں گے تو پھر میں ان باتوں پر یقین کیوں نہیں کرسکتا جو وہ مجھے بتاتے ہیں۔ کوئی فرد مغرب کے ملحد پر یہ کیسے ثابت کرسکتا ہے کہ (1) کوئی خدا ہے (2) اور وہ خدا یسوع نہیں ہے۔

میرا تعلق ان افراد کی نسل سے ہے جنہیں سکولوں میں مذہب کے بارے میں پڑھایا گیا لیکن انہوں نے کبھی اس پر عمل نہ کیا۔ انہوں نے کبھی دعا کی نہ عبادت، انہوں نے کبھی مذہب کو مکمل طور پر نہ سمجھا اس لئے انہوں نے کبھی اس پر ایمان و یقین بھی نہ رکھا۔ یہ وقت تھا جب میں نے سوچا کہ میں کسی پیشہ ور ماہر کی مدد حاصل کروں لیکن ابھی نہیں۔ مجھے دو ہفتہ کی چھٹی پر کرسمس منانے انگلستان جانا تھا اور میں کسی فرد کو یہ پروگرام خراب کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا خواہ وہ کتنی ہی نیک نیت کیوں نہ رکھتا ہو۔

انگلینڈ میں قیام کے دوران میں، میں نے فیصلہ کیا کہ کویت واپسی پر میں آئی پی سی سے رابطہ کروں گا۔ میں جانتا تھا کہ ثقافتی سرگرمیاں اور عربی زبان سکھانا ان کے پروگرام میں شامل ہے۔ میں عربی زبان کی کلاس دوبارہ شروع کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ جنوری 1996ء کے آخر میں ای میل کے ذریعے آئی پی سی کے ساتھ پہلی بار مراسلت کی گئی۔ پہلی نشست آئی پی سی کے محقق مسٹر عبدل اور آئی پی سی کے چیئر مین مسٹر عبدالوہاب کے ساتھ ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ یہ میٹنگ اسلام کی دعوت پیش کرنے کی شکل اختیار کر لے گی اور وہ لوگ مجھے اسلام قبول کرنے کے لئے کہیں گے مگر انہوں نے کہا کہ اسلام میں کوئی جبر نہیں، اس لئے وہ کوئی نظریہ مجھ پر نہیں ٹھونسیں گے اور وہ صرف اسلام کے بارے میں میرے سوالات کے جواب دیں گے۔ مطالعہ کے باوجود میں کسی خدا پر یقین نہیں رکھتا تھا، میں کسی یسوع اور اللہ کو نہ مانتا تھا، اس لئے میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں بات کہاں سے شروع کروں۔

کئی نشستوں کے بعد میں نے ان سے پوچھا کہ وہ ثابت کریں کہ کوئی خدا ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے جو جامع اور بہترین شہادت پیش کی وہ ''قرآن اینڈ ماڈرن سائنس'' کے عنوان سے مورس بوکائے کا لکھا ہوا ایک کتابچہ تھا۔ اس کتابچے میں، میں نے قرآن مجید کے کچھ اقتباسات (آیات) دیکھے تو میں حیران رہ گیا کہ کرۂ ارض کا ایک زندہ انسان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صرف چھ سو سال بعد یہ سب کچھ کیسے لکھ سکتا ہے۔ مثلاً سورہ الرحمٰن کی آیت نمبر 33 میں خلا کی تسخیر کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اے گروہ جن وانس، اگر تم زمین اور آسمانوں کی سرحدوں سے نکل کر بھاگ سکتے ہو تو بھاگ دیکھو، نہیں بھاگ سکتے، اس کے لئے بڑا زور چاہئے''۔ سورۃ الانبیاء کی آیت 33 میں زمین کی گردش کا ذکر ہے۔ اس زمانے میں لوگوں کا یقین تھا کہ زمین چپٹی ہے مگر قرآن نے بتایا: ''اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن بنائے اور سورج اور چاند کو پیدا کیا، یہ سب اپنے مداروں پر چل رہے ہیں''۔

اس کتاب کے مطالعہ سے میری توجہ اپنے اردگرد پر بھی مرکوز ہوئی اور میری آگاہی

میں اضافہ ہوا' خاص طور پر میں آکسیجن کے وجود کے بارے میں سوچنے لگا۔ ہم اسے نہ دیکھ سکتے ہیں' بے بو ہونے کے باعث سونگھ کر محسوس بھی نہیں کر سکتے' اسے سن بھی نہیں سکتے اور نہ اسے چھو سکتے ہیں' اس کے باوجود یہ ہماری زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے اور ہم مانتے ہیں کہ اس کا وجود ہے تو پھر ایسی ہی صفات کے ساتھ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ خدا کا بھی وجود ہو؟ اس موقع پر میرے ذہن میں ایک اور سوال اٹھا کہ اگر خدا نے دنیا کو پیدا نہیں کیا تو پھر کس نے پیدا کیا ہے۔ کیا یہ "BIG BANG" کے باعث پیدا ہوئی تو پھر اس ''بگ بینگ'' کو کس نے پیدا کیا۔ میرے ذہن کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اب اللہ تعالیٰ کے وجود کو تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی اور راستہ بھی نہ تھا۔ کسی نے اللہ تعالیٰ کے وجود کو مجھ پر ثابت نہ کیا' یہ تو میں نے خود ثابت کیا۔ یہ فیصلہ تو ہو چکا کہ خدا موجود ہے مگر ایک فیصلہ ابھی باقی تھا کہ ''کونسا خدا؟''۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''خدا'' مانا جائے؟ جب سکول میں بائبل پڑھ رہا تھا تو میں نے اس وقت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''خدا'' نہ مانا تھا' اب بھی میرے پاس ایسی کوئی وجہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانوں۔ اس کے برعکس میرے پاس جو کتاب 'قرآن مجید' ہے اس میں سائنسی حقائق یہ ثابت کر رہے ہیں: ''کوئی خدا نہیں مگر اللہ''۔ مزید براں میں نے بائبل کے اندر بھی کئی آیات کو ڈھونڈا ہے جن میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ یسوع مسیح خدا نہیں تھا۔ میں حیران ہوں کہ اپنی ہی مقدس کتاب (بائبل) میں ان آیات کو پڑھنے کے بعد عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کیسے مانتے ہیں۔ مثلاً متی میں ہے: ''اور یسوع نے ان سے کہا ''تم مجھے خدا کیوں کہتے ہو؟' کوئی خدا نہیں ہے سوائے خدائے واحد کے''۔ یوحنا کے باب نمبر 5 میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا''۔ یوحنا ہی کے باب نمبر 14 میں ہے ''اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار (یعنی محمدؐ) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا''۔

روزوں کا مہینہ ''رمضان'' آپہنچا۔ یہ وہی مہینہ ہے جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلی وحی نازل ہوئی تھی۔ آئی پی سی والوں کے ساتھ ہفتہ میں رات کو دو تین

ملاقاتیں ہو رہی تھیں۔ یہ ملاقاتیں الشایا دیوانیہ (Al-Shaya Diwaniya) یا پھر پلازہ ہوٹل کے کافی لاؤنج میں ہوتی تھیں۔ میں سوچنے لگا کہ یہ کیسا حیران کن اتفاق ہے کہ میں نے کویت میں اپنے شروع کے چند ہفتے اسی ہوٹل میں گزارے تھے۔ 29 رمضان المبارک 1416 ہجری (18 فروری 1996ء) کو' اسلام میں اپنی دلچسپی کے تقریباً 5 سال بعد میں اس فیصلے پر پہنچا کہ مجھے ایک اللہ پر ایمان لانا چاہئے اور یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ایک پیغمبر تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔ میں آئی پی سی کے دفتر میں دو اپنے دوستوں کی موجودگی میں اسلام قبول کرنے کے لئے تیار تھا۔ آئی پی سی کے چیئرمین نے میری رہنمائی کی۔ میں نے کلمہ شہادت کو ایک ایک لفظ کر کے پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے جس نے اسلام کی طرف میری رہنمائی کی' میں آئی پی سی والوں کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے سچائی کی تلاش میں میرے ساتھ تعاون کیا۔

(بشکریہ: ریڈینس شمارہ جولائی 21 تا 27'1996ء)

******
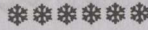
عہد نامہ جدید

عہد نامہ جدید جو خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر مشتمل ہے' حضرت عیسیٰؑ کی مزعومہ مصلوبیت کے بہت بعد مرتب ہوا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد عیسائی عہد نامہ قدیم کی پیروی کرتے رہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کے نام پر جو انجیلیں مرتب ہو رہی تھیں ان کی تعداد 270 تک پہنچ گئی تھی۔ غیر یہودیوں کے اس مذہب میں داخلے کے ساتھ بہت سے فرقے پیدا ہوئے۔ ہر فرقے کے پاس ایک انجیل تھی۔ 325 عیسوی کے بعد ان بے شمار انجیلوں میں سے ایک مذہبی کونسل نے چار انجیلوں کا انتخاب کیا۔ موجودہ عہد نامہ جدید چار انجیلوں پر مشتمل ہے۔ انجیل متی (Mathew) انجیل مرقس (Mark) انجیل لوقا (Luka) انجیل یوحنا (John)۔ ان اناجیل اربعہ کے علاوہ کچھ رسالے اور کچھ خطوط اس مجموعہ میں شامل ہیں جن کی مجموعی تعداد 22 ہے۔

جب مرغیوں نے ہمارا خدا توڑا تو سچائی مل گئی

لیونارڈ ولر (LEONARD VILLAR)

اسلام قبول کرنے سے پہلے میرا نام لیونارڈ ولر (LEONARD VILLAR) تھا۔ میں کیتھولک چرچ سے تعلق رکھنے والے ایک عیسائی گھرانے میں 4 دسمبر 1935ء کو پیدا ہوا۔ بطور بچہ میری پرورش میرے دادا اور دادی نے کی۔ انہوں نے مجھے اپنے عقائد سکھائے جن کی بنیاد نظریہ ''تثلیث'' پر تھی یعنی یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور وہ ہستی ہیں جن کی ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ عبادت کرتے ہیں۔

میرے مسلسل اصرار کے بعد انہوں نے مجھے انگلش سکول میں بھیجنا شروع کیا لیکن میں نے وہاں اپنی پڑھائی مکمل نہ کی۔ اس وقت میں تقریباً 5 سال کا تھا' پہلے تو سکول کے پرنسپل نے مجھے قبول ہی نہ کیا اور کہا کہ میں بہت چھوٹا ہوں مگر بالآخر انہوں نے یہ دیکھنے کے بعد کہ میں پڑھائی میں اپنے ہم عمروں سے کہیں زیادہ لائق اور ذہین ہوں مجھے سکول میں داخل کرلیا۔

ایک دن دوپہر کو میں سویا ہوا تھا اور گھر کا دروازہ کھلا تھا۔ مرغے اور مرغیاں گھر میں داخل ہوئیں تو میں خوف زدہ ہو کر اٹھ بیٹھا۔ میں نے تولیہ پکڑا اور انہیں مارنے لگا' وہ اڑ کر ان مورتیوں پر چلی گئیں جن کی طرف منہ کر کے ہم عبادت / پوجا کرتے تھے۔ وہ فرش پر گریں اور ٹوٹ گئیں جس سے مجھے اچانک پتہ چلا کہ وہ تو محض لکڑی کے مجسمے ہیں اور

''خدا'' نہیں ہیں۔ میں نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''تم صرف لکڑی ہو، تم خدا نہیں ہو جیسا کہ میرے والدین کا دعویٰ ہے۔ تم تو خود اپنی مدد نہیں کر سکتیں، اس لئے تم دوسروں کی مدد کس طرح کر سکتی ہو؟''۔ میں نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا فیصلہ کیا مگر میں بہت چھوٹا تھا اس لئے ڈر گیا کہ کہیں میرے دادا میری پٹائی نہ کر دیں۔ میں نے انہیں ان کی جگہ پر واپس رکھا۔ میں ان مورتیوں کے بارے میں مسلسل سوچنے لگا، مجھے یقین تھا کہ ایک سچا خدا (اللہ تعالیٰ) ضرور ہے جس نے کائنات کو پیدا کیا ہے۔

اگلی صبح میں نے اپنے دادا کو باہر بیٹھے ہوئے دیکھا تو ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ میں نے ان سے پوچھا: ''کیا یہ مورتیاں ''خدا'' ہیں؟''۔ انہوں نے کہا: ''نہیں، مگر عبادت کے وقت ہم انہیں مرکزِ نگاہ و خیال اور ماسکہ بناتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ جیسے ہم خدا کے سامنے ہیں''۔ میں خاموش رہا اور اس جواب سے میرے ذہن میں جو سوال ابھرے ان کا اظہار نہ کیا۔

جنگ عظیم دوم کے خاتمے سے پہلے 1943ء میں مجھے ایک کتاب ''انجیل برناباس'' ملی جس میں، میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب کلام کو پڑھا، اس کلام کا واضح مطلب یہ تھا کہ ''تمہارا خدا ہی میرا خدا ہے اور تمہارا آقا ہی میرا آقا ہے''۔ میں تو اس پر حیران رہ گیا کیونکہ یہ ہمارے عقائد کے بالکل برعکس تھا اور عقیدہ تثلیث کی جڑ کاٹتا تھا۔ اس وقت میں 9 سال سے زیادہ عمر کا نہ تھا، میں نے سوچا کہ شاید میں صحیح سمجھ ہی نہیں پایا۔ میں نے اپنے دادا سے پوچھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس کلام سے کیا مراد ہے لیکن انہوں نے میرے سوال کا جواب نہ دیا اور کہا: ''اس کتاب کو مت پڑھیں، یہ تمہیں گمراہ کر دے گی اور تمہیں تمہارے مذہب سے باہر لے جائے گی، اس کا مصنف عیسائی نہیں ہے''۔ میں نے پوچھا: ''کیا ہمارے مذہب کے علاوہ بھی کوئی اور مذہب ہے؟''۔ انہوں نے بتایا: ''ہاں''۔ میں نے پوچھا: ''کیا ہمارے خدا کے علاوہ بھی کوئی خدا ہے؟''۔ انہوں نے کہا: ''نہیں''۔ میں نے پوچھا: ''کیا ہمارے مذہب سے کوئی بہتر مذہب ہے؟'' انہوں نے کہا: ''نہیں، ہمارا مذہب ان کے مذہب سے بہتر ہے بلکہ ہمارا مذہب سب مذاہب سے بہتر ہے''۔

میں نے پوچھا: ''آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟''۔ انہوں نے کہا: ''میں ٹھیک جانتا ہوں' میں تمہیں انتباہ کرتا ہوں کہ اس کتاب کو مت پڑھیں''۔ میں خاموش رہا اور نہیں جانتا تھا کہ مجھے کیا کہنا چاہئے۔ اس کے بعد میں نے اپنی دادی' اپنے باپ' اپنی ماں اور چچاؤں سے پوچھا لیکن جواب ایک ہی تھا: ''اس کتاب کو مت پڑھیں''۔ میرے لئے یہ جواب حیران کن تھا کہ اس کتاب میں آخر کونسی سیکرٹ بات ہے؟' وہ مجھے اسے نہ پڑھنے کے لئے کیوں کہہ رہے ہیں؟' کیا کوئی اپنے مذہب کے بارے کچھ ایسا کہہ سکتا ہے جس میں اپنے خالق کے بارے میں اس نے جھوٹ بولے ہوں؟' اگر میں اس کتاب کو پڑھ لوں گا تو کیا ہوگا؟' اور دیگر کئی سوال میرے ذہن میں گردش کرنے لگے۔ بالآخر میں نے ارادہ کرلیا کہ میں اس کتاب کو چھپا کر اپنے کمرے میں پڑھوں گا اور میں نے اسے بار بار پڑھا۔ میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب کے بارے میں تحقیق شروع کر دی۔ 1947ء میں' میں نے سکول چھوڑ دیا اور مذہبی رسومات و عبادات میں بھی جانا ترک کر دیا۔ میں ایک گھر میں گیا جہاں ایک بوڑھا آدمی رہتا تھا۔ میں نے اس سے گزارش کی کہ وہ مجھے ان پیغمبروں کی داستانیں سنائے جن کو وہ جانتا ہے مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام' حضرت سلیمان علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام۔ میں نے مذہب کے بارے میں بھی اس سے چند سوال پوچھے۔

جب میرے باپ کو معلوم ہوا کہ میں نے پڑھائی چھوڑ دی ہے تو وہ سخت ناراض ہوئے اور مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دی۔ ان کا غصہ اس وقت مزید بڑھ گیا جب انہیں معلوم ہوا کہ میں اتوار کو چرچ جانا بھی بند کر چکا ہوں۔

میں نے سچائی کی تلاش کا کام جاری رکھا' ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک جزیرے سے دوسرے جزیرے پر جانے لگا۔ بغیر تھکے میرا یہ سفر سترہ سال تک جاری رہا۔

1963ء میں منڈاناؤ کے شہر ماراوی پہنچا جو جنوبی فلپائن میں واقع ہے اور مسلم آبادی رکھتا ہے۔ میری یہ عادت بن گئی تھی کہ جب بھی میں کسی نئے شہر میں پہنچتا تو پہلی عمارت جس میں داخل ہوتا وہ کوئی عبادت گاہ ہوتی' اس لئے یہاں میں ایک مسجد میں چلا گیا۔

مسلمان نماز مغرب ادا کر رہے تھے، میں ان کی نماز ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ نماز ختم ہوئی تو میں مسجد کے امام سے ملا۔ لوگ ہمارے گرد اکٹھے ہو گئے۔ میں نے امام سے پوچھا: ''آپ ابھی کیا کر رہے تھے؟''۔ اس نے بتایا: ''ہم نماز ادا کر رہے تھے''۔ میں نے پوچھا ''کیا یہ آپ کا مذہب ہے؟''۔ اس نے کہا ''ہاں''۔ میں نے پوچھا کہ آپ اپنے مذہب کو کس نام سے پکارتے ہیں؟''۔ اس نے بتایا: ''اسلام''۔ میں نے پوچھا: ''آپ کا آقا کون ہے؟''۔ اس نے بتایا: ''اللہ''۔ میں نے پوچھا: ''تمہارا پیغمبر کون ہے؟'' اس نے بتایا: ''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم''۔ میں نے توقف کیا کیونکہ میں یہ پہلی بار سن رہا تھا۔ میں نے سوچنا شروع کر دیا، تب میں نے اس سے پوچھا: ''مسیح کے بارے میں آپ کیا سوچتے ہیں؟''۔ اس نے بتایا: ''وہ عیسیٰ ابن مریم ہیں (دونوں پر اللہ کی سلامتی اور رحمت ہو) وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں''۔ میں نے پوچھا: ''ان کا مذہب کیا تھا؟''۔ اس نے بتایا: ''اسلام...... کیونکہ تمام پیغمبروں کا مذہب اسلام ہی تھا''۔ تب میں نے محسوس کیا کہ یہاں طویل گفتگو مناسب نہیں اور میں اس شہر میں ایک اجنبی بھی تو تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: ''کیا اسلام کے بارے میں آپ کے پاس ایسی کوئی کتاب ہے جسے میں پڑھ سکوں''۔ اس نے مجھے انگریزی زبان میں تین کتابیں دیں۔ ان میں ایک کتاب احمد غلوعاش (A-GHILWAASH) کی ''دی ریلیجین آف اسلام'' تھی۔ دوسری کتاب عبداللہ یوسف علی کا ترجمہ قرآن مجید تھا۔ تیسرا ''عقیدہ'' کے بارے میں ایک کتابچہ تھا۔

اس کے بعد میں مسجد سے نکل آیا اور جس جگہ مجھے ٹھہرنا تھا وہاں چلا گیا۔ میں نے دس روز تک پہلی کتاب کا سرورق سے لے کر آخر تک خوب باریک بینی سے مطالعہ کیا اور جس سچائی کی میں تلاش میں تھا وہ مجھے مل گئی۔ بالآخر مجھے یقین آ گیا کہ میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب کو پا لیا ہے جسے میں گزشتہ 20 سالوں سے ڈھونڈ رہا تھا۔ 24 جون 1963ء بروز جمعہ کی صبح کو میں امام مسجد کے گھر گیا اور پوچھا: ''اگر کوئی غیر مسلم مسلمان ہونا چاہے تو کیا اس کی اجازت ہے؟''۔ اس نے بتایا ''اسلام صرف ہم مسلمانوں کے لئے نہیں ہے، یہ تمام بنی نوع انسان کا دین ہے اور آپ مسلمان ہو سکتے ہیں''۔ اس کے

بعد اس نے مجھے وضو کرنا سکھایا' کلمہ شہادت پڑھایا اور نماز پڑھنا سکھائی' جب میں نے نماز پڑھ لی تو اس سے پوچھا: ''کیا اب میں مسلمان ہو گیا ہوں؟'' اس نے کہا ''ہاں''۔

اس کے بعد میں نے اسی شہر کے ایک اسلامی سکول میں پڑھائی شروع کر دی۔ یہاں پڑھائی کا دورانیہ تقریباً چار سال رہا۔ اس کے بعد میں مکہ المکرّمہ میں آ گیا اور ایک مذہبی سکول میں پڑھنے لگا۔ 1967ء کے آخر میں مجھے سٹوڈنٹ پرمٹ مل گیا اور 1968ء میں مدینہ منورہ کی اسلامی یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا اور 1979ء تک پڑھتا رہا۔ یہاں سے مجھے کالج آف دعوۃ اور اصول الدین کے مطالعہ کی تکمیل کا سرٹیفکیٹ ملا۔ اس کے بعد دارالافتاء (گورنمنٹ منسٹری بننے سے قبل) کی طرف سے مجھے ملائیشیا کی ریاست صباح (SABAH) بھیجا گیا۔ تاحال میں ایک داعی کے طور پر کام کر رہا ہوں اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلا رہا ہوں۔ (نوٹ: لیونارڈ ولر کا تعلق فلپائن سے ہے)

(بشکریہ: ریڈینس' بھارت)

نصرانی حلقوں میں مسلمان کس قدر حقیر ہیں؟

بعض نصرانی حلقوں میں مسلمانوں کو کس قدر حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے' مجھے اس بات کا تجربہ اس وقت ہوا جب میں نے ایک ہی موضوع پر بائبل اور قرآن کے بیانات کے تقابلی تجزیہ سے پیدا ہونے والے مسائل پر تبادلہ خیالات شروع کرنے کی کوشش کی۔ میں نے معمولی غور و فکر کی غرض سے کہ قرآن زیر بحث موضوع کے بارے میں کیا کہتا ہے سامنے لانا چاہا تو مجھے باقاعدہ طور پر انکار سے دوچار ہونا پڑا' گویا قرآن سے کسی بات کو نقل کرنا ایسا ہی ہے جیسا شیطان کا حوالہ دینا۔

(مورس بوکائے کی کتاب ''بائبل' قرآن اور سائنس'' سے)

رومو گومیرا برنارڈ کا قبولِ اسلام

رومو گومیرا برنارڈ (ROMO GUMERA BERNARD) جنوبی فلپائن کے شہر اوزامز (OZAMIZ) کی ایک پروٹسٹنٹ عیسائی فیملی میں 18 فروری 1963ء کو پیدا ہوا۔ 1987ء میں اس نے منڈاناؤ سٹیٹ یونیورسٹی سے ''الیکٹرانکس اینڈ کمیونیکیشن'' میں بی ایس سی کی ڈگری حاصل کی۔ اس وقت وہ جدہ میں واقع بن داؤد سپر سٹور سنٹرل ویئر ہاؤس میں بطور سپروائزر کام کر رہا ہے۔ اس نے 1999ء میں اسلام قبول کیا اور ''ابراہیم'' اپنا نیا نام رکھا۔

قبولِ اسلام کی روداد بیان کرتے ہوئے رومو نے بتایا: ''سعودی عرب پہنچنے سے پہلے میری ایک مصری مسلمان سے ملاقات ہوئی۔ اس نے مجھے اسلامی عقائد اور تعلیمات پر چند کتب دیں۔ عیسائی ہونے کے باوجود میں کوئی مذہبی انسان نہ تھا لیکن بچپن سے مطالعہ کتب کے مشغلہ سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ میں نے یہ ساری کتب پڑھیں مگر ان کے اندر دیئے گئے مواد نے مجھے کوئی خاص متاثر نہ کیا۔ ویسے بھی میں نے ان کتب کا مطالعہ برائے ''فن'' ہی کیا تھا''۔

سعودی عرب پہنچنے کے بعد رومو کا تعلق اپنے ایک رفیق کار احمد خالو سے پیدا ہوا۔ احمد خالو ایک پاکستانی تھا' اس نے رومو کو ریاض میں قائم دارالسلام پبلشنگ کمپنی کی ''حج اور عمرہ'' پر کتب کے علاوہ ''توحید' اسلام اور عیسائیت کا تقابلی مطالعہ'' پر کتابیں دیں۔ یہ کتب

ابو امینہ بلال فلپس' ابو الاعلیٰ مودودی اور احمد دیدات جیسے ممتاز مسلم سکالرز کی لکھی ہوئی تھیں۔

اس عرصے میں وہ ٹیلی ویژن پر مسجد الحرام مکہ اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں با جماعت نمازوں کی ادائیگی کے پروگراموں کا مشاہدہ بھی کرتا رہا اور ریڈیو ریاض سے خطبات کے انگریزی تراجم بھی سنتا رہا۔ مذکورہ بالا مسلم سکالرز کی کتب کے مواد اور خطبات حرمین نے اسے بہت متاثر کیا۔ خطبات کو سننے اور اسلام کے مطالعہ کے لئے اس کی پیاس بڑھتی ہی چلی گئی۔

سعودی معاشرے پر اس نے جو غور و تفکر شروع کیا تو ذہن میں سوال ابھرا کہ آخر اس ملک میں جرائم کی شرح پوری دنیا سے کم کیوں ہے؟ اس کا ایک ہی جواب تھا کہ یہ سب شریعت اسلامی کے نفاذ کے باعث ہے جو معاشرے کو انارکی (افراتفری و بدامنی) اور کرپشن سے بچاتی ہے۔ بالآخر وہ دن آ گیا جب اس نے اپنے پاکستانی دوست سے کہا کہ وہ اسے کسی اسلامک سنٹر میں لے جائے تا کہ وہ اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کر سکے۔ اس کا پاکستانی دوست اسے ''الحمرا اسلامک سنٹر جدہ'' میں لے گیا جہاں اس نے اسلام قبول کیا۔

اس کا کہنا ہے کہ دین اسلام میں اخروی زندگی یعنی موت کے بعد حساب و احتساب کے تصور اور مجرموں کے لئے شریعت اسلامی کی سخت سزاؤں کے باعث سعودی معاشرہ میں جرائم اور کرپشن کا تناسب سب سے کم ہے' سعودی مملکت میں شریعت کے باعث ہی امن اور آسودہ حالی ہے' جب کہ عیسائیوں میں تمام بنی نوع انسان کے گناہوں کے کفارہ کے طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصلیب کے تصور نے پورے معاشرے کو تباہی و بربادی' کرپشن اور بدامنی سے بھر دیا ہے کیونکہ کسی عیسائی کو اپنی موت کے بعد الٰہی عدالت سے کسی سزا کا کوئی خوف نہیں ہوتا اس لئے وہ ہر قسم کے جرم اور ظلم کئے چلا جاتا ہے۔ جب میں عیسائی تھا اس وقت بھی یہ عقیدہ (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصلیب برائے تلافی مافات) میرے ذہن کو کبھی قائل نہ کر سکا۔

اسلام کی ایک خوبی کا ذکر کرتے ہوئے ابراہیم یعنی رومو کہتا ہے کہ اسلام خالق کائنات (یعنی اللہ تعالیٰ) اور مخلوق کے درمیان براہ راست تعلق کا دروازہ کھول کر انسانی

جذبات کا احترام کرتا ہے اور انہیں اہمیت دیتا ہے۔ اس نظریہ سے ایک گناہ گار انسان کو بہت بڑا نفسیاتی اطمینان وسکون ملتا ہے اور وہ کسی اپنے ہی جیسے انسان کے سامنے ''اعتراف گناہ کر کے ذلت اٹھانے یا شرمندہ ہونے'' کے بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کر کے راستہ تبدیل کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس عیسائیت میں چرچ حکام یعنی پادریوں کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اعتراف کرنے والے کے لئے معافی اور رحمت طلب کرتے ہیں۔ عیسائیت اللہ تعالیٰ سے براہ راست رابطے کو روکتی ہے۔

رومو مزید بتاتا ہے کہ ٹیلی ویژن پر حرم شریف میں عبادت گزاروں کو عبادت کرتے دیکھ کر میں نہایت متاثر ہوا۔ نماز مسلمانوں کو نہ صرف روحانی بلکہ بدنی صفائی کی تعلیم بھی دیتی ہے۔ وہ قومیتی اور نسلی تعصبات' لسانی اور رنگ و روپ کے امتیازات کو ختم کر دیتی ہے۔ نماز نظم و ضبط اور اطاعت امیر کرنا بھی سکھاتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ فرائض کی بجا آوری کے لئے پابندی وقت کا درس دیتی ہے۔

رومو کہتا ہے کہ عیسائیوں کی اکثریت اسلام سے ناآشنا ہے' ان کا خیال ہے کہ جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں اس طرح مسلمان بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوجا کرتے ہیں' تاہم عیسائی جانتے ہیں کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر اور حضرت مریم علیہ السلام کا بیٹا مانتے ہیں۔

قرآن مجید میں حضرت مریم علیہ السلام کے نام سے ایک پوری سورت ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی داستان بیان کی گئی ہے اور جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش' ان کی پیغمبری اور تعلیمات کا ذکر' بائبل کی نسبت کہیں زیادہ جامع اور واضح ہے۔

دعوتی تنظیموں کے لئے رومو کا پیغام ہے کہ وہ اپنی تبلیغی کوششوں کو صرف مسلمانوں تک محدود نہ رکھیں بلکہ غیر مسلموں بالخصوص عیسائیوں تک بھی اسلام کا پیغام پہنچائیں۔

(بشکریہ: ریڈیئنس' بھارت)

(تحریر: فضیل اقدس غزالی)

میں اس جنگ میں تنہا نہیں ہوں

امریکہ کی نومسلمہ امیرہ کے قبولِ اسلام کی داستان

میں نے ارکنساس میں ایسے والدین کے گھر جنم لیا جو ارکنساس ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ ماضی میں جہاں تک میں جھانک سکتی ہوں اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ میری فیملی کے بزرگ جنوبی ریاستوں سے یہاں آکر آباد ہوئے۔ میری ساری پرورش ایک فارم پر ہوئی جہاں صبح سویرے اٹھ کر گائے (بڑی تعداد میں) کا دودھ دوہنا، مرغیوں کو خوراک دینی اور روزمرہ کے دیگر کام کرنے ہوتے ہیں۔ میرا باپ ایک بیپٹسٹ منسٹر (چرچ کا پادری) تھا۔ بیپٹسٹ (BAPTIST) عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے جیسے کیتھولک اور میتھوڈسٹ وغیرہ۔ یہ تمام عیسائی مذاہب ہیں مگر مختلف نظریات و مسالک کے حامل ہیں۔ یہ بالکل ایسے ہی ہیں جیسے مسلمانوں میں شیعہ اور سنی۔ اس سلسلہ میں مجھے آپ سنی کہہ سکتے ہیں۔

جس قصبے میں میری رہائش تھی، وہاں سب گوری نسل کے لوگ آباد تھے اور سارے کے سارے عیسائی تھے، اس لئے میں کسی دوسرے مذہب اور کلچر سے متعارف نہ ہو پائی لیکن مجھے ہمیشہ یہ تعلیم دی گئی کہ اللہ نے ہم سب انسانوں کو برابر پیدا کیا ہے، رنگ، نسل، کلچر اور مذہبی عبادات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بعد میں مجھ پر منکشف ہوا کہ ایسی تبلیغ کرنا اور تعلیم دینا اس وقت تک ان کے لئے آسان ہے جب تک وہ الگ تھلگ رہیں اور دنیا کے دوسرے لوگ ان کی دنیا میں داخل نہ ہوں۔

پہلی بار میں نے کسی مسلمان کو اس وقت دیکھا جب میں یونیورسٹی آف ارکنساس کے کالج میں داخل ہوئی۔ مسلمان لڑکیاں مختلف قسم کے عجیب وغریب لباس پہنے ہوئے تھیں جبکہ لڑکے سروں پر تولئے (پگڑیاں) لپیٹے ہوئے اور رات کا لباس (NIGHT GOWNS) پہنے ہوئے تھے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں بڑی دیر تک ان کو ٹکٹکی لگا کر دیکھتی رہی۔ پہلی بار جب مجھے ایک مسلمان لڑکی سے بات کرنے کا موقع ملا تو اس سے سوال پوچھتے ہوئے میں نے بڑا اطمینان محسوس کیا۔ اس کی باتوں نے میرے قلب اور روح میں ایک پیاس لگا دی، الحمدللہ یہ پیاس کبھی نہ بجھی۔

میں اسے کبھی نہیں بھلا سکتی۔ اس کا تعلق فلسطین سے تھا۔ میں اس کے پاس گھنٹوں بیٹھی اس کے ملک اور کلچر کی کہانیاں سنتی رہتی۔ اس کی جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ مسحور کیا وہ اس کا مذہب ''اسلام'' تھا۔ یہ لیڈی اندر سے انتہا کی مطمئن تھی۔ میں نے ایسی مطمئن، پرسکون اور پر اعتماد خاتون اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔ مجھے آج بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء علیھم السلام کے بارے میں اس کی بتائی ہوئی ہر بات یاد ہے، اگرچہ اس کا آج تک میں نے کسی سے اظہار نہیں کیا۔ میرے ذہن میں اکثر ''تثلیث'' کے بارے میں سوال پیدا ہوتے تھے کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کیوں کرتے ہیں اور براہ راست اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں نہیں کرتے، عیسائیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات پر ہی زور کیوں دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو اہمیت کیوں نہیں دی جاتی۔

اسلام کے متعلق مجھے قائل کرنے کے لئے کہ صرف یہی دین حق ہے جو مجھے جنت میں لے جا سکتا ہے، میری دوست نے وہ سب کچھ کیا جو وہ کر سکتی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ اسلام کوئی عام مذہب نہیں ہے بلکہ انسان کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ میری دوست نے چھ ماہ بعد اپنی گریجوایشن مکمل کر لی اور واپس فلسطین چلی گئی۔ فلسطین پہنچنے کے دو ہفتے بعد اسے اس کے گھر کے باہر قتل کر دیا گیا۔ اس کی موت کی خبر سے مجھے شدید صدمہ ہوا۔ میں نے محسوس کیا جیسے میرے بدن کا کوئی حصہ مر گیا ہو۔ جب وہ اپنے گھر واپس جا رہی تھی تو ہم جانتے تھے کہ اس دنیا میں شاید ہی ہم ایک دوسرے سے دوبارہ مل سکیں۔ جاتے وقت اس

نے ایک انتہائی اہم بات بڑے یقین سے کہی تھی کہ وہ مجھے اگلے جہاں جنت میں ملے گی اور واقعی وہ جنت میں چلی گئی۔

اس کے بعد مشرق وسطیٰ کے کئی افراد سے میری ملاقات اور دوستی ہوئی۔ میری سہیلی کی موت سے مجھے جو صدمہ پہنچا تھا اس صدمے کو برداشت کرنے کے لئے انہوں نے میری بڑی مدد کی۔ اس سانحہ کے بعد عربی زبان سے بھی مجھے محبت پیدا ہوگئی۔ یہ بہت خوبصورت زبان ہے۔ میں گھنٹوں قرآن کی ٹیپس (Tapes) سنتی اگرچہ میں کبھی نہ سمجھ پائی کہ کیا کہا جارہا ہے۔ آج بھی یہی صورت حال ہے کہ میں بڑی چاہت سے قرآن کی تلاوت کو سنتی ہوں اگرچہ کچھ سمجھ نہیں پاتی لیکن قرآن کی تلاوت میرے قلب اور روح کو اپنے اثر میں لے لیتی ہے۔ کالج میں عربی سیکھنے کے لئے میرے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔ کالج سے فارغ ہونے کے بعد جب میں اپنی کمیونٹی میں واپس آگئی تو مسلمانوں سے میرا مزید رابطہ نہ رہا لیکن میری روح میں اسلام کی جو طلب اور عربی زبان سے جو محبت پیدا ہو چکی تھی اس نے مجھے کبھی نہ چھوڑا۔ اس کے باعث میرے والدین اور کئی دوستوں کا غصہ بھی بڑھا۔ والدین اور دوستوں کے رویے نے مجھے کافی کنفیوژ کر دیا کیونکہ مجھے تو ہمیشہ یہ تعلیم دی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں ہم سب برابر ہیں۔ میں سوچنے لگی کہ اس تصور مساوات میں میرے دوستوں اور فیملی کے لئے شاید کچھ استثناء ہوں۔

یہ 1995 کا موسم بہار تھا جب اللہ تعالیٰ نے میری زندگی میں ایک اور فرد کو داخل کیا۔ ایک مسلمان کو کیسا ہونا چاہئے یہ فرد اس کا ایک خوبصورت نمونہ تھا۔ اس فرد کے باعث ایک بار پھر اسلام میرے ذہن پر چھا گیا۔ میں نے اس سے سوال پوچھنے شروع کر دیے۔ پھر ایک دن پہلی بار مجھے مسجد بھی لے جایا گیا۔ یہ ایسی یادیں ہیں جو میرے ذہن پر نقش ہو کر رہ گئی ہیں۔ اس نے اسلام کے متعلق مجھے جو بھی دیا میں نے پڑھ ڈالا ٹیپس کو مسلسل سنا۔ یہ سلسلہ آٹھ ماہ تک جاری رہا۔ پھر وہ لمحہ آگیا' باطل کو چھوڑنے اور حق کو قبول کر لینے کا لمحہ۔ 15۔ فروری 1996 کو میں نے اسلام قبول کر لیا۔ (الحمدللہ)

اسلام قبول کر لینے کے بعد آزمائشوں کا دور شروع ہوگیا۔ سب سے پہلی آزمائش میری

منگنی کا ٹوٹنا تھا۔میرے منگیتر کے والدین نہیں چاہتے تھے کہ اس کی شادی کسی امریکی لڑکی سے ہو۔اگرچہ ہمارے درمیان منگنی کا تعلق و رشتہ ختم ہوگیا' میں پھر بھی اس کا احترام اور قدر کرتی ہوں۔اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ثابت قدم رکھااور میں انشاء اللہ اسلام کے راستہ کو کبھی نہیں چھوڑوں گی۔

جب میں نے ایک عرب یعنی غیر ملکی سے منگنی کی تو میرے والدین کو شدید جھٹکا لگا' انہوں نے میرے ساتھ بات چیت بند کر دی۔میری بیشتر امریکی سہیلیاں بھی مجھے چھوڑ گئیں۔جب میں نے اسلام قبول کیا تو میری فیملی نے مجھے ذہنی امراض کے ہسپتال لے جانا چاہا۔جب وہ اس میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے مجھ سے اظہار لاتعلقی کر دیا۔وہ مجھے فون کرواتے کہ انہیں یقین ہے کہ میں دوزخ میں جلونگی۔میری اکثر سہیلیاں بھی اپنے فون میں اسی خواہش کا اظہار کرتیں۔اگرچہ اس سے مجھے شدید دکھ پہنچا' میرے اور میرے گھر والوں میں کئی اختلاف پیدا ہوگئے' تاہم میں پھر بھی ان سے دل کی گہرائیوں سے محبت کرتی ہوں۔اللہ کا شکر ہے کہ جس نے میرے ایمان کو قوت بخشی اور مضبوط بنایا۔

سعودی عرب میں بم دھماکوں کے دو روز بعد آخری بار میری اپنے گھر والوں سے بات ہوئی۔میرے انکل اور کزن ان بم دھماکوں میں مارے گئے تھے۔میرے گھر والوں نے مجھے یہ خبر سنانے اور بتانے کے لئے فون کیا تھا کہ مرنے والے میرے عزیز میرے ساتھ بہت محبت کرتے تھے ---اور ان کا خون میرے اور میرے ''دہشت گرد دوستوں'' کے سر پر ہے۔میں کئی دنوں تک روتی رہی۔اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے استقامت بخشی اور میرا ایمان قائم رہا۔بم دھماکوں کے چار دن بعد کی بات ہے کہ ایک دوپہر کو جب میں اپنے گھر واپس لوٹی تو میں نے دیکھا کہ کھڑکیوں پر کسی نے فائرنگ کی ہوئی ہے اور میری ایک گاڑی پر ''دہشت گردوں سے محبت کرنے والی (Terrorist lover)'' پینٹ کیا ہوا ہے۔پولیس میری کسی قسم کی مدد کرنے کو تیار نہ تھی۔اسی رات جب میں انٹرنیٹ کے ''مسلم چاٹ'' پر گپ شپ لگا رہی تھی' میں نے فائرنگ کی آواز سنی۔پہلے حملے میں کھڑکیاں بچ گئی تھیں' اب دوسرے حملے میں انہوں نے سب کا تہس نہس کر کے رکھ دیا' باہر جو میرے پیارے پیارے

جانور تھے ان سب کو بھی انہوں نے مار دیا۔

پولیس آئی اور مجھے کہا: ''جب تک حملہ آوروں کی شناخت اور ان گاڑیوں کے بارے میں معلومات نہیں دیتیں جن پر وہ آئے تھے' حملہ آوروں کا سراغ لگانا ناممکن ہے''۔ میں نے ان سے التجا کی کہ وہ میری گاڑیوں کو چیک ہی کر دیں کہ سفر کے لئے ان میں کوئی خطرہ تو نہیں پیدا کر دیا گیا' میں موٹل جانا چاہتی ہوں اور اس کے لئے میں محفوظ سفر کی خواہاں ہوں۔ انہوں نے مجھے صاف جواب دے دیا کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے ''کیونکہ ہمیں خدشہ ہے کہ تمہارے ''دہشت گرد دوستوں'' نے ہمیں ٹریپ کرنے کے لئے اندر بم نہ رکھ دیے ہوں''۔ میں اللہ کے حضور جھک گئی اور رو رو کر اس سے رحم اور رہنمائی کی دعا کرنے لگی۔

اللہ نے بڑے ہی پیار سے جواب دیا۔ ایک رات کو پارکنگ لاٹ میں ایک نامعلوم شخص نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ اس نے مجھے پیٹنے' زخمی کرنے' میری کلائی اور پسلیاں توڑنے کی کوشش کی۔ اس آدمی کو پکڑ لیا گیا۔ ایک روز جب میں ڈرائی کلینر کے پاس اپنے کپڑے لینے گئی تو مجھے بتایا گیا کہ وہ گم ہو گئے ہیں۔ ان کپڑوں میں میرے تمام سکارف' جلباب' خیمارز وغیرہ شامل تھے۔ ان کے لئے یہ اشیاء گم کرنا کتنا آسان تھا؟

یہ قصبہ بہت چھوٹا ہے اور قرب وجوار میں کوئی مسلمان اور عرب بھی نہیں ہے۔ قریب ترین مسجد 120 میل دور ہے۔ اگرچہ میں یہاں تنہا ہوں اور کوئی دوسرا مسلمان نہیں جس کے پاس ملنے کے لئے جا سکوں اور اس سے کچھ سیکھ سکوں لیکن الحمد للہ کہ اللہ ہر وقت میرے پاس ہوتا ہے۔ میرے پاس اسلام کا جو بھی تھوڑا بہت علم ہے' یہ انٹرنیٹ پر اسلام کے بارے میں دستیاب معلومات پڑھ کر' اپنے سچے دوستوں اور انٹرنیٹ فیملی کے ذریعے حاصل ہوا ہے۔ میں اپنے فلسطینی بھائی کی محبت' مدد' دوستی اور اس کی دعاؤں کے لئے اس کی خصوصی شکر گزار ہوں اور اے میرے فلسطینی بھائی تم جانتے ہی ہو میں کس سے مخاطب ہوں۔ میرے فلسطینی بھائی میری دعا ہے کہ اللہ تم پر اپنے انعام واکرام کی بارش کرے۔ انٹرنیٹ کے میرے دوسرے مسلمان بھائیو اور بہنوں میں آپ سب کو دل کی گہرائیوں سے چاہتی ہوں اور آپ سب کی شکر گزار ہوں۔

میں نے یہ داستان کسی قسم کی ہمدردی حاصل کرنے کی امید پر نہیں لکھی ہے لیکن میں سب سے یہ ضرور کہوں گی کہ میرے لئے مسلسل دعا کرتے رہیں۔ امریکہ اور دنیا بھر میں مسلمانوں کے ساتھ جو ناانصافیاں ہورہی ہیں اور ان کے ساتھ جس تعصب کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے، انشاء اللہ یہ جلد اپنے انجام کو پہنچے گا۔ میں جانتی ہوں کہ ناانصافیوں اور تعصب کے خلاف جنگ میں، میں تنہا نہیں ہوں۔ یہی وقت ہے کہ میڈیا لوگوں کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر لائے۔

آخری بات اپنی اس پیاری سہیلی سے جس نے سب سے پہلے اپنے اسلامی علم میں مجھے شریک کیا: ''میں جانتی ہوں کہ 15 فروری 1996ء کو جب میں نے کلمہ شہادت پڑھا تھا، تم جنت میں خوشی سے مسکرا اٹھی تھیں، سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، انشاء اللہ ہم ایک بار پھر ملیں گے''۔

(ریڈیئنس بھارت شمارہ 26 ستمبر تا 2 اکتوبر 1999ء)

کیا قرآن بائبل سے نقل کیا گیا ہے؟

بائبل اور قرآن کے ایک ہی مضمون کے کئی بیانات کے موازنہ سے بنیادی اختلافات ظاہر ہوتے ہیں۔ اوّل الذکر کے بیانات سائنسی اعتبار سے ناقابل قبول ہیں جبکہ موخر الذکر کے بیانات جدید معلومات سے ہم آہنگی رکھتے ہیں۔ مثلاً تخلیق اور طوفان عالمگیر کے واقعات۔ البتہ بائبل کا ایک انتہائی ضروری تکملہ جو قرآن مجید کے متن میں خروج کی تاریخ کے موضوع پر ہے اثریاتی تحقیقات کے ساتھ بے انتہا مطابقت رکھتا ہے۔ یہ تحقیقات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے تعین سے متعلق ہیں۔ علاوہ ازیں دیگر موضوعات پر قرآن اور بائبل میں بڑے اختلافات ہیں۔ یہ اختلافات اس دعویٰ کو غلط ثابت کردیتے ہیں جس میں بغیر کسی شہادت کے یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا متن پیش کرنے کے لئے بائبل کی نقل کر ڈالی۔

(مورس بوکائے کی کتاب ''بائبل، قرآن اور سائنس'' سے)

امریکی ماڈل گرل رحوضہ

رحوضہ (RHODA) ایک افریقین امریکی خاتون ہے۔ کبھی وہ ایک ماڈل گرل تھی۔ اس نے سیرالیون کے ایک ایسے شخص سے شادی کی جس نے اسلام ترک کر کے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ اس نے عیسائی مذہب رحوضہ سے شادی کی خاطر نہیں بلکہ اپنے باپ کے مذہب کے طور پر اختیار کیا تھا۔ یاد رہے کہ اس کی ماں ایک مسلمان تھی اور اس نے اپنے بچے کی پرورش ایک مسلمان کے طور پر ہی کی تھی جب کہ اس کا باپ ایک عیسائی تھا۔

عمر بن خطاب مسجد میں اس نے ہنستے ہوئے مجھے بتایا: ''میرا دادا ایک پادری تھا جس نے چرچ کو اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔ بچپن میں ہفتہ میں کم از کم چار بار میں چرچ جایا کرتی تھی''۔ یہ رحوضہ اب رحوضہ صلاح الدین عبدالمتین کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہے۔ وہ آج کل حجاب پہنتی ہے جسے کبھی وہ ''مضحکہ خیز اور احمقانہ'' تصور کرتی تھی اور اپنے دفتر اور کمیونٹی میں ایک ''ماڈل مسلمان خاتون'' سمجھی جاتی ہے۔ وہ امریکی حکومت کے ایک دفتر میں کام کرتی ہے۔ وہ دعوتی کام میں سرگرم عمل ہے اور بھرپور محنت کر رہی ہے۔ اس محنت کا صلہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ملا ہے کہ اس کی بہترین سہیلی اور ایک بھتیجی مسلمان ہو گئی ہیں۔ رحوضہ نے بتایا: ''میں نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا کہ میں مسلمان بنوں گی''۔ اسلام کا نام میں نے 1960ء کی دہائی میں پہلی بار اس وقت سنا جب علی جاہ محمد کی قیادت میں

''نیشن آف اسلام'' کی خبریں اخبارات میں نمایاں طور پر آنے لگیں۔ میری ماں کے خیال میں وہ عجیب وغریب لوگ تھے جب کہ ''بوٹائی'' کے ساتھ مجھے تو حسین وفطین لگے۔ میرا ایک بھائی خفیہ طور پر مسلمان بھی ہو چکا تھا''۔

رحوضہ نے بتایا: ''یاد رکھیں' نیشن آف اسلام کے سیاہ فام مسلمان حقیقی اسلام کے پیروکار نہ تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ ایک سیاہ فام تھا۔ سفید فام حادثاتی طور پر ایک یعقوب نامی سائنس دان کے ذریعے پیدا ہوئے' اس لئے یہ شیطان ہیں۔ سیاہ فام مسلمان دن میں صرف ایک بار کھانا کھاتے تھے اور پانچ وقت کی نماز بھی نہ پڑھتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ علی جاہ پیغمبر ہے اور وہ آج بھی زندہ ہے۔ علی جاہ نے قرآنی تعلیمات کی اپنی مرضی کی تعبیر کی اور ان میں اپنے خیالات بھی شامل کر دیئے۔ سوائے چند بڑوں کے کسی کو قرآن پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ سیاہ فام مسلمان رمضان کے بجائے ہر سال دسمبر میں روزے رکھتے کیونکہ اس مہینے میں دن چھوٹے ہوتے ہیں اور روزہ رکھنا آسان''۔

جب میلکم ایکس علی جاہ گروپ سے الگ ہوا اور حقیقی مسلمان بن گیا تو رحوضہ کے بھائی نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس بار اس نے اپنے گھرانے کے سامنے نہ صرف مسلمان ہونے کا اعلان کیا بلکہ اس کی بیوی نے رحوضہ کے سامنے اسلام کا سچا پیغام پیش کیا اور اسے اسلام قبول کرنے کے لئے قائل کرنے کی بھی کوشش کی' لیکن رحوضہ نے کبھی بھی اسے سنجیدگی سے نہ لیا۔

فروری 1988ء میں اس کی بھابی کا 48 سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ رحوضہ کے لئے یہ ایک بہت تکلیف دہ سانحہ تھا اور اس سانحہ نے رحوضہ کی زندگی کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔ اس نے اپنی وصیت میں رحوضہ کے لئے ایک قرآن مجید چھوڑا تھا۔ رحوضہ کہتی ہے: ''اس کی نوجوانی کی موت نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ میں اپنے آپ کو خطا کار سمجھنے لگی کہ میں نے کبھی بھی سنجیدگی سے اسے نہ سنا' اس لئے میں نے قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا۔ 9 مارچ 1988ء کو میں کلمہ شہادت پڑھنے کا اعلان کرنے کے لئے تیار تھی۔ میں مسلمان ہو گئی۔ میں نے بہت ہی زیادہ سکون محسوس کیا کیونکہ میں نے کبھی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کو خدا کا بیٹا تسلیم نہ کیا تھا''۔

رحوضہ کے مسلمان ہونے کے اعلان نے اس کے گھر والوں کو پریشان کر دیا۔ انہیں شدید صدمہ پہنچا اور ان کے حواس معطل ہو کر رہ گئے۔ اس کی ماں کچھ زیادہ ہی پریشان ہو گئی۔ اس نے کہا: ''اس واقعہ سے تو خاندان تقسیم ہو کر رہ جائے گا''۔ رحوضہ بتاتی ہے: ''میری بہن چیخنے لگیں کیونکہ ان کے خیال میں' میں نے جہنم کے راستے کا انتخاب کر لیا تھا۔ میں اپنی فیملی کے ردعمل سے بہت مایوس ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن و قلب پر ایک تسکین طاری کر دی جس نے اس سانحہ سے عہدہ برآ ہونے میں میری بڑی مدد کی''۔

اسلام قبول کرنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اس کی ملاقات صلاح الدین عبدالمتین سے ہو گئی۔ صلاح الدین نے 13 سال کی عمر میں اسلام قبول کیا تھا۔ 1990ء میں رحوضہ نے صلاح الدین سے شادی کر لی۔ رحوضہ کہتی ہے: ''اسلام قبول کرنے کے بعد غیر محرم مردوں سے ملاقاتوں (DATING) کا کوئی سوال ہی نہ تھا' شادی سے پہلے صلاح الدین سے بھی میری جو چند ملاقاتیں ہوئیں وہ وکیل کی موجودگی میں ہوئی تھیں''۔

1993ء میں رحوضہ نے حجاب اوڑھنے کا فیصلہ کیا: ''میں لمبے اور مکمل بازوؤں والے کپڑے پہنتی تھی اور سر کے بالوں کو پگڑی سے ڈھانپتی تھی۔ بالوں کو ڈھانپنے کے لئے سیاہ فام عورتوں کا یہ ایک اپنا انداز تھا۔ سر پر پگڑی باندھ کر میں سمجھ رہی تھی کہ میں حجاب ہی کر رہی ہوں' لیکن قرآن و سنت کے مطالعہ کے بعد میں نے محسوس کیا کہ اس سے حجاب کے تقاضے پورے نہیں ہوتے اور مجھے تو ایک مسلمان عورت بننا ہے۔ پگڑی حجاب کے لئے کسی صورت بھی مناسب نہیں ہے''۔

باحجاب ہونے کے رحوضہ کے فیصلے نے اس کی فیملی کو ایک بار پھر پریشان کر دیا اور رحوضہ کے الفاظ میں ''وہ غصہ سے پھٹ پڑے''۔ رحوضہ بتاتی ہے: ''میری ماں نے اپنی تمام سہیلیوں کو بتا دیا کہ میں جا چکی ہوں اور میرے متعلق اس نے بات کرنا ہی بند کر دی''۔ دفتر میں بھی رحوضہ کو ایسے ہی ردعمل کا سامنا کرنا پڑا اور ہر فرد اس سے پوچھنے لگا: ''کیا روزانہ آپ یہ حجاب پہنیں گی؟''۔ اس سے سپروائزر نے پوچھا: ''میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ

تمہیں حجاب پہننے کی یہ اچانک ضرورت کیوں پیش آ گئی ہے جب کہ تم کئی سالوں سے مسلمان ہو اور اس سے قبل تم نے حجاب نہیں کیا؟"۔ رحوضہ بتاتی ہے: "میں جانتی تھی کہ امریکی آئین مجھے مذہبی آزادی کی ضمانت دیتا ہے اس کے باوجود کئی بحثوں کے بعد مجھے کام کی جگہ (دفتر) پر حجاب کی اجازت ملی"۔

آج کل رحوضہ اپنے خاوند کے ساتھ مل کر لفظ "اللہ" کو پھیلانے لگی ہوئی ہے۔ رحوضہ بے یقین لوگوں کے اس خیال سے اتفاق نہیں کرتی کہ زیادہ تر سیاہ فام ہی اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اس کا کہنا ہے: "امریکہ میں اسلام سب سے زیادہ تیز رفتاری سے پھیلنے والا مذہب ہے' مسلمانوں کے باعث نہیں بلکہ اپنی حقیقی سچائیوں کے باعث۔ میں ایسے لوگوں سے ملی ہوں جو اسلام کی طرف اس لئے کھنچے آئے کہ دنیا میں یہ واحد مذہب ہے جو اپنی اصل تعلیمات کے ساتھ موجود ہے' اور یہی مذہب ہے جس میں خالص توحید پائی جاتی ہے۔ بذات خود میرے دل میں اسلام کی کشش اس کے "تصور توحید" کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ اسلام میں انسان اور اللہ کے درمیان تعلق کے لئے کوئی بچولیا یا ایجنٹ نہیں ہوتا بلکہ بندے کا اللہ سے براہ راست تعلق ہوتا ہے۔ اسلام ایک گھنٹہ یا ہفتہ میں ایک دن سرگرمی والا مذہب بھی نہیں' اسلام میں تو زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق گزارنا ہوتا ہے۔ عیسائیت تو بڑا ہی آسان مذہب ہے۔ بائبل تو کہانیوں کا مجموعہ ہے لیکن قرآن یہ بتاتا ہے کہ تم نے اپنی زندگی کیسے گزارنی ہے۔ اسلام کا یہی پیغام ہے جو دنیا بھر میں اس کی مقبولیت کا باعث بن رہا ہے"۔ (اسے انگریزی میں جناب ثمین خان نے تحریر کیا ہے)

(بشکریہ: دعوۃ ہائی لائٹس' اسلام آباد شمارہ اپریل 1999ء)

❋❋❋❋❋
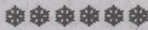
نطاسیہ کیلی کا سفر

کفر کی تاریکی سے اسلام کی روشنی کی طرف

بچپن سے ہی مجھے ''اللہ پر ایمان و یقین'' کی تعلیم دی گئی تھی۔ میں تقریباً ہر اتوار کو چرچ میں حاضر ہوتی اور بائبل سکول جاتی۔ مناجات مقدس میں، میں بھی گیت گاتی۔ اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ ''مذہب'' میری زندگی کا اہم حصہ نہ بن سکا۔ ہاں وہ لمحے بھی آتے جب میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے بہت قریب محسوس کرتی۔ میں اکثر ہدایت کے لئے اس سے دعا کرتی۔ مایوسی و ناامیدی کے لمحات میں حوصلہ و ہمت کے لئے مدد مانگتی اور اپنی خواہشات کی بروقت تکمیل کے لئے اس کی اعانت کی طلبگار ہوتی لیکن میں نے جلد ہی محسوس کیا کہ اگر میں اللہ تعالیٰ سے کچھ دیر کے لئے کوئی چیز نہ مانگوں تو اللہ تعالیٰ کی قربت کے یہ احساسات بلاتاخیر ختم ہو جاتے ہیں۔ میرے اندر یہ احساس بھی ابھرا کہ اگرچہ میں اللہ پر یقین رکھتی ہوں مگر ایمان سے محروم ہوں۔ میں دنیا کو ایک کھیل سمجھتی تھی۔ میرا خیال تھا کہ کچھ لوگوں کو فکر کی تحریک ملی اور انہوں نے بائبل لکھ دی اور کسی نہ کسی طریقے سے لوگ اس کے اندر ایمان پانے کے قابل ہو گئے۔

جوں جوں میں بڑی ہوئی اور دنیا کے بارے میں میری آگاہی میں اضافہ ہوا تو اللہ پر میرا یقین بھی بڑھا۔ ''ایک مافوق الفطرت قوت نوع انسانی کی رہنمائی اور حفاظت کر رہی ہے'' اس پر یقین کرنا میرے لئے بہت سہل تھا۔ 12 سال کی عمر میں، میں نے اپنی روحانی

کیفیت پر گہرائی سے سوچنا شروع کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری زندگی میں جہاں ایمان ہونا چاہئے وہاں ایک خلا ہے۔ جب کبھی مجھے ضرورت ہوتی یا مجھ پر مایوسی و ناامیدی چھائی ہوتی تو میں سادگی سے دعا مانگتی، اس ہستی سے جسے ''لارڈ'' کہا جاتا ہے۔ ایک بار میں نے اپنی ماں سے پوچھا کہ جس ''لارڈ'' سے ہم دعا مانگتے ہیں اور جس کی ہم عبادت کرتے ہیں، حقیقت میں یہ لارڈ کون ہے عیسیٰ یا اللہ؟ اس بات پر یقین رکھتے ہوئے کہ میری ماں ہی صحیح ہے میں یسوع (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) سے ہی دعا مانگتی اور ہر اچھی بات کو ان سے منسوب کرتی۔

میں نے سن رکھا تھا کہ مذہب پر استدلال پیش نہیں کیا جاسکتا (یعنی کہ یہ مذہب صحیح ہے یا غلط اس پر کوئی دلیل نہیں دی جاسکتی اور نہ بحث ہوسکتی ہے) مگر میں اور میری سہیلیوں نے اس پر کافی دفعہ بحث کی۔ پروٹسٹنٹ، کیتھولک ازم اور یہودیت پر میں اکثر اپنی سہیلیوں سے بحث کرتی۔ ان بحثوں سے میں اپنی ذات کے اندر زیادہ سے زیادہ تحقیق کرتی اور سوچتی کہ مجھے اپنی ذات کے اندر پائے جانے والے خلا کو پُر کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے۔ 13 سال کی عمر میں، میں نے سچائی کی تلاش شروع کردی۔

اس دوران میں میری ماں نے میرے رویے میں آنے والی تبدیلیوں کو محسوس کیا، نوٹس لیا اور تب سے میرے ''مذہبی مرحلہ'' کا آغاز ہوگیا۔ میرا رویہ اس مذہبی مرحلہ سے بہت دور تھا۔ میں نے صرف اپنے نئے علم میں اپنی فیملی کو شریک کیا۔ میں نے عقائد، عبادات، مذہبی رسوم اور عیسائیت کے اندر پائے جانے والے مختلف نظریات کے بارے میں سیکھا اور معمولی حد تک یہودی عقائد اور عبادات کے بارے میں جانا۔

اپنی چند ماہ کی تحقیق سے میں نے محسوس کیا کہ اگر میں عیسائیت پر یقین رکھتی ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ میں اپنے جہنمی ہونے کو تسلیم کرتی ہوں۔ ماضی کے گناہوں کو زیرِغور نہ بھی لاؤں تو میں پھر بھی صرف اس ایک راستے پر تھی جو سیدھا دوزخ میں جاتا ہے۔ اگرچہ عیسائیت کی تعلیم میں مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ اگر میں صرف یسوع کو اپنا لارڈ اور نجات دہندہ تسلیم کرلوں تو اخروی زندگی میں مجھے جنت کی ضمانت مل جائے گی مگر میری تحقیق اس کے خلاف تھی۔

تحقیق کے نتیجے میں نہ صرف میں پہلے سے تھوڑے بہت موجود ایمان و یقین سے محروم ہوگئی بلکہ میرے ذہن میں بے شمار سوال ابھرے۔ ان سوالوں کو میں نے جو بھی صاحب علم عیسائی مجھے ملا اس کے سامنے رکھا مگر کسی سے بھی تسلی بخش جواب نہ ملا۔ میں یہ یقین ضرور رکھتی تھی کہ خدا ہے اور یسوع کو نوع انسانی کی نجات کے لئے بھیجا گیا ہے۔ میری الجھنیں اور اضطراب بڑھتا چلا گیا۔ میری بے یقینی میں اضافہ ہوگیا۔ پندرہ سال تک میں نے آنکھیں بند کر کے ایک عقیدہ کی محض اس لئے پیروی کی کہ وہ میرے والدین کا عقیدہ تھا۔ میری زندگی میں کچھ ایسی چیزیں آئیں کہ میرا تھوڑا بہت جو ایمان تھا وہ بھی ختم ہوگیا۔ میری تحقیق رک گئی۔ میں نے اپنی ذات کے اندر، بائبل اور چرچ میں مزید ریسرچ بند کر دی۔ میں نے کچھ عرصہ کے لئے سب کچھ ترک کر دیا۔ میری ذات بلا کی درشت شخصیت میں بدل گئی، یہاں تک کہ ایک سہیلی نے مجھے ایک کتاب دی۔ یہ کتاب ''مسلم کرسچین ڈائیلاگ'' تھی۔ میں نے کتاب کو پڑھا۔ مجھے یہ بتاتے ہوئے شرم آتی ہے کہ میں نے اپنی تحقیق کے دوران میں کسی دوسرے مذہب کے بارے میں غور ہی نہ کیا تھا۔ میرا تو سارا علم اور تحقیق عیسائیت تک محدود تھی اور میں نے اسے چھوڑنے کے بارے میں کبھی نہ سوچا تھا۔ اسلام کے بارے میں میرا علم برائے نام تھا۔ درحقیقت اسلام پر غلط فہمیوں کی ایک تہہ جما دی گئی ہے اور اسے ایک دقیانوسی مذہب سمجھا جاتا ہے۔ میں نے مزید کتب مانگیں۔ مجھے اسلام کے بارے میں کتابیں اور پمفلٹس بھی ملے۔

میں نے اسلام کا مطالعہ عقلیت اور روشن خیالی کے پہلو سے کیا۔ میری ایک نہایت قریبی سہیلی مسلمان تھی۔ میں اس سے اکثر اسلامی عبادات کے بارے میں سوال پوچھتی لیکن اسلام میرا عقیدہ بنے گا، اس کے بارے میں کبھی ایک بار بھی نہ سوچا تھا۔ اسلام سے متعلق کئی باتوں نے مجھے اس سے بیگانہ کئے رکھا۔

اسلام کا مطالعہ کرتے ہوئے دو ماہ ہی ہوئے تھے کہ ماہ رمضان آ گیا۔ ہر جمعہ کو جب بھی میرے لئے ممکن ہوتا، میں مقامی مسلم کمیونٹی کے افطار اور قرآن خوانی کے پروگرام میں شریک ہوتی۔ جو سوال میرے ذہن میں پیدا ہوتے، وہ پوچھتی۔ ان کے ایمان و یقین کی کیفیت نے

مجھے مرعوب کردیا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو اس مذہب کی طرف کھنچتے ہوئے محسوس کیا جس سے میں بیگانہ تھی۔ یہ سوچتے ہوئے کہ میں طویل عرصے سے اندرونی طور پر تنہائی کا شکار ہوں اور اسلام کئی پہلوؤں سے مجھے سکون دے سکتا ہے' میں اسلام کی طرف راغب ہوتی گئی۔ میں خداشناسی چاہتی تھی' سب سے بڑھ کر میں جنت حاصل کرنے کا ایک موقع چاہتی تھی۔ میں نے محسوس کرنا شروع کردیا کہ عیسائیت مجھے یہ نہیں دے سکتی جبکہ اسلام دے سکتا ہے۔

19 مارچ 1997ء کو ہفتہ وار کلاس سے واپسی پر میں نے گھر کے اندر ازخود ہی کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ 26 مارچ کو گواہوں کے سامنے میں نے دوبارہ پڑھا اور باقاعدہ مسلمان بن گئی۔ اس موقع پر جو خوشی میں نے محسوس کی' وہ بیان نہیں کرسکتی۔ میرے کندھوں سے جو بوجھ اترا اور میں نے اپنے آپ کو جس قدر ہلکا محسوس کیا' یہ کیفیت بھی میری قوت بیان سے باہر ہے۔ اس طرح بالآخر مجھے ذہنی سکون مل گیا۔ اسلام قبول کئے پانچ ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے اور اس عرصہ میں اسلام نے مجھے ایک بہتر شخصیت بنا دیا ہے۔ میں پہلے سے مضبوط ہوں اور اشیاء کو بہتر طور پر سمجھنے لگی ہوں۔ میری زندگی نمایاں طور پر تبدیل ہوئی ہے' اب میں ایک واضح مقصد حیات رکھتی ہوں۔ عیسائیت کا غلبہ رکھنے والی سوسائٹی میں ایک اچھا مسلمان بننے کی کوشش کرنا بہت سخت کام ہے اور ایک عیسائی فیملی میں رہنا اس سے بھی کہیں زیادہ مشکل ہے۔ بہرحال میں دل شکستہ نہیں ہوں۔ میں اپنی موجودہ ناخوشگوار صورتحال کو زیر بحث لانا نہیں چاہتی لیکن مجھے یقین ہے کہ میرا جہاد مجھے مضبوط بنا رہا ہے۔ کسی نے مجھے بتایا تھا کہ میں مسلمان گھرانوں میں پیدا ہونے والے کئی مسلمانوں سے بہتر ہوں' اس لئے کہ میں اللہ کو تلاش کرنے کے تجربات سے گزری ہوں اور میں نے اللہ کی عظمت و رحمت کو محسوس کیا ہے۔ میں جان گئی ہوں کہ زمین پر اوسطاً 70 سال کی زندگی آخرت میں جنت کی زندگی کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت' رحمت اور جلال کو بیان کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ مجھے امید ہے کہ میری یہ داستان ان لوگوں کی مدد کرے گی جن کے احساسات ایسے ہی ہیں جیسے میرے تھے اور وہ ایسے ہی جدوجہد کررہے ہیں جیسی میں نے کی تھی۔ (بشکریہ: ریڈیئنس' بھارت' شمارہ 18 تا 24 جون' 2000ء)

اسلام نے میری زندگی ہی بدل دی

شمالی ورجینیا کے عبداللہ رضا کی روداد

میرا نام عبداللہ رضا ہے مگر میرے والدین نے میرا نام سٹیفن رکھا تھا۔ میری پرورش شمالی ورجینیا کے ایک رومن کیتھولک گھرانے میں ہوئی۔ مجھے کیتھولک سکول جانا، عقیدے کے بارے میں سیکھنا، عشیرہ (شعائر مقدسہ...... بپتسمہ، مقدس عشائے ربّانی، قبولیت، مناکحت، پاک سلسلے، تزکیہ اور بوقت نزع متبرک روغن کا ملنا وغیرہ) حاصل کرنا، اعتراف گناہ کرنا اور پادری کی طرف سے سر پر ہاتھ رکھ کر عیسائی ہونے کی توثیق کرنا، اچھی طرح یاد ہے۔ 30 سال قبل یہ سب کچھ نہایت روحانی اور بڑا مقدس محسوس ہوتا تھا۔ میں سوچا کرتا تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح خوش قسمت ہوں کہ مجھے یہ سب چیزیں حاصل ہیں۔

کیتھولک مذہب میں ہمیں پڑھایا گیا تھا کہ عشائے ربّانی کے تبرکات (مائدہ مقدسہ یعنی پاکیزہ روٹی وغیرہ) ہی اصل جسم اور یسوع مسیح کا خون ہیں۔ جب میں نے پہلی بار عشائے ربّانی میں پاکیزہ روٹی کا لقمہ منہ میں ڈالا اور نگلا تو میں نے تصوّر کیا: ''یسوع میرے معدے میں ہے، اب مجھے بہت ہی اچھا انسان بننا ہے اور کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں کرنا''۔

جونہی میں بڑا ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ میں مذہبی عقائد بالخصوص کیتھولک ازم سے دور جا رہا ہوں، تاہم اب بھی میں اتوار کو چرچ جاتا تھا لیکن وہاں جانا اور ہفتہ میں ایک آدھ

گھنٹہ وہاں گزارنا بھی مجھے بھاری بوجھ محسوس ہوتا تھا۔ بالآخر میں نے چرچ جانا چھوڑ دیا۔ اب میرا کوئی عقیدہ اور مذہب نہ تھا۔ اب میں نے دنیا کے مذاہب اور خدا کے بارے میں اپنی آراء اور نظریات بنانے شروع کردیئے تھے۔ میرا ایک نظریہ یہ تھا کہ تمام مذاہب ایک ہی مذہب کے اضافے اور توسیع ہیں اور اگر آپ ایک اچھے انسان ہیں یعنی کسی کو جسمانی طور پر پیٹتے یا قتل نہیں کرتے تو آپ جنت میں جاسکتے ہیں۔ میں اسے بیشتر لوگوں کا ایک مشترکہ عقیدہ سمجھتا تھا کیونکہ اس سے انہیں آرام اور آسانی میسر آتی ہے۔ جب میں شراب پیتا، منشیات لیتا، عورت بازی کرتا یا والدین کا دل دکھاتا تو یہ نظریہ مجھے بھی اطمینان دیتا۔ ان تمام لبرل اور جبلی خیالات نے مجھ پر اثرات مرتب کرنا شروع کردیئے۔ میں اپنے آپ سے مشکل سوال کرنے لگا جن کا میں کوئی جواب نہ دے سکتا، مثلاً میں اپنے وجود کے ہونے کی وجوہات جاننا چاہتا تھا، میں کیوں پیدا ہوا اور میری منزل کیا ہے؟

جس زمانے میں میرے یہ خیالات تھے، میں ایک ہفت روزہ اخبار میں فوٹو جرنلسٹ تھا۔ ایک دن میری یہ ذمہ داری لگی کہ میں ماہ رمضان کے بعد مسلمانوں کی چھٹی کو کور (Cover) کروں۔ میں متعلقہ مقام پر پہنچا۔ سب سے پہلے وہاں تقریر ہوئی، پھر نماز اور اس کے بعد تہوار شروع ہوا۔ جب میں نے ہزاروں مسلمانوں کو دیکھا تو سب سے پہلے جس چیز نے مجھے متوجہ کیا وہ اجتماع کا متنوع ہونا تھا۔ کالے، گورے، بورے، عرب، امریکی، پاکستانی، انڈونیشی، دنیا بھر کی نسلوں اور قوموں کے لوگ وہاں موجود تھے۔ میں جتنے بھی گرجوں میں گیا تھا کسی ایک میں بھی میں نے ایسا کوئی منظر نہ دیکھا تھا اور نہ میں نے امریکہ میں ایسے کسی چرچ کے بارے میں سنا تھا۔ تقریر سن کر میں سوچنے لگا ''یہ تو وہی ہے، ساری زندگی جسے میں ڈھونڈتا رہا''۔ نماز کے بعد میں نے وہاں ایک آدمی سے پوچھا کہ کوئی فرد مسلمان کیسے بنتا ہے۔ اس آدمی نے فوراً میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور ایک دوسرے فرد کو مجھ سے متعارف کرایا جو غیر مسلموں کو اسلام سکھاتا ہے۔ میں نے دو ہفتے اس کی کلاس میں شرکت کی۔ یہ یقین کرلینے کے بعد کہ اللہ وحدہ لاشریک کا یہی دین حق ہے، میں نے 17 مارچ 1995ء کو اسلام قبول کرلیا۔

اسلام ایک مذہب سے کہیں زیادہ ہے، یہ تو مکمل نظام حیات ہے۔ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو مذہبی زندگی کو تجارتی یا انفرادی زندگی سے الگ کرتی ہو، کیونکہ اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے اور ہر معاملے میں دخل دیتا ہے۔ اسلام کی خوبصورتیوں میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دن بھر اپنے خالق سے رابطہ رہتا ہے۔ پانچ وقت کی نمازیں آپ کو اللہ تعالیٰ کے قریب رکھتی ہیں۔

اسلام میں سوالات پوچھنے اور اپنے عقیدے کے بارے میں جاننے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ جتنا میں زیادہ سیکھتا گیا' اسلام کی خوبصورتیوں سے متعلق میرے علم میں اتنا ہی اضافہ ہوتا گیا۔ مثلاً اسلام سکھاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک سب مسلمان تھے۔ جب آپ سمجھ جاتے ہیں کہ لفظ ''مسلمان'' کا مطلب ہے ''اللہ تعالیٰ کے سامنے تسلیم کر جانا'' تو انبیاء علیہم السلام کے بارے میں مذکورہ بالا بیان کی سچائی واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔

اور بالآخر مجھے اس سوال کا جواب بھی مل گیا کہ میری زندگی کا مقصد کیا ہے۔ میں جان گیا کہ میری زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی ہے۔ اسلام نے میری زندگی کو 180 درجے تک بدل دیا ہے۔ اگر آپ کو میری بات کا یقین نہیں آتا تو میرے والدین سے پوچھ لیں' میری بہنوں اور بھائیوں سے پوچھ لیں یا پھر ان لوگوں سے پوچھ لیں جو میری پہلی زندگی کو بھی جانتے تھے اور موجودہ زندگی کو بھی جانتے ہیں۔ مجھے میری منزل مل گئی ہے۔ میری کوشش ہے کہ میں اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق گزاروں۔

(یہ روداد یکم اگست 1998ء کو واشنگٹن پوسٹ میں شائع ہوئی' اس کے بعد بھارت کے جریدے ''"Radiance" ریڈیئنس'' نے اسے ستمبر 1998ء کے پہلے شمارے میں شائع کیا)

❋❋❋❋❋❋

میری زندگی کا بہترین فیصلہ

افراہ الشعبانی کی داستان

جہاں تک میں یاد کرسکتی ہوں، میری فیملی ایک قدامت پرست کرسچین چرچ ''چرچ آف کرائسٹ'' میں عبادت کے لئے جایا کرتی تھی۔ چرچ میں (حاضری دیتے ہوئے) ہی میں بڑی ہوئی، بائبل سکول میں تعلیم حاصل کی اور مذہبی گیت (مناجات) گاتی رہی۔ میرے خیال میں ہر فرد اپنی نوعمری کے ایام میں اپنے مذہب اور دیگر اہم امور کے بارے میں سوچتا اور سوال کرتا ہے، میں نے بھی ایسا ہی کرنا شروع کیا۔ میں پوچھنے لگی: ''میں چرچ آف کرائسٹ کی ممبر کیوں ہوں، لوتھرن، کیتھولک یا پھر میتھوڈسٹ کی کیوں نہیں؟، اگر مختلف چرچز مختلف اور باہم متصادم نظریات کی تعلیم دے رہے ہیں تو ہم کس طرح معلوم کریں کہ کونسا چرچ سچا اور درست ہے۔ کیا سارے ہی درست ہیں، کیا سب کے راستے اللہ ہی کی طرف جاتے ہیں جیسا کہ کسی سے میں نے سنا تھا۔ کچھ کہتے ہیں کہ ''جب تک تم ایک اچھے اور نیک فرد ہو تو تم کس پر یقین رکھتے ہو اور تمہارا عقیدہ کیا ہے'' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیا یہ سچ ہے؟''۔

کچھ تحقیق کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے اس امر پر لازماً یقین کر لینا چاہئے کہ قطعی سچائی کا وجود ضرور ہے اور اس سچائی کی تلاش کی جدوجہد کے سلسلہ میں، میں نے مختلف چرچوں (عیسائی فرقوں اور نظریات) کا تقابلی مطالعہ شروع کر دیا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے

بائبل پر ایمان و یقین رکھنا چاہئے اور اس چرچ میں شمولیت اختیار کر لینی چاہئے جو بائبل کی تعلیمات پر بہترین عمل کرتا ہے۔ طویل مطالعہ کے بعد میں نے ''چرچ آف کرائسٹ'' کے ساتھ ہی منسلک رہنے کا فیصلہ کیا۔ میں مطمئن ہوگئی کہ کتاب مقدس (یعنی بائبل) کے مطابق یہی عیسائی مسلک خرابیوں سے پاک اور درست ہے۔ اس وقت میں اس حقیقت سے آگاہ نہ تھی کہ بائبل کی مختلف تعبیریں اور تشریحیں بھی ہوسکتی ہیں۔

میں نے ایک سال مشی گن کرسچین کالج میں گزارا۔ یہ ایک چھوٹا سا کالج ہے جس کا الحاق چرچ آف کرائسٹ سے ہے مگر اس میں تعلیمی لحاظ سے مسابقت والی کوئی بات نہ تھی اس لئے میں مغربی مشی گن یونیورسٹی میں ٹرانسفر ہوگئی۔ سٹوڈنٹس ہوسٹل میں رہائش کے لئے میں نے تاخیر سے درخواست دی تھی اس لئے مجھے بین الاقوامی اقامت گاہ میں جگہ دی گئی۔ اگرچہ میری ہم کمرہ امریکن تھی لیکن میں نے اپنے آپ کو اجنبی علاقوں کے اجنبی لوگوں میں گھرا ہوا محسوس کیا۔ دراصل گوناگوں تہذیبوں اور ثقافتوں کے حامل افراد کے ساتھ رہنے اور ملنے جلنے کا یہ میرا پہلا تجربہ تھا۔ چونکہ میری پرورش مڈل کلاس سفید فام عیسائی کمیونٹی میں ہوئی تھی، اس لئے اس صورتحال نے وقتی طور پر مجھے پریشان کر دیا۔ میں اپنی اقامت گاہ کو تبدیل کرنا چاہتی تھی مگر کسی دوسری جگہ رہائش دستیاب ہی نہ تھی۔ بلاشبہ میں اپنی ہم کمرہ کو بہت پسند کرتی تھی، اس لئے سمسٹر تک میں نے وہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔

میری ہم کمرہ اقامت گاہ کی سرگرمیوں میں بھرپور طریقے سے ملوث ہوگئی اور وہ اقامت گاہ میں رہائش پذیر ہر فرد کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتی تھی۔ میں صرف مارچنگ بینڈ میں حصہ لیتی اور بینڈ کے افراد کے ساتھ ہی زیادہ وقت گزارتی۔ مارچنگ بینڈ کی سرگرمیاں جلد ہی اختتام کو پہنچ گئیں۔ مجھے فرصت میسر آ گئی اور میں اپنی ہم کمرہ کی مہم میں شریک ہوگئی۔ میرے لئے اس مہم کا تجربہ نہایت حیران کن اور دل آویز تھا۔ اقامت گاہ میں بڑی تعداد میں عرب لڑکے بھی رہ رہے تھے۔ وہ نہایت خوبصورت، سحر انگیز اور پرکشش شخصیت کے مالک تھے اور ان کی محفل نہایت پر لطف ہوتی۔ میری ہم کمرہ نے ان میں سے ایک کے ساتھ سیر و تفریح شروع کر دی۔ ہمارا زیادہ وقت عربوں کے ساتھ

گزرتا۔ وہ مسلمان تھے تاہم ان میں سے بہت کم عملی مسلمان تھے۔ ہم نے کبھی مذہب کو موضوع گفتگو نہ بنایا' ہماری ملاقاتیں محض ہنسی مذاق اور خوش طبعی تک محدود تھیں۔

ایک سال گزر گیا اور میں نے بھی ایک عرب سے ملاقاتیں شروع کر دیں' لیکن مذہبی اختلاف کبھی ہماری گفتگو کا موضوع نہ بنا۔ اس وقت تک ہم میں سے کوئی بھی مذہبی عبادات اور رسومات بجا نہ لاتا تھا' اس لئے مذہب زیر بحث نکتہ ہی نہ بنا۔ پھر میرے ذہن میں خیال پیدا ہوا کہ میں چرچ نہیں جا رہی اور میں اپنے آپ کو گناہ گار محسوس کرنے لگی لیکن میں نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا' مجھے تو ہنسی مذاق پسند تھا۔

ایک سال اور گزر گیا اور میں گرمیوں کی چھٹیوں میں گھر پر تھی کہ میری ہم کمرہ نے فون پر مجھے نہایت المناک خبر سنائی کہ وہ مسلمان ہو گئی ہے۔ اس خبر نے مجھے سراسیمہ کر دیا۔ اس نے مجھے یہ نہ بتایا کہ اس نے اسلام کیوں قبول کیا ہے۔ اس کی اپنے بوائے فرینڈ کے بھائی کے ساتھ لمبی گفتگوئیں ہوا کرتی تھیں اور شاید یہ انہی گفتگوؤں کا نتیجہ تھا۔ ٹیلی فون بند ہوا تو میں نے فوراً اسے ایک طویل خط لکھا جس میں' میں نے اس پر واضح کیا کہ وہ اپنی زندگی کو برباد کر رہی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ ایک بار پھر عیسائیت میں واپس آ جائے۔ انہی گرمیوں میں میرا بوائے فرینڈ ایزوسا پیسیفک یونیورسٹی (APU) کیلی فورنیا میں ٹرانسفر ہو گیا۔ ہم نے شادی کا فیصلہ کیا اور اکٹھے ہی کیلی فورنیا روانہ ہوئے۔ اب بھی ہم میں سے کوئی مذہبی عبادت وغیرہ نہ کرتا تھا اور نہ ہم نے کبھی مذہب پر بحث کی۔

خفیہ طور پر میں نے اسلام سے متعلق کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا' تاہم میرے زیر مطالعہ کتب غیر مسلموں کی لکھی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک کتاب انیس سروش کی "ISLAM REVEALED" تھی۔ یہ کتاب پڑھ کر میں اپنی سہیلی کے مسلمان ہونے پر اپنے آپ کو خطاوار محسوس کرنے لگی۔ میں سوچنے لگی کہ اگر میں ایک اچھی عیسائی ہوتی تو وہ اسلام کی طرف جانے کے بجائے چرچ جانے لگتی۔ میرا عقیدہ تھا کہ اسلام ایک انسان ساختہ مذہب ہے اور تضادات سے بھرپور ہے۔ سروش کی کتاب پڑھنے کے بعد میں نے سوچا کہ مجھے اپنی سہیلی اور خاوند کو عیسائیت کی طرف لانا چاہئے۔

ایزوسا پیسیفک یونیورسٹی میں میرے شوہر کو چند مذہبی کورس کرنے تھے۔ ایک دن وہ کلاس سے گھر آئے اور کہا: ''عیسائیت کے بارے میں جس قدر میں زیادہ مطالعہ کرتا ہوں، اسلام پر میرا یقین اتنا ہی زیادہ مضبوط ہوتا جاتا ہے''۔ اسی دوران میں انہوں نے اپنے مذہب کی تعلیمات پر عمل کرنے (عبادات وغیرہ) کی خواہش کا اظہار شروع کر دیا۔ ہمارے مسائل شروع ہو گئے۔ ہم نے مذہب کے بارے میں بحث کرنا شروع کر دی اور اپنے اپنے عقیدے کے حق میں دلیلیں دینے لگے۔ انہوں نے مجھے کہا: ''آپ کو اسلام کا مطالعہ کرنا چاہئے''۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں اسلام کے بارے میں پہلے ہی ہر وہ بات جانتی ہوں جس کے جاننے کی ضرورت ہے۔ میں نے سروش کی کتاب نکالی اور انہیں بتایا کہ میں کبھی اسلام پر ایمان نہیں لا سکتی۔ اگرچہ میرا شوہر کوئی دینی سکالر نہیں ہے، تاہم سروش کی کتاب کے حوالے سے اٹھائے گئے میرے ہر سوال کا جواب ان کے پاس موجود تھا۔ میں ان کے علم سے بہت متاثر ہوئی۔ انہوں نے مجھے کہا: ''اگر آپ واقعی اسلام کے بارے میں کچھ جاننا چاہتی ہیں تو پھر اس کا مطالعہ اسلامی ماٰخذ اور ذرائع سے کرو''۔ وہ ایک اسلامی بک سٹور سے میرے لئے چند اسلامی کتابیں لائے اور میں نے ایک مقامی مسجد میں کلاس میں جانا شروع کر دیا۔ میں جان گئی کہ اسلامی ماخذ کا اسلام غیر اسلامی ماٰخذ سے پیش کئے گئے اسلام سے کس قدر مختلف ہے، تاہم جب میں نے واقعتاً اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا تو یہ میرے لئے ایک بہت مشکل فیصلہ تھا۔ کچھ دیر کے لئے میری خود پسندی اور میرا فخر وغرور اس فیصلے کی راہ میں حائل ہو گیا۔ میں سوچنے لگی کہ میں اپنے شوہر اور سہیلی کے سامنے کیسے اعتراف کروں گی کہ وہ درست اور صراط مستقیم پر تھے۔ میں بڑی خفت محسوس کرنے لگی اور الجھن میں پڑ گئی۔ جلد ہی ذہن میں ایک دوسرا خیال پیدا ہوا کہ آخر میں کب تک سچائی کا انکار کر پاؤں گی۔ میں نے اپنی انا اور فخر وغرور کا گلہ گھونٹ دیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ میری زندگی کا سب سے بہترین فیصلہ تھا۔

دراصل جب میں نے سچائی کے لئے تحقیق شروع کی تو میں نے چند غلط مفروضے قائم کر لئے تھے۔ میرا پہلا غلط مفروضہ یہ تھا کہ سچائی صرف عیسائیت میں ہے، اس وقت تک

مجھے عیسائیت کے باہر دیکھنے کا کوئی موقعہ ہی نہ ملا تھا۔ دوسرا غلط مفروضہ یہ تھا کہ بائبل ہی اللہ تعالیٰ کے سچے اور حقیقی الفاظ پر مشتمل ہے۔ ان غلط مفروضوں نے مجھے سچائی کی تلاش کے دوران میں اشیاء اور نظریات کا معروضی طور پر جائزہ لینے سے روکے رکھا۔ جب میں نے خلوص اور سنجیدگی سے اسلام کا مطالعہ شروع کیا تو اسلام کے بارے میں پہلے سے موجود تصورات سے ذہن کو خالی کرلیا۔ اب میں ایک عیسائی کی نظر سے اسلام کا مطالعہ نہیں کر رہی تھی بلکہ اسلام، عیسائیت اور دوسرے مذاہب کا مطالعہ ایک اجنبی فرد کے طور پر کر رہی تھی۔ میرا مشورہ آپ کے لئے یہی ہے کہ آپ ایک تنقیدی مفکر اور ناقدانہ جائزہ لینے والے قاری بنیں۔

اسلام کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ایک اور غلطی جو کئی لوگ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ اسلام کی کوئی ایک خاص بات سیاق وسباق سے الگ کر کے لیتے ہیں اور پورے اسلام کو اسی کے حوالے سے جانچتے ہیں، مثلاً بہت زیادہ لوگ کہتے ہیں کہ اسلام عورتوں سے متعلق متعصب ہے کیونکہ اسلام کے قانون وراثت کے تحت مرد کو عورت کی نسبت دوگنا ملتا ہے۔ مگر جو بات وہ نہیں جانتے وہ یہ ہے کہ اسلام میں مرد پر معاشی ذمہ داریاں ہیں جب کہ عورت پر نہیں۔ یہ تو ایک الجھیڑے، معما اور پزل کی طرح ہے کہ جب تک آپ ہر ٹکڑے کو اس کی صحیح جگہ پر نہیں رکھیں گے تو آپ تصویر کو واضح نہیں کر سکتے۔ آپ پزل کے ایک ٹکڑے کو دیکھ کر پوری تصویر کے بارے میں نہیں جان سکتے۔

کئی لوگ کہتے ہیں کہ میں صرف اپنے شوہر کی وجہ سے مسلمان ہوئی ہوں۔ یہ صرف اس حد تک درست ہے کہ میں نے اسلام کا مطالعہ ان کے کہنے پر شروع کیا مگر اسلام کو میں نے صرف اس کی سچائی کے باعث قبول کیا۔

(بشکریہ: ریڈیئنس، شمارہ 12 تا 18 ستمبر 1999ء)

******

بابری مسجد کو شہید کرنے والے

شیو پرساد کا قبول اسلام

گزشتہ سال جولائی 2000ء میں پاسبان امارات اسلامی کے آرگنائزر ارسلان ہاشمی کے حوالے سے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ بابری مسجد کو شہید کرنے والے ہزاروں انتہا پسند جنونی ہندوؤں کے لشکر کی قیادت کرنے والے بجرنگ دل کے ایک کمانڈر شیو پرساد نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ وہ ان افراد میں شامل تھا جو بابری مسجد کو شہید کرنے کی کارروائی کے دوران میں سب سے پہلے مسجد کے گنبد پر چڑھے۔ شیو پرساد ایک جوشیلا مقرر تھا اور اس نے شیو سینا کے کارکنوں کے دلوں میں مسجد کو تباہ کرنے کے لئے جنون کی حد تک آگ لگا دی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اس کی خواہش پر اس کا نام محمد مصطفیٰ رکھا گیا۔

شیو پرساد نے بتایا:

''انتہا پسند ہندو تنظیموں کا یہ فیصلہ تھا کہ بابری مسجد سمیت بھارت میں موجود 3000 سے زیادہ مساجد کو گرا کر ان مقامات پر مندر بنائے جائیں گے۔ ہندو رہنماؤں کا کہنا ہے کہ یہ مسجدیں مندروں کو گرا کر بنائی گئی ہیں۔ ہندو تنظیموں کے فیصلے کا پہلا ہدف بابری مسجد تھی۔ تقریباً آٹھ سال قبل بھارت کے شہر فیض آباد کے علاقے ایودھیا میں واقع مسلمانوں کی اس قدیم تاریخی مسجد کو مسمار کرنے کے پروگرام کا اعلان کر دیا گیا''۔

بجرنگ دل نامی ہندو انتہا پسند تنظیم کا فیض آباد میں سربراہ شیو پرساد تھا۔ اس موقع پر کارسیوک کے نام سے مشترکہ آپریشن تشکیل دیا گیا۔ بجرنگ دل کے صدر شیو پرساد کا مشن تھا

کہ وہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصے لے گا۔ تمام تنظیموں نے مشترکہ طور پر شیو پرساد کی ذمہ داری لگائی کہ وہ بابری مسجد کو نیست و نابود کرنے والے 4 ہزار انتہا پسند جنونی ہندوؤں کے لشکر کی قیادت کرے گا۔ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے شیو پرساد نے مسجد کو مسمار کرنے کے واقعہ سے کئی روز قبل ہی چیدہ چیدہ جنونی لشکریوں کو ٹریننگ دینا شروع کر دی تھی۔ بابری مسجد کو شہید کر دینے کی کارروائی کے دوران میں جو لوگ سب سے پہلے مسجد کے گنبد پر چڑھے وہ شیو سینا کے کارکن تھے اور شیو پرساد نے ان کے دلوں میں مسجد کو تباہ کرنے کے لئے جنون کی حد تک آگ لگا دی تھی۔

شیو پرساد نے بتایا:

''جب بابری مسجد کا مینار گرنے لگا تو ہم نے ''جے رام'' کے زوردار نعرے لگائے اور بھجن گائے۔ میں تو خوشی سے پاگل ہو گیا تھا۔ اب اس واقعہ کو سات برس سے زائد کا عرصہ گزر گیا ہے اور میں الحمدللہ مسلمان ہو گیا ہوں۔ مینار گرنے سے جو خوشی مجھے حاصل ہوئی وہ چند دنوں بعد ہی کافور ہو گئی اور میرے رگ و پے میں ایک انجانے خوف کی لہر دوڑنے لگی۔ میں ایک عجیب و غریب پریشانی کا شکار ہو گیا۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کرنے لگا۔ میں ذہنی خلفشار میں مبتلا رہنے لگا۔ انتہا پسند ہندو تنظیموں اور ہندو مذہب کے رہنما مجھے مبارک باد دیتے' میں مبارک بادیں وصول کرتا مگر سوچتا کچھ اور رہتا۔ خلاؤں میں گھورتا اور جلد ہی مجھے اس احساس نے آن دبوچا کہ میں نے شاید کوئی بہت بڑا گناہ کر دیا ہے اور اس کی تلافی اب ممکن نہیں' شاید میں دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کے دل دکھانے والی کارروائی کا سبب بنا ہوں' اب اگر میں کتنے ہی جنم بدل لوں' کتنے ہی اشنان کر لوں میرا وجود اس گناہ سے اتنا بدبودار ہو گیا ہے کہ اب پاک ہونا میرے لئے ممکن نہیں۔ گو کہ بابری مسجد کو گرا دینے والی کارروائی میں میرے والد سنگ پریدار کے بھائی' تری رانا ناتھن بھی شامل تھے اور میرا خاندان بھی شریک تھا لیکن میری حالت یہ ہو گئی کہ مجھے کسی پل چین نہ رہا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب میں ہندوستان چھوڑ دوں گا۔ شاید یہاں سے دور ہو کر مجھے کچھ سکون دوبارہ مل سکے۔ بالآخر میں شارجہ پہنچ گیا۔ یہاں مجھے جلد ہی نوکری مل گئی مگر میں جس ذہنی سکون کی تلاش میں یہاں آیا تھا وہ مجھے نہ ملا۔ میری بے چینی' خلش اور بے قراری مزید بڑھ گئی۔

اب حال یہ ہوا کہ میری راتوں کی نیند بھی اڑ گئی۔ اسی پریشانی میں جب ایک دن میں شارجہ کی ایک مسجد کے قریب سے گزر رہا تھا کہ امام مسجد کی تقریر کے الفاظ میرے کانوں سے ٹکرائے: ”کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ

ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھل اُٹھیں

اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے جھک جائیں

اور وہ اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں ......

جنہیں اِن سے قبل کتاب دی گئی تھی

پھر ایک لمبی مدت اُن پر گزر گئی ......تو ان کے دل سخت ہو گئے اور آج اُن میں سے اکثر فاسق ہو چکے ہیں

خوب جان لو کہ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد حیات بخشتا ہے

ہم نے نشانیاں تم کو صاف صاف دکھا دی ہیں، شاید کہ عقل سے کام لو“۔

میں نے محسوس کیا کہ مجھے جس سکون کی تلاش ہے، جس اطمینان کو میں ڈھونڈ رہا ہوں وہ مجھے اسلام کے اندر ملے گا۔ پھر میں نے بہت غور کیا تو مجھے محسوس ہوا کہ مجھے کسی نتیجے پر پہنچنا چاہئے۔ بالآخر میں نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا اور پھر میرے قدم خود بخود اسی مسجد کی جانب اٹھ گئے اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔ گو کہ یہ فیصلہ کئے ہوئے مجھے ابھی چند دن ہی ہوئے ہیں مگر اب میرا وجود ہلکا ہو گیا ہے۔ اور میں محسوس کرتا ہوں کہ گناہوں کا بوجھ اب میرے سر سے اتر گیا ہے“۔

نو مسلم محمد مصطفےٰ نے بتایا: ”ماضی میں میرے طرز عمل سے اور میری کارروائی سے جو دکھ مسلمانوں کو ملا، دنیا بھر کے مسلمانوں کی جو دل آزاری ہوئی، میں اس پر شرمندہ ہوں، نادم ہوں، اللہ رب العزت سے اور مسلمانوں سے معافی اور رحمت کا طلب گار ہوں، میں تمام ہندو دوستوں سے اپیل کروں گا کہ وہ مسلمانوں سے تعصب کو چھوڑ دیں۔ اسلام کی حقانیت نے میری دنیا ہی بدل دی ہے“۔

❋❋❋❋❋❋
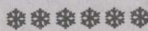
اسلام سچائیوں کا مذہب ہے

امریکہ کی ''مریم میکلاشلان کی روداد

مریم میکلاشلان (MARYAM McLACHLAN) کا تعلق امریکہ سے ہے۔ اس نے سات سال تک اسلام کا مطالعہ و مشاہدہ کیا اور بالآخر 4 جولائی 1999ء کو اسلام قبول کرلیا۔ اس کے قبولِ اسلام کی روداد بھارتی جریدے ''ریڈیئنس'' شمارہ 5 تا 11 ستمبر 1994ء میں شائع ہوئی ہے۔ مریم میکلاشلان بتاتی ہے:

آٹھ سال قبل جب پہلی بار میں نے اسلام کے بارے میں سنا تو اس وقت میری عمر 19 سال تھی۔ میرے ہمسائے میں ایک مسلمان خاتون رہتی تھی جس کے ساتھ اکثر گفتگو ہوتی۔ اس نے یہ تو مجھے بتایا کہ وہ مسلمان ہے مگر اسلام کیا ہے اس بارے میں اس نے کبھی بات نہ کی۔ ایک دن میں اس کے گھر گئی مگر اس نے دروازہ نہ کھولا اور میں اپنے گھر واپس آگئی۔ گھر آکر میں نے اسے فون کیا۔ اس نے معذرت کی اور دروازہ نہ کھولنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ وہ نماز پڑھ رہی تھی اس لئے دروازہ نہ کھول سکی۔ اس نے دوبارہ گھر آنے کی دعوت دی اور یہ بھی بتایا کہ جب کوئی مسلمان نماز پڑھ رہا ہوتا ہے تو دوران نماز وہ کسی سے بات تک نہیں کرسکتا۔

مجھے یاد ہے کہ اس کے بعد جب بھی مجھے موقع ملتا میں اس سے اسلام کے بارے میں ضرور سوال کرتی۔ وہ ایک سحر انگیز شخصیت کی مالک تھی۔ مجھے محسوس ہونے لگا جیسے میری

ذات میں اسلام کی کمی ہے۔ میں اسے نماز پڑھتے دیکھ کر بہت لطف اندوز ہوتی۔ اسلام کے ساتھ اس کی محبت و وفاداری نہایت متاثر کن تھی۔ اس کا تعلق متحدہ عرب امارات سے تھا اور ایک دن وہ امریکہ سے واپس اپنے وطن چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد مجھے اپنی تنہائی کا شدت سے احساس ہوا۔ اسلامی تعلیمات سیکھنے کا کام جاری رکھنے کے لئے اب مجھے خود کوشش کرنا تھی اور یہ بہت مشکل کام تھا کیونکہ میں اس کے علاوہ کسی دوسرے مسلمان کو نہ جانتی تھی۔

میں نے اسلام کے بارے میں کتب کا مطالعہ جاری رکھا۔ مجھے اس وقت تک قطعاً علم نہ تھا کہ ایری زونا (ARIZONA) میں بڑی تعداد میں مسلمان آباد ہیں کیونکہ میں نے انہیں ڈھونڈنے کی کوئی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ چار سال بعد میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے عربی زبان سیکھنی چاہئے اور میں نے عربی زبان کے ایک ٹیوٹر کے پاس جانا شروع کر دیا۔ یہ میرے لئے ایک نیا آغاز تھا۔ میرا ارادہ تو عربی زبان سیکھنے کا تھا مگر میرا ٹیوٹر مجھے عربی سکھانے کے بجائے اسلام سکھانے کی طرف لے جا رہا تھا۔ مجھے بہت خوشی ہوئی کیونکہ اب مجھے ایک نیا فرد مل گیا تھا جس سے میں اسلام سیکھ سکتی تھی، وہ باتیں جو میں نہیں جانتی تھی اس سے معلوم کرسکتی تھی۔ میں کتابوں کی نسبت استاد سے تیزی کے ساتھ اور بہتر انداز میں سیکھتی ہوں۔

ذہن میں رہے کہ تا حال میں نے اسلام قبول نہ کیا تھا، میں تو صرف سیکھ اور جان رہی تھی کہ اسلام ایک مذہب بھی ہے اور مکمل نظام حیات بھی۔ میں اس وقت تک اسلام قبول کرنا نہ چاہتی تھی جب تک میرا دل اس کے لئے راضی نہ ہو کیونکہ میں جانتی تھی کہ ایک بار میں نے اسلام قبول کرلیا تو میرے آگے زندگی کی ایک طویل شاہراہ ہے۔ بطور مسلمان زندگی کی اس شاہراہ پر چلنا اس قدر آسان نہیں ہے۔ بطور مسلمان بہت سے فرائض کو ادا کرنا ہوتا ہے مثلاً روزانہ پانچ وقت نماز وغیرہ۔ مکمل سپردگی کے بغیر یہ ممکن نہیں ہوتا۔ اگرچہ میں ایک مکمل انسان نہیں ہوں مگر شخصیت اس طرح کی ہے جو غلطیوں کو پسند نہیں کرتی۔ میں چاہتی ہوں کہ ہر کام صحیح طریقے سے ہو۔

میرا ٹیوٹر مجھے مسجد لے جانے لگا۔ وہاں اس نے مجھے کئی مسلمان بہنوں سے متعارف کروایا۔

پہلی بار جب میں مسجد گئی تو یہ رمضان شروع ہونے سے پہلے کا دن تھا۔ مسجد میں داخل ہوتے ہی میں نے خوشگوار سکون محسوس کیا۔ وہاں مسلمان بہنیں مجھے بڑی گرم جوشی سے ملیں اور میرے ساتھ ان کا سلوک نہایت شفیقانہ تھا۔ ان کی محبت و شفقت دیکھ کر میں تو حیران رہ گئی کیونکہ میں نے محبت و پیار کا یہ ماحول نہ دیکھا تھا۔ میری فیملی ایک خشک مزاج تھی اور اس میں اس طرح کی کوئی پر جوش محبت نہ تھی۔ محبت کرنے والی بہنوں نے مجھے گھیرا ہوا تھا' وہ مجھے اسلام سکھانے اور نئی زندگی میں میری ہر طرح کی مدد کرنے کے لئے بے تاب تھیں۔

پورا رمضان میں مسجد جاتی رہی اور ایک دن کے لئے بھی میں نے ناغہ نہ کیا۔ اگرچہ میں مسلم بہنوں کے ساتھ نماز میں تو شریک نہ ہوتی مگر ان کی عبادت کے نظارے سے استفادہ کرتی رہتی۔ میرے لئے اسلام کو سیکھنے کا یہ ایک تجربہ تھا اور اس کے لئے میں ہمیشہ شکر گزار رہوں گی۔

اگلے دو سالوں کے دوران میں بھی میں نے اسلام کو سیکھنا جاری رکھا۔ میں نے سیکھ لیا کہ ایک مسلمان بننے کے لئے ایک سچے اللہ پر' اس کے تمام پیغمبروں پر بشمول اس کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم' اسکی مقدس کتابوں پر' فرشتوں پر' یوم حشر اور یوم حساب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہ 4 جولائی 1999ء کا دن تھا جب میں نے اسلام قبول کرلیا۔ میں اس دن کے لئے اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے دین حق قبول کرنے کی توفیق بخشی۔ ان تمام لوگوں کی بھی شکر گزار ہوں جن کی بدولت اسلام کی طرف راغب ہوئی۔ میں اب بھی سیکھ رہی ہوں کیونکہ اسلام کو سیکھنا ایک طویل عمل ہے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ میں لمبے عرصے تک سیکھتی رہوں گی' اس سیکھنے کے عمل سے میں بھرپور لطف اندوز ہوتی ہوں۔ سیکھنے کے دوران اسلام میں' میں ہر روز ایک نئی چیز پاتی ہوں اور اگر میں نے سیکھنا بند کر دیا تو میرا ارتقا رک جائے گا اور ایسا کسی کے ساتھ نہیں ہونا چاہئے۔

اسلام سچائیوں کا مذہب ہے۔ میں نے حجاب پہننا شروع کر دیا ہے' اگرچہ اس کے لئے کچھ وقت لگا۔ شروع میں اس وقت پہنتی تھی جب میں مسجد جاتی اور پھر آہستہ آہستہ یہ میرے لئے مانوس ہوتا گیا اور اب میں گھر سے باہر ہر وقت پہنتی ہوں۔

اسلام نے مجھے آزاد کیا

انگلینڈ کی نومسلمہ بنت آدم کی ایمان افروز باتیں

ماضی میں جہاں تک میں جھانک سکتی ہوں' مجھے یاد ہے کہ میں اللہ تعالیٰ پر چھوٹی عمر سے ہی یقین رکھتی تھی۔ چودہ پندرہ سال کی عمر تک میں بائبل باقاعدگی سے پڑھتی تھی۔ مگر میرے مذہبی عقائد میری ذات تک ہی محدود تھے کیونکہ میں ڈرتی تھی کہ اگر میں نے لوگوں کے سامنے ان کا اقرار کیا تو وہ میرا تمسخر اڑائیں گے۔ میرا خاندان مذہبی نہیں تھا۔ مذہب پر اول تو بہت ہی کم بحث ہوتی تھی اور اگر کبھی ہوتی بھی تو مذہب کے منفی پہلوؤں کے حوالے سے ہی ہوتی۔ میں نے یسوع مسیح کی ماہیت کے بارے میں کبھی نہ سوچا تھا کہ آیا وہ انسانی ہے یا ربّانی۔ مجھے صرف اس میں دلچسپی ہوتی تھی کہ انہوں نے کہا کیا ہے۔ مطالعہ کے دوران میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ میں نے محسوس کیا کہ ان کی صحیح پیروی کا ایک ہی راستہ ہے کہ میں اپنی سوسائٹی اور دنیوی معاملات سے کٹ کر نن بن جاؤں لیکن میں ایسا نہیں کرسکتی تھی کیونکہ میں شادی بھی کرنا چاہتی تھی اور مجھے بچوں کی بھی خواہش تھی۔

آہستہ آہستہ میں ملک میں نوجوانوں کے مروج مشاغل یعنی پاپ میوزک اور ڈسکو وغیرہ میں مشغول ہوتی گئی اور میرے مذہبی احساسات بتدریج کم ہوتے چلے گئے۔ 18 سال کی عمر میں بطور نرس ٹریننگ لینے کے لئے میں گھر چھوڑ کر لندن آگئی۔ لندن میں میری چند عرب سٹوڈنٹس سے ملاقات ہوئی جنہوں نے مجھے اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی۔

اس دعوت پر میں شام گئی۔ میں اسلام اور اسلامی کلچر سے مکمل ناواقف تھی۔ پہلی بار جب میں نے باپردہ خواتین اور عجیب وغریب لباس میں مردوں کو دیکھا تو ششدر رہ گئی۔ میرا خیال تھا کہ ان کا رویہ بھی عجیب وغریب اور انوکھا ہی ہوگا لیکن میرے لئے تو یہ ایک سرپرائز تھا کہ وہ نہایت خوشگوار اور یگانگت طبیعت رکھتے تھے۔ تعلیم' خاندان اور مذہب کے لئے ان کے ہاں جو ادب و احترام پایا جاتا ہے میں اس کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ وہ نہایت ہی پرتپاک مہمان نواز تھے اور ان کی محبت وشفقت زبردست تھی۔ جب میں انگلینڈ واپس آئی تو میں نے محسوس کیا کہ میں اپنا دل تو وہیں چھوڑ آئی ہوں۔ شام میں ہونے والے تجربات کو میں اپنے ذہن سے نہ نکال سکی اور اسلام کے بارے میں مطالعہ شروع کر دیا۔ ایک پاکستانی نرس نے مجھے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ دیا جسے میں اپنے فالتو وقت میں پڑھنے لگی۔

میں مسلمان بنوں گی' اس بارے میں تو میں نے قطعاً نہ سوچا تھا' میرے اندر تو ایک زبردست تجسس تھا جس کے باعث میں خوشی سے قرآن پڑھنے لگی۔ میری زندگی کا یہ لمحہ نقطہ انقلاب بن گیا۔ میں نے جلد ہی جان لیا کہ یہ وہی سچائی ہے جو میں نے بائبل میں پڑھی تھی اور یہ وہی تعلیمات ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بیان کی تھیں لیکن کہیں زیادہ طاقتور' اثر انگیز اور صاف وشفاف۔ مجھے یاد ہے کہ یہ احساس ہونے پر کہ میری زندگی کے تمام طور طریقے غلط تھے اور میرے ہاتھوں میں اللہ کا حقیقی پیغام ہے میں کانپنے اور رونے لگی۔ فوراً اسلامی احکام کی پیروی چاہتی تھی مگر کیسے یہ نہ جانتی تھی۔ میں ایسے کسی فرد کو بھی نہ جانتی تھی جو اس سلسلے میں میری مدد کر سکے۔ میں تو ہر طرف سے غیر مسلموں میں گھری ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ میرا عزم وارادہ تحلیل ہوتا گیا اور میں بتدریج اپنی سابقہ حالت پر چلی گئی۔

5 سال تک اسلام کو میں نے اپنے آپ سے دور کر دیا۔ قرآن کو پڑھنے اور اللہ کے بارے میں سوچتے ہوئے بھی مجھے شرم آتی۔ غیر متوقع میرے ایک شامی دوست نے مجھ سے دوبارہ رابطہ قائم کیا اور اس سے میری تمام یادیں واپس لوٹ آئیں۔ میں نے اللہ سے دعا کی کہ وہ مجھے معاف کر دے اور مجھے وہاں اس طرح نہ مرنے دے اور یہ سوچ کر کہ میں دوزخ میں پھینکی جاؤں گی رونے لگے۔ ایک ہفتہ کے بعد میں اچانک بیمار ہوگئی اور مجھے ایک

بڑے آپریشن کے مرحلہ سے گزرنا پڑا' میں تقریباً مرگئی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے موت کے قریب لے گیا اور پھر اس نے مجھے زندگی کا دوسرا موقع دیا۔

اسکے بعد میں اسلام کی طرف لوٹ آئی اور یو کے اسلامک مشن لندن میں اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میں ایک پاکستانی گھرانے کے ساتھ دو ماہ تک رہی۔ یہیں میں اپنے ہونے والے شوہر سے متعارف ہوئی' اتفاق سے وہ بھی شامی ہی نکلا۔ جو افراد اسلام قبول کرنے کا عزم و ارادہ رکھتے ہیں ان کے لئے میرا مشورہ ہے کہ وہ ایسا کرتے ہوئے ہرگز خوف زدہ نہ ہوں' یہ تو شیطان ہے جو آپ کو مختلف حیلوں بہانوں سے اسلام قبول کرنے سے روکتا ہے۔ ایک بار آپ نے اسلام قبول کرلیا تو اللہ آپ کے لئے ہر دروازہ کھول دے گا اور اسلام پر عمل آپ کے لئے آسان ہو جائے گا۔

اسلام قبول کرنے سے قبل میں پانچ سال تک ذہنی کرب سے گزری۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میرے لئے راستہ آسان کر دیا۔ اکثر لوگ حیران ہوتے ہیں اور انہیں یقین نہیں آتا کہ ایک انگریز عورت نے ''آزادی'' کو چھوڑ کر ایک ایسے مذہب کو کیسے اختیار کرلیا ہے جو عورتوں کے لئے ''ظالمانہ و جابرانہ'' ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ اسلام اس کے بالکل الٹ ہے۔ برطانوی سوسائٹی میں خواتین کو ایک ''جنسی شے'' کے طور پر دیکھا جاتا ہے' انہیں استعمال کیا جاتا ہے' ان کی بے حرمتی کی جاتی ہے اور دہشت ناک جنسی جرائم کا انہیں نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ''ماں'' کو دولت حاصل کرنے کے لئے دوسرے درجہ میں شمار کیا جاتا ہے اور چالاک و ذہین عورتوں کو Macho (جارحانہ مردانہ خصوصیات کی حامل) کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ جبکہ اسلام میں عورت عزت و تکریم کی انتہائی بلندیوں پر ہے۔ اپنے حسن کو ڈھانپ کر وہ مردوں کو مجبور کرتی ہیں کہ جنسی شے کے بجائے ان کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک کیا جائے۔ اسلام میں ماں کا مقام تو اس قدر بلند ہے کہ مغربی عورت اس کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت ماں کے قدموں میں ہے''۔ ہر مسلمان عورت سمجھتی ہے کہ بڑی سے بڑی دولت کا حاصل کرلینا بھی اللہ تعالیٰ کی نظروں میں بچوں کی دیکھ بھال سے زیادہ قیمتی اور انعام کی حق دار نہیں ہے۔ اسلام میں مسلمان لڑکیوں

اور عورتوں کی تعلیم اتنی ہی ضروری ہے جتنی مسلمان لڑکوں اور مردوں کی۔

میں ذاتی طور پر محسوس کرتی ہوں کہ اسلام نے مجھے نہ صرف کئی سختیوں سے نجات دلائی ہے بلکہ میری خودداری بھی مجھے واپس لوٹائی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو بھی اچھا کام کرتا ہے اور اللہ پر یقین رکھتا ہے وہ مرد ہو یا عورت اللہ کی طرف سے اسے بہتر اجر دیا جائے گا۔ مرد و زن، نسل و رنگ اور امارت و غربت کے امتیازات سے بالا دینی مساوات ہی اسلام میں بھائی چارے کی اصل بنیاد ہے۔ اسلام میں بہترین آدمی وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی یعنی نیک اور اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی / بہن ہے اور سچ یہ ہے کہ اگر آپ کی فیملی مسلمان نہیں ہے تو ایمان کا رشتہ خونی رشتوں سے بھی زیادہ مضبوط اور بڑھ کر ہے۔

مجھے اسلام قبول کئے 9 سال سے کچھ ہی زیادہ عرصہ ہوا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہوں، میری فیملی میرے شوہر اور چار بچوں پر مشتمل ہے۔ ہماری پوری کوشش ہوتی ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ اسلام کے مطابق زندگی گزاریں۔ میرے اور میرے شوہر کے درمیان تعلقات کی مضبوطی کی بنیادی حقیقت ہم دونوں کا اللہ تعالیٰ پر ایمان و یقین اور ذہنی ہم آہنگی ہے۔ ہم ایک ہی طرح کی خواہشات اور خیالات رکھتے ہیں۔

ایک ایسے دور میں جہاں طلاق عام ہو، ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان کے باعث اپنے آپ کو مضبوط محسوس کرتے ہیں، ہر قسم کے دباؤ اور بے شمار مجبوریوں کا مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ہم اس دور میں رہ رہے ہیں جس میں ایڈز، سنگل پیرنٹ فیملیز اور اسقاط حمل کی بھرمار ہے۔ اسلامی طرز حیات اپنا کر آپ ان تمام برائیوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ جدید سوسائٹی میں درپیش تمام مسائل کا حل اسلام میں موجود ہے۔ اس ملک کو اسلام کی ضرورت ہے بلکہ تمام دنیا کو اس کی ضرورت ہے کیونکہ یہی تو ہے الٰہی ہدایت اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہمارے لئے کون سا راستہ صحیح راستہ ہے۔

(بشکریہ: ریڈئینس بھارت، شمارہ مئی جون 2000ء)

******
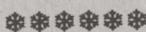
اسلام کا "تصور توحید" طاقت ور ترین نظریہ ھے
جو انسان کو جھوٹے خداؤں سے ایك اللہ کی طرف کھینچ لاتا ھے

کوریا کا منیر چویونگ اوہ

نام	:	منیر چویونگ اوہ
قومیت	:	کورین
تعلیم	:	بی اے (عربی لٹریچر)
خصوصی سرگرمی	:	صدر کورین مسلم سٹوڈنٹس آرگنائزیشن

سوال : اپنی ابتدائی زندگی کے بارے میں کچھ بتائیں؟

جواب : میں 1973ء میں جنوبی کوریا کے دارالحکومت سیول میں پیدا ہوا۔ میں اپنے والدین کا سب سے چھوٹا بیٹا ہوں۔ میرا ایک بڑا بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ ہائی سکول سے گریجویشن کرنے کے بعد میں نے سیول کی مائیونگ جے (MYONG-J) یونیورسٹی کے ''عربی زبان اور لٹریچر ڈیپارٹمنٹ'' میں داخلہ لیا۔

سوال : آپ نے اسلام کب قبول کیا؟

جواب : اگست 1998ء میں۔

سوال : اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کی فیملی اور دوستوں کا ردعمل کیا تھا؟

جواب : ردعمل کوئی زیادہ مخالفانہ نہ تھا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ کوریا کوئی مذہبی ملک نہیں ہے اور کوئی فرد کسی دوسرے کے مذہبی معاملات کے بارے میں پریشان نہیں ہوتا۔

سوال : آپ کی فیملی کا مذہب کیا ہے؟

جواب : میرے والدین بدھ مت کے پیروکار ہیں۔ میرا بھائی اور ایک بہن بھی بدھ مت کے پیروکار ہیں جبکہ دوسری دو بہنیں عیسائی ہیں۔

سوال : کن وجوہات کے باعث آپ اسلام کی طرف راغب ہوئے؟

جواب : درحقیقت ''اسلام'' میرے لئے ایک بالکل نئی دریافت تھا۔ میں سچائی اور حقیقت کی تلاش میں تھا۔ جن دنوں میں اپنے لئے ''راہ زندگی'' پر سوچ بچار کر رہا تھا' میں نے اپنے مسائل پر اپنے پروفیسر سے بھی تبادلہ خیال کیا تو انہوں نے مجھے سیول مسجد جانے کا مشورہ دیا۔ وہاں میں چند غیر ملکی مسلمانوں سے ملا جو میرے دوست بن گئے۔ ہم نے ''اسلام'' پر خوشگوار اور آزادانہ ماحول میں طویل بحثیں کیں۔ میں اسلامی عقائد سے بہت متاثر ہوا۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد میں نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

سوال : کیا اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کو مشکلات پیش آئیں؟

جواب : اسلام قبول کرنے کے بعد مجھے کوئی خاص مشکل پیش نہ آئی۔ ہاں' حلال خوراک کے حصول میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا' نمازوں کے اوقات کو ایڈجسٹ کرنے میں بھی معمولی پریشانی ہوئی' خاص طور پر غیر مسلم دوستوں کے معاملے میں جو اسلام کے بارے میں کچھ نہ جانتے تھے۔

سوال : اسلام کی سب سے اہم خوبی جو آپ کو پسند آئی؟

جواب : سادگی' سچائی' انصاف اور اس کے الہی ہونے نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا۔

سوال : جب آپ غیر مسلم تھے' اس سے موزانہ کرتے ہوئے بطور مسلمان آپ اپنے اندر کیا تبدیلیاں محسوس کرتے ہیں؟

جواب : سب تعریفیں رب العالمین کے لئے ہیں۔ میں پہلے سے کہیں زیادہ مطمئن ہوں' اخلاقیات اور سچائی کی ضرورت کو محسوس کرتا ہوں۔ قبولِ اسلام سے پہلے ان تمام چیزوں کی میری زندگی میں کمی تھی۔

سوال : کوئی اور بات جس نے اسلام کے بارے میں آپ کو متاثر کیا؟

جواب : جہاں تک میں جانتا ہوں اسلام واحد مذہب ہے جو انسانی زندگی کا سب سے

زیادہ بلکہ انتہائی احترام کرتا ہے اور سب لوگوں کے ساتھ مساوات سے پیش آتا ہے۔ یہ کسی فرد کو اس کے ''دنیوی سٹیٹس'' کے لحاظ سے اہمیت' مقام' عزت اور احترام نہیں دیتا بلکہ اسلام میں برتری کا معیار تقویٰ ہے۔

سوال : مسلمان ہونے سے قبل ''اسلام کے بارے میں اپنے خیالات'' کا موزانہ مسلمان ہونے کے بعد کے خیالات سے کیسے کریں گے؟

جواب : مسلمان ہونے سے قبل اسلام کے بارے میں میرے وہی خیالات تھے جو تقریباً ہر غیر مسلم کے ہوتے ہیں' اور وہ یہ کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اور یہ وہ مذہب ہے جو دوسروں پر زبردستی ٹھونسا جاتا ہے لیکن جب میں نے غیر متعصب ذرائع سے اسلام کا مطالعہ کیا تو میں سچائی کے قریب تر ہو گیا' میں نے اسلام کی خوبصورتی کو تلاش کر لیا اور مسلمان ہو گیا۔

سوال : کیا آپ کورین مسلم سٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے بارے میں کچھ بتائیں گے؟

جواب : یونیورسٹی میں سال دوم کی تعلیم کے بعد میں نے اڑھائی سال کے لئے اپنی ملٹری سروس آرٹلری میں کی۔ میں سٹوڈنٹس کلب کا ذمہ دار بھی تھا اور تقریباً یہی وہ زمانہ ہے جب میرے ذہن و قلب میں ایمان کا شعلہ روشن ہوا۔ میرے ذہن میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ ایک مسلم سٹوڈنٹس آرگنائزیشن قائم کی جائے۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد اس خیال کو عملی جامہ پہنا دیا گیا اور کورین مسلم سٹوڈنٹس آرگنائزیشن وجود میں آ گئی۔ مجھے اس کا ایکٹنگ صدر بنا دیا گیا۔

سوال : کوئی اور بات جو آپ بتانا پسند فرمائیں؟

جواب : میں اسلام کے ''نظریہ توحید'' کا لازمی ذکر کروں گا کہ یہ ایک انتہائی طاقتور نظریہ ہے جو غیر ذی روح اور بے جان اشیاء پر ایمان و اعتقاد سے بلا تاخیر لوگوں کو دور لے جاتا ہے اور لوگوں کو قوت کے حقیقی اور اعلیٰ ترین سر چشمے کی طرف متوجہ کرتا ہے اور جھوٹے خداؤں سے ایک اللہ کی طرف کھینچ لاتا ہے۔ یہ تو تمام بنی نوع انسان کے لئے پیغام ہدایت ہے' یہ کسی خاص فرد کے لئے نہیں ہے بلکہ جو بھی خلوص سے سچائی کی تلاش میں ہیں' یہ ان سب کے لئے ہے۔ (یہ انٹرویو ڈاکٹر محمد جنید ندوی صاحب کے نام سے انگریزی زبان میں ''دعوۃ ہائی لائٹس اسلام آباد'' میں شائع ہوا تھا۔ مصنف)

******

یقین محکم - عمل پیہم

لینا ونفرے سید (LENA WINFREY SAYYED) کی داستان

اس سرد و گرم دنیا کے مصائب و مشکلات سے بھرپور اور مصروف زندگی میں بے شمار لوگ کسی ان دیکھی چیز کی تلاش میں سرگرداں دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں اکثر یہ بھی نہیں جانتے کہ انہیں کس چیز کی تلاش ہے۔ کچھ لوگ اپنے مسائل کا حل مذہب میں تلاش کر لیتے ہیں۔ لوگوں کو کسی مقصد کی ضرورت ہے...... اور ہاں، نظریاتی طور پر انتشار اور نشیب و فراز میں مبتلا آج کی دنیا میں ''سچ'' کی تلاش بہت مشکل ہے مگر میں ''سچ'' کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہوگئی۔

میں امریکہ میں رہنے والی ایک عیسائی لڑکی تھی۔ میں باقاعدگی سے چرچ جاتی تھی مگر پھر بھی میرے قلب و ذہن پر یہ احساس چھایا رہتا تھا کہ جیسے میں کسی قیمتی چیز سے محروم ہوں۔ بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی اپنے دل میں کسی خلا کو محسوس کرتی تھی۔ ہم میں بے شمار لوگ مسکراتے دکھائی دیتے ہیں اور ان کے چہروں پر خوشی بھی دکھائی دیتی ہے مگر اندر سے وہ محروم اور غمگین ہوتے ہیں۔ یہی حالت میری بھی تھی۔

میں عیسائیت کے بارے میں شکوک شبہات میں مبتلا تھی مگر کوئی میرے سوالوں کا تسلی بخش جواب نہیں دے پاتا تھا۔ اس لئے میں نے مذہب کا کورس لیا تا کہ عیسائیت کا مطالعہ کر سکوں۔ میں نے اپنے چرچ کے پروگراموں میں بھی اضافہ کر دیا۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا

کرتی ''اے اللہ مجھے سچائی کا راستہ دکھا''۔

میں یونیورسٹی میں عرب طلبہ سے ملی اور ان کی دوست بن گئی۔ میں نے انہیں نہایت پرکشش پایا۔ مجھے ان کا کھانا' موسیقی اور زبان بہت پسند آئی۔ وہ مذہب ''اسلام'' کے بارے میں گفتگو کرتے تو میں ان سے پوچھتی ''یہ اسلام کیا ہے؟''۔ مجھے اسلام کے بارے میں کوئی زیادہ علم نہیں تھا۔ بے شمار امریکی اسلام کے بارے میں بالکل نہیں جانتے یا پھر بہت کم معلومات رکھتے ہیں یا پھر وہ اسلام کے بارے میں میڈیا کے ذریعے پھیلائے گئے جھوٹ اور من گھڑت بری داستانوں سے واقف ہیں۔ میں اسلام کے لئے متجسس تھی اس لئے میں نے اسلام کے بارے میں تحقیق شروع کر دی۔ میں نے اسلامی کتابیں اور قرآن مجید کے انگریزی ترجمے کو پڑھا' مسلمانوں سے ملاقاتیں کیں۔ میں نے اسلام کو ایک دلکش اور پرامن مذہب پایا۔ اسلام میں مجھے اپنے ذہن میں اٹھنے والے تمام سوالوں کا جواب مل گیا۔ قلب و ذہن کو طمانیت حاصل ہوئی۔ اسلام نے ''ایک اللہ'' کی طرف میری رہنمائی کی اور میں جان گئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف ایک پیغمبر تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔ میرے دل نے محسوس کرلیا کہ مجھے وہ سچائی مل گئی ہے جس کی مجھے مدتوں سے تلاش تھی۔ 1989ء میں 27 رمضان المبارک کو میں نے اسلام قبول کرلیا اور رمضان کے آخری تین روزے بھی رکھے۔ میں بہت خوش تھی کیونکہ میرے دل کا خلا خالص خوشیوں اور طمانیت سے پُر ہو چکا تھا۔ اور میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے بہت قریب محسوس کر رہی تھی۔

اسلام قبول کرنے کے بعد میری زندگی میں ایمان کی آزمائش آنے والی تھی۔ مجھے اپنے عیسائی والدین کو اسلام قبول کرنے کے بارے میں بتانا تھا لیکن میں نے اس میں چند ماہ کی تاخیر کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ میں اپنی قوت ایمانی کو مزید مضبوط کرلوں۔ یونیورسٹی میں عرب دوستوں میں سے ایک نے مجھے شادی کی پیش کش کی۔ میں نے اس پیش کش کو قبول کرلیا۔ بہت سے دیگر امریکیوں کی طرح میرے باپ کو بھی یہ بات پسند نہ تھی کہ اس کی لڑکی کسی غیر ملک کے شہری سے شادی کرے مگر میں اپنے موقف پر مضبوطی سے ڈٹ گئی اور اپنے

والدین کو مجبور کیا کہ وہ میرے شوہر کو قبول کرلیں۔ یہ معرکہ میں نے سر کرلیا۔ اب مجھے انہیں یہ حقیقت بھی بتانا تھی کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں۔ انہیں اس خبر سے زبردست دھچکا لگا اور وہ بہت پریشان ہو گئے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ شاید انہوں نے مجھے غلط طریقے سے پروان چڑھایا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ میں نے ان کا دل دکھانے کے لئے اسلام قبول کیا ہے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ میں اب بھی ان سے پہلے ہی کی طرح محبت کرتی ہوں اور میں نے اسلام کو اپنی خوشیوں اور طمانیت قلب کی خاطر قبول کیا ہے۔ میرے والدین کا خیال تھا کہ مسلمان بھی ہندوؤں کی طرح ہوتے ہیں اور سچائی سے بہت دور ہیں۔ وہ مذہب کے معاملے میں ہر وقت مجھ سے جھگڑنے لگے۔ میرا دل بہت دکھتا مگر میں اپنے عقیدے پر مضبوطی سے جمی رہی۔

اس کے بعد حجاب کا مسئلہ آگیا۔ وہ اس پر بھی مجھ سے ناراض ہو گئے۔ حجاب ان کے نزدیک عجیب وغریب چیز تھی اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ مجھے حجاب میں دیکھیں۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ حجاب تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت اور اپنی ذات کے احترام میں کررہی ہوں۔ مجھے اپنے مسلمان ہونے پر بہت فخر ہے۔ والدین کے ساتھ کشمکش جاری رہی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اور فضل سے امریکی معاشرے میں پیش آنے والی مشکلات کا مقابلہ بھی میں کرتی رہی۔ آہستہ آہستہ یہ مشکلات میرے لئے آسان ہوتی گئیں۔

میں اپنے والدین کے سلسلے میں بہت صبر سے کام لے رہی تھی اور مجھے ان کے رویے میں تبدیلی کا انتظار تھا۔ تین سال گزر گئے۔ پہلے کی نسبت میرے مذہب کے بارے میں ان کا رویہ بہتر ہونے لگا۔ اب آٹھ سال گزر چکے ہیں، وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ اسلام نے مجھے ایک اچھے انسان میں تبدیل کر کے مجھے ایک زیادہ فرمانبردار اور احترام کرنے والی بیٹی بنا دیا ہے۔ بے شک وہ میرے مذہب پر یقین نہیں رکھتے مگر کم از کم وہ اسلام کو پہلے کی نسبت بہتر سمجھتے ہیں اور میرے قبولِ اسلام کو انہوں نے میرا انتخاب سمجھ کر قبول کرلیا ہے۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اسلام نے مجھے خوش وخرم بنا دیا ہے۔

(بشکریہ: فلسطین ٹائمز)

روشنی کا سفر

عبداللطیف ایڈون ایم آرسیو

فلپائن کا عبداللطیف ایڈون ایم آرسیو ایک عیسائی تھا۔ سعودی عرب اکاؤنٹنٹ کی حیثیت سے ریال کمانے آیا اور دولت ایمان سے مالامال ہو گیا۔ ان کی روداد کا اردو ترجمہ کیا ھے جوھر آباد کے نہایت قابل احترام سکالر جناب عبدالرشید ارشد صاحب نے' اور یہ ماھنامہ بیدار ڈائجسٹ کے شمارہ اکتوبر 1999ء میں شائع ھوئی۔

انسانی زندگی کے اہم فیصلے کہیں اور ہوتے ہیں' میری یہ سوچ روشنی کے سفر سے پہلے تھی اور انسانی زندگی کا ہر فیصلہ پہلے سے طے ہے' ہم تو صرف اس کے مطابق حالات و واقعات کو جنم دیتے ہیں' یہ بات میرے علم میں روشنی کے سفر کے دوران میں آئی۔

میرا نام جو والدین نے بڑی چاہت سے رکھا تھا' ایڈون تھا اور خاندان کے حوالے سے ایڈون ایم آرسیو مکمل نام تھا۔ میں فلپائن کے دارالحکومت منیلا سے 75 کلومیٹر دور بلکن میں پیدا ہوا اور منیلا یونیورسٹی سے اکاؤنٹس میں اعلیٰ ترین ڈگری لی۔ میری تعلیمی صلاحیت کے پیش نظر مجھے مقامی بنک نے ملازمت کی پیشکش کی جسے میں نے قبول کرلیا۔

میرا گھرانہ کافی بڑا تھا' والدین کے علاوہ ہم بارہ بھائی بہن تھے لہٰذا بنک

کی معقول تنخواہ بھی کفالت نہ کرتی تھی۔ والدہ ایک پروویژن سٹور اپنے قصبہ میں اسی مجبوری سے چلاتی تھی۔ بہن بھائی زیر تعلیم تھے۔ کفایت شعاری سے باعزت گزر ہو رہی تھی۔

میرے والد مسیحی موحد فرقے سیونتھ ڈے ایڈونچرسٹ سے متعلق تھے۔ باقی گھرانہ کیتھولک تھا۔ مذہب گھر میں اگرچہ واجبی سا تھا مگر میں پکا مذہبی کیتھولک تھا اور بائبل کے بہت سے حصے مجھے ازبریاد تھے۔ کیتھولک عقیدے کے مطابق عبادت سے کبھی غافل نہ ہوا تھا۔ باقاعدگی سے بائبل پڑھتا تھا اور گھر کی بے عملی پر کڑھتا بھی تھا۔

قسمت کی بات کہ ایک روز اخبار میں اشتہار آیا کہ سعودی عرب کے لئے اکاؤنٹس کلرک درکار ہیں۔ فلاں تاریخ کو فلاں ہوٹل میں انٹرویو ہوگا۔ میں اگرچہ چارٹڈ اکاؤنٹنٹ تھا اور سعودی ملازمت میرے مرتبہ سے کم تر تھی مگر فلپائنی کرنسی میں سعودی تنخواہ' بنک کی تنخواہ سے بہر حال زیادہ تھی اور پھر باہر کی دنیا دیکھنے کا موقع بھی تھا' سو میں تیار ہو کر مقررہ تاریخ پر بروقت انٹرویو کے لئے پہنچ گیا۔ میری تعلیمی صلاحیت اور بنک میں اعلیٰ ملازمت کے تجربہ کے سبب مجھے چن لیا گیا۔

میں نے جب سعودی عرب میں اپنی ملازمت کی خبر اپنے گھر اور دفتر میں سنائی تو دونوں جگہ ملا جلا ردعمل تھا۔ گھر میں ماں مغموم تھی جبکہ بھائی بہن خوش تھے۔ دفتر میں ایک طرف رشک تھا تو دوسری طرف دوستوں کو دوری کا رنج بھی تھا۔ ویزہ لگنے اور روانگی کے انتظامات کی تکمیل کے مراحل تک ہمہ جہت مختلف تاثرات و جذبات سے واسطہ رہا۔ جب ہر کام مکمل ہو گیا اور منیلا سے جہاز میں سوار ہو کر روانگی کی گھڑی آئی تو والدہ کے علاوہ وہ بھی سوگوار کھڑے تھے جو پہلے خوش تھے کہ دولت آئے گی۔

منیلا سے اڑے تو سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض پہنچے۔ ہوائی اڈے پر کمپنی کا نمائندہ کھڑا تھا جو سیدھا کمپنی کی رہائش گاہ پر ہم سب آنے والوں کو لے گیا۔ وہاں پرانے فلپائنی بھی تھے۔ ایک دوسرے سے ہم وطن بڑی چاہت سے ملے۔ پرانے ساتھیوں نے نئے آنے والوں سے تعارف کیا' ملک کی خیر خیریت معلوم کی اور یوں ہلکے پھلکے ہو گئے گویا سفر کی تھکاوٹ ہی نہ تھی۔

سعودیہ میں پہلی صبح ہوئی تو نہا دھو کر پرانے ساتھیوں کے ساتھ نئے دفتر حاضر ہوئے۔ معلوم ہوا کہ یہ ''آئرش میسٹوک'' کمپنی ہے جو ڈیری فارم چلاتی ہے۔ بین الاقوامی کمپنی ہے جس کے ریاض دفتر میں جو سعودیہ کے لئے مرکزی دفتر ہے' مختلف ممالک کے لوگ کام کرتے ہیں۔ دفتر کے لوگوں سے تعارف ہوا' ذمہ داریاں سمجھائی گئیں بلکہ اگلے ہی لمحے نئے آنے والوں کو ان کی ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔ یہ کمپنی میں میرا پہلا دن تھا۔ دفتر میں ہم وطن ضرور تھے مگر شناسائی یا بے تکلفی کسی سے نہ تھی۔

دفتر میں ایک خوبی جو میں نے محسوس کی وہ یہ تھی کہ دفتر کے ماحول میں کسی قسم کی گھٹن نہ تھی ۔ نہ افسری نہ ماتحتی تھی' ہر کوئی اپنی اپنی میز پر مصروف۔ جس کمرے میں مجھے جگہ ملی وہاں ایک پاکستانی پراجیکٹ اکاؤنٹنٹ اور ایک فلپائنی کلرک جز جورڈن تھا۔ میرے آنے کے چند روز بعد جز جورڈن کو کسی دوسرے دفتر منتقل کر دیا گیا اور یوں میں اور پاکستانی اکاؤنٹنٹ کمرے میں رہ گئے۔ کام کے حوالے سے ہمارے فرائض الگ الگ تھے' بس کمرہ مشترک تھا اور کسی مسلمان کے ساتھ بیٹھنے بلکہ قریب سے مسلمان کو دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا' اس لئے ایک مخصوص جھجک تھی جس کی وجہ سے ایک ڈیڑھ ماہ تک بات ''ہیلو ہیلو'' سے آگے نہ بڑھی۔

پاکستانی اکاؤنٹنٹ بڑی عمر کے داڑھی والے صاحب تھے اور دن میں دفتری اوقات کے دوران میں میز کے پاس ہی دو مرتبہ کھڑے ہو کر عبادت کرتے جسے میں بغور دیکھتا رہتا۔ میرے ذہن میں یہ خیال بار بار آتا کہ خشک سے ہوں گے اس لئے بات بڑھانے میں ہچکچاہٹ مانع تھی۔ پھر آہستہ آہستہ ہمارے درمیان اجنبیت کی دیوار گرنے لگی۔ ایک دوسرے کا تعارف بتدریج تفصیل کے ساتھ سامنے آتا رہا۔ تعارف بڑھا تو مذہب کے حوالے سے کبھی کبھار گفتگو ہو جاتی۔ میں انہیں بائبل سناتا اور جواباً کبھی وہ کہتے کہ قرآن بھی اس بات کی تائید کرتا ہے اور کہیں کہتے کہ قرآن میں یہ واقعہ یوں درج ہے۔ غرض اس طرح جھجک دور ہوئی اور کھل کر باتیں ہونے لگیں۔ جس طرح مجھے بائبل کے بہت سے حصے یاد تھے اسی طرح اتفاقاً انہیں بھی قرآن کے بہت سے حصے یاد تھے۔

اسی طرح کم و بیش چھ ماہ گزر گئے۔ کمرے کا ماحول بہت خوشگوار تھا۔ کام کرتے کرتے درمیان میں چند لمحے گفتگو کے لئے بھی نکل آتے اور اب موضوع بالعموم اسلام اور عیسائیت ہی ہوتا۔ ایک سہ پہر اچانک میرے سر میں اس قدر شدید درد ہوا کہ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پاکستانی ساتھی نے آنسوؤں کا سبب پوچھا تو میں نے بتایا کہ شدید سر درد ہے۔ کہنے لگے ابھی نماز کا وقت ہو رہا ہے میں نماز پڑھ لوں' اللہ سے دعا کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے نماز کے بعد کچھ پڑھ کر میرے سر پر پھونک دیا اور چند منٹ میں درد ختم ہو گیا۔

چند منٹ میں سر درد غائب ہوا تو مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ پڑھا کیا گیا جس کے اثر سے درد فوراً جاتا رہا۔ میں نے پوچھا تو کہنے لگے کہ قرآن سے چند آیتیں پڑھی ہیں' اللہ سے دعا کی ہے' شکر ہے کہ اس نے قبول کر لی۔ میرے لئے یہ کسی معجزہ سے کم نہ تھا۔ یوں قرآن کے لئے میرے اندر تجسس پیدا ہوا تو میں نے خواہش ظاہر کی کہ مجھے وہ آیتیں لکھ کر دو۔ انہوں نے قرآن کا یہ حصہ اور جہاں جہاں حضرت مریم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے فوٹو سٹیٹ کر کے دیئے۔ انگریزی ترجمہ کسی بہت ہی فاضل علامہ یوسف علی کا تھا۔ میں نے بڑی توجہ سے یہ حصے پڑھے تو کہیں اختلاف نظر نہ آیا۔

نماز کی بات ہوئی تو میں نے بتایا کہ ہم اتوار کے اتوار گرجا جا کر عبادت کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں اور ویسے بھی ہمارے گناہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب پر اپنے سر لے لئے تھے تو انہوں نے جواب دینے کی بجائے پہلے ایک کتاب Islam in Focus پڑھنے کو دی' پھر دوسری کتاب Towards Understanding Islam دی۔ دونوں کتابیں پڑھ چکا تو انہوں نے Myth of the Cross دی جسے میں نے بغور پڑھا۔ ان کتابوں کے مطالعہ نے مجھے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ کیتھولک ہونے کے ناطے عیسائیت اور اسلام کا تقابلی مطالعہ کرنا بہت مفید رہے گا چنانچہ میں نے اپنے پاکستانی ساتھی سے دو مطالبات کئے۔ ایک یہ کہ مجھے مکمل قرآن دو اور دوسرا یہ کہ جو نماز پڑھتے ہو مجھے لکھ کر دو۔

اگلے روز صبح مجھے علامہ یوسف علی کے ترجمہ کے ساتھ قرآن بھی مل گیا اور رومن عربی میں لکھی مکمل نماز اور پانچوں نمازوں کی ادائیگی کا طریقہ بھی مل گیا۔ میں نے قرآن کا مطالعہ شروع کیا تو مجھے یہ احساس ہوا کہ اس میں ایک متحرک پیغام ہے جسے فوری طور پر دوسروں تک پہنچانا پڑھنے والے کی ذمہ داری ہے اور جوں جوں میں پڑھتا گیا یہ احساس شدید ہوتا گیا۔ میں اپنی سوچ اپنے ساتھی کے سامنے رکھتا' سوال کرتا اور وہ مجھے مطمئن کرتے۔ اس طرح مزید 6 ماہ گزر گئے۔ نماز کے الفاظ مجھے یاد ہو گئے۔ جب الفاظ کے معنی پر غور کرتا تو دل میں سکون سا محسوس ہوتا پھر فوراً ہی مسیحیت میرے سامنے آ کھڑی ہوتی۔ میں سوچتا اور تقابلی سوچوں میں گم ہو جاتا۔

میں نے جس طرح اپنے پاکستانی ساتھی کو نماز پڑھتے اپنے دفتر میں دیکھا تھا اسی طرح سکونِ دل کی خاطر' دوپہر اور بعد دوپہر کی نماز دفتر کے اوپر اپنے کمرے میں جا کر پڑھ لیتا کیونکہ سبھی ہم وطن نیچے دفتر میں کام کر رہے ہوتے' باقی تین نمازیں نیچے دفتر میں آ کر پڑھ لیتا کہ سبھی ساتھی اوپر اپنے اپنے کمروں میں یا ٹی وی کے گرد مصروف ہوتے۔ میرے خیال میں میری چند منٹ غیر حاضری کا کوئی نوٹس نہ لیتا تھا۔ میں اندر سے قرآن کی حقانیت کا قائل ہو چکا تھا مگر میں نے کبھی کھل کر اس کا اظہار اپنے پاکستانی ساتھی سے نہ کیا اور نہ اس نے مجھے اسلام قبول کرنے کا کہا۔ وہ اپنی دھن میں مجھے کتابیں پڑھائے جا رہے تھے اور میرے سوالات کے جواب دیتے رہتے۔

میری خواہش تھی کہ میں گھر چھٹی پر جاؤں اور وہاں سب گھر والوں کو روشنی کے سفر کی تفصیل بتا کر انہیں اپنا ہم نوا بناؤں' پھر سب مل کر ہم خود کو حضرت عیسیٰؑ کے سچے پیروکار ثابت کرتے ہوئے اس سردار کے پیغام پر جھک جائیں جس کے متعلق بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام ملتا ہے: ''میرے بعد دنیا کا سردار آنے والا ہے جب تم اسے پاؤ تو اس کی بات سنو''۔ یہ پیغام پورے شعور کے ساتھ میں سن چکا تھا۔

میری سوچ ادھوری رہ گئی کہ ایک صبح جب میں نماز کے لئے نیچے دفتر کے کمرے میں آیا تو میرا روم میٹ جمی' جو کئی دن سے میری تاک میں تھا دبے پاؤں پیچھے آیا اور مجھے وضو

کرتے دیکھ کر کہنے لگا: ''اچھا' تو تم بھی اپنے پاکستانی ساتھی کی نقل کرنے لگ گئے ہو' تم نے اپنا دین چھوڑ دیا ہے''۔ باوضو حالت میں جھوٹ بول کر جمی کو ٹالنا اب میرے بس میں نہ تھا' لہٰذا میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگرچہ میں نے باضابطہ اسلام قبول نہیں کیا مگر میں دل سے اسلام کی سچائی تسلیم کر چکا ہوں۔ جمی پچھلے پاؤں بھاگا اور تمام فلپائنی ملازمین کو میری تبدیلی سے آگاہ کر دیا۔

دفتر کا وقت ہوا تو جمی نے وہاں بھی ڈھنڈورا پیٹا۔ ہر کمرے میں ایک ہی موضوع تھا کہ پاکستانی اکاؤنٹنٹ نے ہمارا بندہ مرتد کر دیا ہے۔ اور ایڈون مرتد ہو گیا ہے۔ ایڈمنسٹریشن مینیجر ٹیری نے مجھے بلایا کہ میں خبر کی تصدیق یا تردید کروں۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ میں نے اپنے سچے مسیحی ہونے کا ثبوت دیا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بائبل میں پیشین گوئی پر عمل کیا ہے جس میں انہوں نے اپنے بعد آنے والے دنیا کے سردار کی خبر دیتے ہوئے اپنے پیروؤں کو اس کی پیروی کی تاکید کی ہے۔ ٹیری کے لئے یہ بات حیران کن تھی۔

دوسرے کھڑے لوگوں کی موجودگی میں' میں نے مسٹر ٹیری سے کہا کہ تمہیں مسیحی ہونے کا دعویٰ تو ہے' کیا تم نے کبھی بائبل پڑھی بھی ہے۔ اگر پڑھی ہے تو بائبل سے مجھے مسئلہ تثلیث نکال دو' میں تمہارے پاؤں چوم لوں گا۔ ٹیری اور دوسرے لوگوں کے پاس میری بات کا کوئی جواب نہ تھا۔ دفتر کا یہ ماحول دیکھ کر میں نے اپنے پاکستانی ساتھی سے مشورہ کیا تو وہ کہنے لگے کہ اب کسی ممکنہ انتقامی کارروائی سے بچنے کے لئے اپنے اسلام کا اعلان کرنا ضروری ہو گیا ہے لہٰذا مذہبی امور کے وزیر شیخ بن باز کے پاس چل کر ضابطے کی کارروائی مکمل کر لیتے ہیں۔ یہی مناسب راستہ ہے۔

اتفاقاً اسی دن پاکستان سے میرے پاکستانی دوست کے چھوٹے بھائی حج کے لئے مکہ پہنچے جن سے وہ فون پر بات کر رہے تھے۔ میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ میرے چھوٹے بھائی نے مکہ مکرمہ پہنچ کر فون پر اطلاع دی ہے۔ میں نے نام پوچھا تو کہنے لگے کہ اس کا نام عبداللطیف ہے۔ مجھے یہ نام اچھا لگا۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے' ایک آپ کا چھوٹا بھائی عبداللطیف ہے اور آج سے دوسرا عبداللطیف آپ کا یہ روحانی بیٹا ہے۔ ہم شیخ بن باز

صاحب کے دفتر گئے۔ نابینا تھے' ہماری بات سنی' کلمہ طیبہ پڑھایا' مبارک باد دی اور میں عبداللطیف بن گیا۔

اب دفتر میں' میں عبداللطیف ایڈون ایم آر سیو تھا۔ میری نماز پر اب کوئی پابندی نہ تھی۔ دفتری چہ میگوئیاں بھی دم توڑ گئیں۔ البتہ دوسرے فلپائنی مجھ سے کھچے کھچے ضرور رہنے لگے۔ میں نے دین سیکھنے کے لئے زیادہ پڑھنا شروع کر دیا۔ میرے پاکستانی ساتھی کے ایک دوست' جو ایک دفتر میں ملازمت کے ساتھ ساتھ پی ایچ ڈی کے مقالے کی تیاری میں مصروف تھے' نے اپنی کمپنی میں جز وقتی کام کا انتظام کر دیا' گویا ایک طرف اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا تو دوسری طرف رزق میں برکت سے بھی نواز دیا۔ میں دفتر سے چار بجے چھٹی کرتا تو اپنے پاکستانی ساتھی کے ساتھ نئے دفتر آ جاتا کہ یہ دفتر ان کے گھر کے ساتھ تھا۔ یہاں مجھے ایک اور اچھے پاکستانی کی صحبت مل گئی اور یوں میری تربیت کا اللہ تعالیٰ نے بہتر انتظام فرما دیا۔ یہ تربیت کنندہ اب ڈاکٹر محمد امین ہیں جو وطن جا چکے ہیں۔

ایک روز جمعہ کی نماز ادا کر کے مسجد سے نکلا تو تین چار پاکستانی ملے۔ میں نے بڑے چاؤ سے آگے بڑھ کر انہیں ''السلام علیکم'' کہا اور بتایا کہ ''انا مسلم''۔ انا پاکستانی مگر انہوں نے خوش ہوئے بغیر سوال شروع کر دیئے جو میرے علم اور میری سمجھ سے بالاتر تھے کہ میرے پاکستانی ساتھی نے مجھے کبھی یہ بتایا ہی نہ تھا۔ پوچھنے لگے کہ انت سنی مسلم؟' انت شیعہ مسلم؟' انت فلاں مسلم؟' فلاں مسلم؟ میں پریشان حال کمرے میں آیا' تھوڑی دیر بعد پاکستانی ساتھی بھی آ گئے۔ پریشان دیکھا تو خود بھی پریشان ہو گئے۔

میں نے انہیں مسجد کے باہر پیش آنے والی صورت حال سے آگاہ کیا تو کہنے لگے کہ تم قرآن اور حدیث رسول ﷺ پڑھ کر مسلمان بنے ہو۔ کیا تم نے قرآن و حدیث میں کسی جگہ سنی' شیعہ' اہلحدیث لکھا پڑھا ہے' اگر نہیں ہے تو یقین کر لو کہ تمہیں اس تفصیل کی ضرورت نہیں ہے' تم اول و آخر صرف اور صرف مسلمان ہو' قرآن و حدیث والے مسلمان۔ پھر انہوں نے میرے اطمینان کی خاطر شیعہ سنی کی تفصیل بھی بتا دی۔ میرے لئے بہر حال ان کی پہلی بات ہی وزنی تھی اور آج تک اسی پر قائم ہوں۔

اسلام قبول کر کے عبداللطیف بن جانے کے بعد میں نے وقت ضائع کئے بغیر اپنے والدین، رشتہ داروں اور دوستوں کو یہی روشنی قبول کرنے کی ترغیب کے لئے خطوط لکھے، فون کئے، بڑے حوصلہ شکن جواب ملے۔ سالانہ چھٹی پر گھر گیا تو والدین اور سب بھائی بہنوں کے ساتھ تفصیل سے بات ہوئی۔ والد صاحب نے کہا کہ تم میرے پادری کو قائل کر لو۔ میں تیار ہو گیا، پادری صاحب نے قرآن مانگا اور ایک ہفتے کی مہلت بھی کہ پھر بات ہو گی۔ جب مقررہ دن میں والد صاحب کے ساتھ پادری صاحب کو ملنے گیا تو وہ غائب تھے۔ میں نے والد صاحب سے کہا کہ اگر سچائی ان کی جھولی میں ہوتی تو غائب کیوں ہوتے، حقائق کا سامنا کرتے۔ چھٹی اسی طرح کی مصروفیت میں ختم ہو گئی اور میں ملول دل کے ساتھ واپس ریاض آ گیا۔ میں نے ہمت نہ ہاری اور مسلسل خطوط کے ذریعے محنت کرتا رہا اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کہ یہی روشنی میرے اہل خانہ کا مقدر بنے۔

ریاض میں، میں نے فلپائنیوں کے لئے ایک تبلیغی مرکز بنایا جہاں ہم ہر جمعرات کی شام کو مل کر بیٹھتے اور جمعہ کی شام کو اپنے اپنے ٹھکانے پر واپس پہنچ جاتے۔ تین چار ماہ کی محنت رنگ لائی، پہلے ایک، پھر دو اور پھر تین، چار، یوں پانچ افراد نے اس مرکز میں دولت ایمان پائی اور الحمدللہ یہ سلسلہ بتدریج بڑھ کر یہاں تک پہنچ گیا کہ ہم نے منیلا میں ایک ہزار ڈالر ماہانہ پر ٹی وی پر چند منٹ ٹائم خرید کر اسلام کا پیغام نشر کرنا شروع کر دیا۔ میں نے چند کتابچے بھی اس دوران میں مرتب کئے، اپنے خرچ پر چھاپ کر اپنے ہم وطنوں میں پھیلائے اور آج میرا کام اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان اور نئے ہم سفروں کے تعاون سے وسیع ہو چکا ہے۔

میں نے شعور کے ساتھ ایک مسیحی دوشیزہ سے شادی کی، میرا لالچ یہ تھا کہ میں اسے قائل کر کے جب دائرہ اسلام میں لے آؤں گا تو میرے کھاتے میں اضافہ ہو گا اور الحمدللہ یہ ہو گیا کہ وہ امینہ عبداللطیف بن گئی۔ امینہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے احمد اور مریم سے نوازا جو آج کل سکول جاتے ہیں۔ میری محنت کو میرے خالق نے شرف قبولیت سے نوازا کہ ایک بھائی کے علاوہ میرے والدین اور بہن بھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکار بن کر

دنیا کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام محبت ونجات کے سامنے جھک گئے۔ وہ دن، وہ لمحہ میرے لئے مسرت وانبساط کا خزینہ تھا۔ اب مجھے ان کی اسلامی تربیت کی فکر تھی کہ وہ محض کاغذی اور روایتی مسلمان نہ بنے رہیں۔ خوشی کے ساتھ، ایک دکھ بھی تھا کہ میرا ایک بھائی اس روشنی سے محروم اپنے خالق کے پاس چلا گیا، وہ اگر دوزخ میں گیا تو کہیں مجھ سے یہ نہ پوچھا جائے کہ تم نے بہتر طور پر اسے سچے پیغام سے آگاہ نہ کیا ورنہ یہ بھی جہنم کا ایندھن نہ بنتا۔

جس روز کویت پر عراق نے حملہ کر کے قبضہ کیا، میں اپنی کمپنی کی طرف سے وہاں برانچ آفس کھولنے گیا ہوا تھا۔ حملے کے سبب وہاں سے نکلنے والوں میں، میں بھی شامل تھا مگر اس حال میں کہ میرا سامان ہوٹل میں تھا اور دو کپڑوں میں قافلے کے ساتھ پیدل اومان کی جانب صحرا میں سفر کر رہا تھا۔ دن انتہائی گرم، راتیں انتہائی سرد، جس کے ردعمل میں، میں بخار سے پھنکنے لگا۔ دوران سفر معمولی پانی اور خوراک ملتی، یہ سفر 26 دن پر محیط رہا۔ اس دوران میں میرے اہل خانہ اور میرے دفتر والے عراقی حملے کے سبب میری زندگی سے ناامید ہو چکے تھے۔

میں پورے شعور کے ساتھ سوچتا ہوں کہ مجھے اس اذیت ناک سفر میں اگر کسی چیز نے سہارا دیا تو میرے خالق کے طے کردہ نظام عبادت نے۔ سچی بات ہے کہ اگر اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے باقاعدگی سے روزے نہ رکھے ہوتے اور بار بار حج کی "مشقت" سے نہ گزرا ہوتا تو صحرا میں کسی جگہ بے گوروکفن میرا ڈھانچہ بھی پڑا ہوتا۔ 26 دن بعد اومان پہنچ کر میں نے ریاض فون کیا تو کمپنی نے میری واپسی کا انتظام کر دیا۔ الحمدللہ۔

میری کمپنی غیر ملکی ہے۔ جہاں میں نے جز وقتی کام شروع کیا تھا وہاں آج میں مستقل سینئر سٹاف ممبر ہوں، مجھے باعزت ملازمت میں معیاری معاوضہ ملتا ہے۔ میری انتظامیہ مجھ سے خوش ہے کہ میں اپنے دفتری اوقات کار اور فرائض منصبی میں کوتاہی نہیں کرتا۔ یہ انتظامیہ کے خوف سے نہیں بلکہ صرف اس لئے کہ دیانت وامانت میرے رب کا حکم ہے۔ یہ دیانت وامانت وقت اور صلاحیتوں کے استعمال کے لئے بھی ویسے ہی اہم ہے جیسے عملی زندگی کے

دیگر معاملات میں اور کمپنی میں یہی میری ترقی اور کامیابی کا راز ہے۔

آج برسوں بعد سوچتا ہوں کہ منیلا کے بنک میں ملازمت کے دوران میں، میں نے کبھی یہ سوچا بھی نہ تھا کہ میں کسی دن بہت بڑی بین الاقوامی کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہونگا۔ پوری دنیا کی سیر کرونگا اور اس وقت میں مسٹر ایڈون ایم آر سیو نہیں بلکہ عبداللطیف ایڈون ہوں گا۔ سعودیہ میں میرا داخلہ ''ماستوک'' میں بطور اکاؤنٹس کلرک ہوا، جہاں کام کے دوران میں مجھے دولت ایمان ملی تو دولت دنیا میرے پیچھے بھاگنے لگی۔ میں خود کو اپنے رب کے بے پناہ انعامات کے نیچے دبا ہوا پاتا ہوں، رشد و ہدایت جن میں سب سے بھاری اور سرفہرست ہے۔ الحمدللہ رب العالمین۔ پہلے دن سے آج تک میں اپنے روحانی باپ، اپنے پاکستانی ساتھی کے لئے دعا گو ہوں جو میری ہدایت کا سبب بنا جس کی رہنمائی میں، میں نے روشنی کا سفر خود بھی طے کیا اور پھر بہت سے ہم سفر اپنے گرد اکٹھے بھی کر لئے خصوصاً اپنا خاندان۔ ثم الحمدللہ۔

نوٹ: - عبداللطیف اب ایک عالم دین بن چکے ہیں۔ گزشتہ پندرہ سالوں میں انہوں نے قرآن مجید، کتب احادیث کے علاوہ سید قطب، محمد قطب، مولانا مودودیؒ اور دیگر کئی دینی سکالروں کے لٹریچر کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے قرآن مجید کا اپنی قومی زبان میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ مذکورہ بالا روداد میں ڈاکٹر محمد امین کے ساتھ جس دوسرے پاکستانی کا بطور ''پراجیکٹ اکاؤنٹنٹ'' ذکر آیا ہے اور جس نے عبداللطیف کو لٹریچر فراہم کیا اور بعد میں عبداللطیف کا روحانی باپ بنا، وہ کوئی اور فرد نہیں بلکہ اس روداد کو اُردو کے قالب میں ڈالنے والے عبدالرشید ارشد صاحب خود ہی ہیں۔ (ملک احمد سرور)

چندن کی خوشبو والے

ہندوؤں کی کتاب بھوشیہ پران میں حضرت محمد ﷺ کی چند صفات کا ذکر اسطرح ملتا ہے: ''کلکی اوتار ریگستان میں پیدا ہونگے۔ بنج تو پانی (آبِ زم زم) سے دنیا کو سیراب کریں گے جسطرح دریائے گنگا سیراب ہوتا ہے۔ انکے پسینے میں چندن (صندل) کی خوشبو ہو گی جو فضا کو معطر کریگی''۔ (کھانڈ 3، ادھیائے 3، منتر 60)
کتب احادیث اور سیرت رسول پاک ؐ میں نبی کریم ؐ کے جسم سے اُٹھنے والی خوشبو کا واضح ذکر ملتا ہے۔

تاریکی سے روشنی کی طرف

فوزی مہدی کی صلیب وتثلیث سے بغاوت

(تحریر: سعید عبدالستار ......ترجمہ: مسعود حسن حسنی ندوی)

جب کسی انسان پر دین حق کی کرنیں پڑتی ہیں اور اس کے دل پر سے ظلمت کا زنگ چھٹ جاتا ہے تو پھر اس کا نفس مضطرب ہو کر اپنی حقیقت اور پھر اپنے خالق کے بارے میں سوالات کرنے لگتا ہے اور جب وحدانیت اس پر عیاں ہو جاتی ہے تو وہ فوراً پکار اٹھتا ہے ''میں اللہ پر ایمان لایا جو سارے جہانوں کا رب ہے''۔

فوزی صبحی سمعان کا بھی یہی حال ہوا کہ انہوں نے صلیب اور تثلیث کے عقیدہ سے بغاوت کر کے نصرانیت کا خول اتار پھینکا اور اسلام کی قربت اختیار کر لی۔ اسلام سے قریب ہونے میں جو چیز ان کی معاون ثابت ہوئی وہ اللہ کی کتاب اور اس کی تلاوت ہے۔ ان کو بعض سورتیں اور آیات بچپن ہی سے یاد تھیں۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ پندرہ سال کے تھے۔ یہ فوزی سمعان اب اسلام کے داعی فوزی مہدی ہیں۔ وہ جدہ میں قرآن کریم کا درس دیتے ہیں۔ میں نے ان سے ملاقات کی اور ان کے اسلام قبول کرنے اور اسلام پھیلانے کے سلسلہ میں کچھ سوالات کئے۔

میں نے ان کی سابقہ زندگی اور موجودہ زندگی کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا: ''میرا پیدائشی نام فوزی صبحی سمعان الیس تھا اور قبولِ اسلام کے وقت میری عمر

25 سال تھی۔ میرا موجودہ نام ''فوزی صبحی عبدالرحمٰن المہدی'' ہے۔ اس وقت میری عمر چالیس سال ہے''۔

سوال : اسلام لانے سے قبل آپ کی کیا مصروفیات تھیں؟

جواب : میں جسمانی تربیت کا مدرس تھا' اب قرآن اور اس کے علوم کا مدرس ہوں (اور اس پر تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے) اور میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ہدایت دی۔

سوال : کیا آپ قرآن کریم کے حافظ بھی ہیں؟

جواب : ہاں' میں قرآن کریم کو مکمل حفظ کر چکا ہوں' اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی میں قرآن کریم کا کافی حصہ یاد کر چکا تھا۔ یہ اللہ کا مجھ پر فضل ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جو کچھ میں جانتا ہوں اس پر مجھے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے' نبی کریمؐ کا ارشاد ہے: '' جو چیز معلوم ہے اس پر جو عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو وہ علم عطا کرے گا جو اسے معلوم نہیں''۔

سوال :آپ کے اسلام قبول کرنے کے کیا اسباب ہیں؟

جواب :اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: '' جس کو اللہ تعالیٰ راہ راست پر لانا چاہتا ہے' اسلام کے لئے اس کا سینہ کھول دیتا ہے''۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَمَابِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللهِ یعنی تم پر جو بھی نعمتیں ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہیں''۔ اور ارشاد ربانی ہے ''قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذَالِکَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَا خَيْر'' مِّمَا يَجْمَعُوْنَ''۔ یعنی اسلام نور ہے اللہ تعالیٰ جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔

رہا اسباب کا معاملہ تو وہ یہ ہیں کہ جب بھی میں گرجا گیا' میں نے پادری کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس طرح مخاطب کرتے ہوئے اور پکارتے ہوئے سنا جیسے کہ وہی اللہ ہوں۔ پادری کہتا (اور اسی طرح جو بھی گرجا میں ہوتا وہ اسی طرح مخاطب ہوتا): ''یا الٰهنا مخلصنا و ربنا یسوع المسیح اغفرلنا یعنی اے ہمارے معبود' ہمارے مخلص اور ہمارے رب یسوع مسیح ہماری مغفرت فرما''۔

مجھے اس پر تعجب ہوتا تھا کہ وہ کلیسا میں اس طرح کہتے ہیں اور یہ کہ مسیح کھاتے بھی تھے اور پیتے بھی تھے۔ پھر ان کا کہنا ہے کہ مسیح انتقال فرما چکے ہیں۔ اگر وہ معبود ہیں جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں تو کائنات کا نظام کیسے چل رہا ہے جبکہ مسیح قبر میں ہیں۔ اور کیا خدا کو بھی موت آتی ہے؟

یہ بنیادی سبب ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے اسباب ہیں مثلاً: اعتراف گناہ کا طریقہ۔ میں دیکھتا تھا کہ لوگ اس کو سات گرجاؤں کے رازوں میں سے ایک راز مانتے ہیں۔ اعتراف کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کرنے والے نصرانی پر ضروری ہے کہ وہ بند کمرے میں پادری کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرے' پھر پادری اس کے سر پر صلیب رکھ کر کچھ کلمات کا ورد کرے گا۔ پھر اس سے کہے گا: ''جاؤ' تمہارے سارے گناہ معاف ہو گئے''۔

فطرت کا راستہ

سوال: آپ کیسے اسلام لائے؟

جواب: کلیسا میں جو کچھ میں نے دیکھا جب میرے دل نے اسے قبول نہ کیا تو پھر میں نے اللہ تعالیٰ جو کہ یکتا ہے' بے نیاز ہے' سے دعا کی کہ مجھے حق دکھا دے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر حق کو عیاں کر دیا اور مجھے ہدایت سے سرفراز فرمایا۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے جس نے اسلام کی طرف رہنمائی کی تو وہ یہ ہے کہ میرے دل میں حق و باطل کے درمیان معرکہ جاری تھا۔ اس معرکہ کے دوران میں میرے ذہن میں جو سوالات پیدا ہوتے ان کا جواب مجھے قرآن میں مل جاتا تھا جس سے میں مطمئن ہو جاتا۔

سوال: اسلام قبول کرتے وقت کیا آپ کو کچھ مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا؟

جواب: ہاں' اپنے بھائیوں' رشتہ داروں اور کلیسا کے پادریوں کی طرف سے بہت سی مشکلات مجھے پیش آئیں لیکن مجھے یقین تھا کہ اللہ رب العزت ایمان لانے والوں کی ضرور مدافعت فرماتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے معاملہ کو آسان کر دیا اور میری مدد فرمائی۔ اس پر میں اس کی جتنی بھی حمد و ثنا بیان کروں کم ہے۔

سوال: اسلام کی وجہ سے گھر والوں سے آپ کے تعلق کی کیا صورتحال ہے؟

جواب :اسلام قبول کرنے کا اعلان کرنے سے پہلے بھی میں ان لوگوں کے ساتھ نہایت نرمی کا معاملہ روا رکھتا تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دے اور ایسا ہی ہوا۔

الحمدللہ، میری بہن جو مجھ سے چھوٹی ہے اس نے اسلام قبول کرلیا اور اس کے تین ماہ کے بعد ہی میرے والد صاحب نے بھی اسلام کو گلے سے لگالیا۔ رہا اسلام قبول کرنے کے بعد معاملہ تو میری تو بہت کوشش ہے کہ میں اپنے بھائیوں اور اہل خاندان سے ملوں، لیکن کلیسا کے پادریوں نے انہیں بہت ڈرایا اور دھمکایا ہے جس کی وجہ سے وہ مجھ سے قطع تعلق کئے ہوئے ہیں۔اس لئے کہ پادریوں کو خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ جو بھی قرآن سنے گا وہ نصرانیت کے سلسلے میں شک اور تذبذب میں مبتلا ہو جائے گا۔ عیسائیت کے بارے میں یہ شک اور تذبذب اسلام کی طرف جانے کی ابتداء ہے۔

سوال : کتنی مدت میں آپ نے قرآن کریم یاد کیا؟

جواب :اسلام قبول کرنے کے بعد تین سال کی مدت میں، میں نے قرآن کریم اس کے معانی کے ساتھ یاد کرلیا۔ میں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں، اور اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔ یہ محض اللہ کا فضل ہے۔ بے شک وہ جسے چاہتا ہے نوازتا ہے اور اللہ تعالیٰ عظیم فضل والا ہے۔

سوال : کیا آپ شادی شدہ ہیں؟

جواب : ہاں، اسلام قبول کرنے کے چھ سال بعد ایک مسلمان خاتون سے میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد سے نوازا ہے۔ اولاد میں عبدالرحمٰن ہے، اس کی کنیت ابو سہل ہے، اور فاطمہ ہے جس کی کنیت اُمِ سلمہ ہے، اور رقیہ ہے اس کی کنیت اُمِ عمیر، اور زینب ہے اس کی کنیت ام عمار ہے۔اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے میرے بیٹے عبدالرحمٰن کو بھی قرآن کریم حفظ کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور مکمل حفظ کرنے کی طرف رواں دواں ہے اور یہی حال اس کی بہنوں کا ہے۔ میری بہن جس نے میرے اسلام قبول کرنے کے چھ ماہ بعد اسلام قبول کیا تھا، نے قرآن کریم تجوید کے اصول وضوابط کے

مطابق یاد کرلیا ہے اور فی الحال وہ قطر میں مقیم ہے۔ وہ وہاں دعوت وتبلیغ کے فرض کی انجام دہی میں مشغول ہے۔

اللہ کا فضل ہے اور اس کی رحمت ہے کہ میں اپنی اولاد کی بقدر استطاعت کتاب اللہ اور سنت رسولؐ اللہ کے مطاق تربیت کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : فَاتَّقُو اللّٰہَ مَااسۡتَطَعۡتُمۡ'' یہ اللہ کا شکر واحسان ہے کہ وہ سب میرے ساتھ ہیں، فجر کی نماز گھر میں پڑھتے ہیں اور باقی نمازیں مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

دعوت وتبلیغ کا طریقہ کار

سوال : آپ کی نظر میں دعوت الیٰ اللہ کا کیا طریقہ کار ہونا چاہئے؟

جواب :اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: " اِذۡھَبَا اِلٰی فِرۡعَوۡنَ اِنَّہٗ طَغٰی فَقُوۡلَا لَہٗ قَوۡلًا لَیِّنًا لَعَلَّہٗ یَتَذَکَّرُ اَوۡ یَخۡشٰی (سورہ طہٰ) یعنی دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہو رہا ہے اور اس سے نرمی سے بات کرنا، شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے''۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ اسلام کو نرمی کا حکم دیا اور یہ حکم دیا کہ ملک مصر جا کر فرعون کو نیکی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں اور یہ کام قول حسن (نرم گفتگو) کے ذریعہ انجام دیں۔ یعنی نرم لہجہ اور اچھے ڈھنگ سے ہو اور ایسی دلیل کے ذریعہ ہو جو عقل کے راستہ کو روشن کر دے یعنی ایسی دلیل دی جائے جس سے آدمی مطمئن ہو جائے اور مدعو راستہ کو اختیار کرے۔ اس کے سامنے راستہ کی رہنمائی کے ساتھ بھلی چیز کی محبت کا اظہار ہو جو نفس کو پاک کر دے اور اخروی سعادت کا سبب بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول کے ذریعہ اس طرف رہنمائی فرمائی ہے، ارشاد ہے: '' فَقُلۡ ھَلۡ لَّکَ اِلٰٓی اَنۡ تَزَکّٰی وَاَھۡدِیَکَ اِلٰی رَبِّکَ فَتَخۡشٰی (سورۃ النازعات:18`19) --- اور اس سے کہو، کیا تو چاہتا ہے کہ تو پاک ہو جائے اور میں تجھے تیرے پروردگار کا راستہ بتاؤں تا کہ تجھ کو خوف پیدا ہو۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ونبی کو یہ حکم دیا کہ دعوت الی اللہ کا جو طریقہ ہونا چاہئے وہ یہ ہو کہ نرم بات کہی جائے اس میں خشونت نہ ہو۔ جب نبیوں اور رسولوں کو دعوت الیٰ اللہ کا یہ طریقہ بتایا گیا کہ دعوت دینے میں نرم بات، نرم لہجہ اختیار کیا جائے جس میں خشونت نہ

ہو' تکبر نہ ہو تو نبیوں اور رسولوں کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے جس کی لوگوں کو مخاطب کرنے میں اور لوگوں کو امر بالمعروف کرنے میں اتباع کی جائے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے فرمایا ''وقولوا للناس حسنا یعنی لوگوں سے اچھے انداز میں بات کرو'' تو اس سے معلوم ہوا کہ نبیوں اور رسولوں کا جو لوگوں کو مخاطب کرنے کا طریقہ ہے بس وہی قابل اتباع ہے۔

اس آیت میں داعی الی اللہ کو لوگوں سے نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آنے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ معاملہ یکساں طور پر تمام لوگوں سے ہونا چاہئے۔ چاہے آدمی نیک ہو یا بد ہو' سنت پر عمل پیرا شخص ہو یا بدعتی ہو۔ مداہنت سے اجتناب کرے' اہل باطل سے اس طرح نہ گفتگو کرے کہ وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ وہ (داعی) اس کے مذہب پر راضی ہے یا اس کے مذہب کو صحیح سمجھ رہا ہے بلکہ حق بات کہے' باطل کا رد کرے اور باطل کے سلسلہ میں نرم کلامی نہ کرے۔ داعی کسی بھی زمانہ میں ہو' چاہے وہ کتنے ہی اونچے مرتبہ پر فائز ہو جائے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام سے افضل نہیں ہو سکتا۔ اور فاجر کا فسق (گناہگار کا گناہ) خواہ کتنا ہی بڑھ جائے وہ موسیٰ علیہ السلام کے فرعون سے زیادہ خبیث نہیں ہو سکتا۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کو فرعون سے نرمی سے پیش آنے کو کہا' نرمی کا مطلب یہ ہے کہ حق کو دلیل سے واضح کر دیا جائے اور باطل کا دلیل سے رد کر دیا جائے۔ لوگوں سے نرمی کا اظہار کیا جائے اور لوگوں میں راہ نجات پر چلنے کا شوق پیدا کیا جائے اور انہیں یہ باور (محسوس) کرایا جائے کہ ان سے خیر کی بات کہی جا رہی ہے اور اس میں ان کا فائدہ ہے اور خیر حق کی اتباع اور باطل سے دور رہنے میں ہے۔

حکمت اور صحیح روش

داعیوں کو جس اسلوب کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کی پابندی کرنا ہی ان کے لئے بہتر ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن ط ان ربک هو اعلم بمن ضل عن سبیله وهو اعلم بالمهتدین (سورۃ نحل: 125) ترجمہ: ''اے پیغمبر' لوگوں کو دانش اور عمدہ نصیحت کے ذریعہ اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ' اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔

جو اس کے رستے سے بھٹک گیا تمہارا پروردگار اسے بھی خوب جانتا ہے اور جو رستے پر چلنے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے"۔

اس آیت میں دعوت کی جن صفات اور طریقہ کا بیان ہے داعی کو انہیں اختیار کرنا چاہئے۔حکمت کے سلسلہ میں مفسرین کا کہنا ہے کہ جس نے بغیر دلیل کے کوئی راستہ اپنایا وہ گمراہ ہوا اور جس نے بغیر اصل کے کسی چیز کو اختیار کیا وہ راہ راست سے پھر گیا۔لوگوں کی رہنمائی کرنے والے اور اللہ کی طرف لوگوں کو بلانے والے کی دلیل اللہ عزوجل کی کتاب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔اسی وجہ سے داعی کے لئے بقدر ضرورت قرآن کو یاد کرنا، تلاوت اچھی طرح کرنا، معانی پر غور وفکر کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے احکام کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے پابندی سے اس کا پڑھنا ضروری ہے۔اور داعی کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ صحیح احادیث کی طرف رجوع کرے اور دلائل میں گہرائی پیدا کرے، اس لئے کہ احادیث قرآن کی تفسیر ہیں اور قرآن کے احکامات کو واضح کرنے والی اور اس کے مجملات کی تفصیل بیان کرنے والی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نیز خلفاء راشدین وسلف صالحین کی حسب استطاعت سیرت کا مطالعہ کرنا بھی داعی کے لئے ضروری ہے۔طالب علم، داعی، خطیب، گفتگو کرنے والا، وعظ ونصیحت کرنے والا، عبادات، معاملات اور شریعت کے اسرار ورموز کے علم سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔اس میں شک نہیں کہ تفسیر وحدیث کی کتابوں سے رابطہ رکھنا اس سلسلہ میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے لیکن فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا اور علم کی مجالس میں حاضر ہونا، اہل علم سے ان معاملات میں سوال کرنا جس سے ناواقف ہے اور دینی امور سے واقفیت حاصل کرنے کا شوق بھی ضروری ہے۔

حدیث شریف میں نبی کریمؐ کا قول وارد ہوا ہے کہ جس سے سوال کیا گیا اور بغیر علم کے اس نے جواب دیا تو وہ خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی اس نے گمراہ کیا۔داعی کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو جس بات کی نصیحت کرے اس کو اپنے اندر اور اپنے گھر والوں میں پہلے نافذ کرے، کیوں کہ اسلام علم بھی ہے اور عمل بھی ہے اور داعی الی اللہ کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کا فعل اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہو اور جو اندھیرے میں ہو

وہ دوسرے کو کیسے راہ دکھا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہود پر ان کے قول اور فعل میں تضاد ہونے کی وجہ سے ملامت فرمائی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: ''اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون'' ترجمہ: تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو۔ اور تم کتاب پڑھتے بھی ہو کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

پس داعی الی اللہ جو دین سے مخلص، حق کا ماننے والا ہے وہ اپنے آپ کو بھلائی کی طرف لے جائے گا اور اس پر ثابت قدم رہے گا اور اپنے آپ کو شر سے محفوظ رکھے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ''رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ و من ذریتی ربنا و تقبل دعا'' ترجمہ: اے پروردگار مجھ کو ایسی توفیق عنایت کر کہ نماز پڑھتا رہوں اور میری اولاد کو بھی یہ توفیق بخش، اے پروردگار میری دعا قبول فرما''۔ سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اسماعیل علیہ السلام کی اپنے کلام میں جو تعریف کی ہے ''واذکر فی الکتاب اسمٰعیل ز انه کان صادق الوعد وکان رسولاً نبیا وکان یامر اهلهٗ بالصلواۃ والزکوٰۃ ص وکان عند ربه مرضیًا'' (سورۃ مریم: 54`55)

''اور کتاب میں اسماعیل علیہ السلام کا بھی ذکر کرو، وہ وعدے کے سچے اور ہمارے بھیجے ہوئے نبی تھے اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے تھے اور اپنے پروردگار کے یہاں پسندیدہ اور برگزیدہ تھے''۔ ہمیں اس پر غور وفکر کرنا چاہئے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاتے ہیں اور خود اس پر عمل نہیں کرتے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قول ''یآایها الذین امنوا لم تقولون مالا تفعلونo کبر مقتا عنداللہ ان تقولوا مالا تفعلون'' ترجمہ: اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ اللہ کے نزدیک کتنی بری بات ہے کہ تم وہ کہتے ہو جو خود نہیں کرتے۔ سورۃ الصف کی ان آیات پر غور کرنا چاہئے۔

داعی الی اللہ جس کے لئے اچھے الفاظ اور نپی تلی عبارتیں استعمال کرنا لازمی ہے اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حلم سے آراستہ ہو، کشادہ دلی اس میں پائی جاتی ہو، لوگوں کی بکواس (غیر مہذب باتیں) برداشت کرنے کی اس میں صلاحیت ہو، اور ان کے سوالات پر

صبر کرنے پر بھی قادر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کی دعوت کے سلسلہ میں ان کے کلام اور لوگوں کی بکواس (غیر مہذب باتوں) پر صبر کرنے کی تعریف فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ! ''ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک'' (آل عمران 159:) ترجمہ: اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔

حضرت عبادہؓ بن صامت نے فرمایا کہ ہم نے نبی کریمؐ سے اس پر بیعت کی کہ جہاں کہیں بھی ہم ہوں گے حق کہیں گے، اور اللہ کے سلسلے میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے ہم خوفزدہ نہیں ہوں گے۔

داعی الی اللہ اس طبیب کے مثل ہے جو مریض کی حالت کی رعایت کرتا ہے، اس کی حالت کو اس پر واضح کر دیتا ہے، مناسب مشورہ دیتا ہے اور اس کے لئے مناسب علاج تجویز کرتا ہے۔ اسی طرح داعی کو حق کے معاملہ میں لوگوں سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ حق کو واضح کر دے اور حق کو لوگوں تک پہنچا دے تاکہ لوگ برائی سے واقف ہو کر اس سے اجتناب کریں، اور خیر سے واقف ہو کر اس پر عمل پیرا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ سے جو بات ارشاد فرمائی ہے اس پر ہمیں غور کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''وقل لعبادی یقولوا التی ھی احسن (بنی اسرائیل آیت 53:) ترجمہ: اور میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ لوگوں سے ایسی باتیں کہا کریں جو بہت پسندیدہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن ترجمہ: اہل کتاب سے مناظرہ نہ کرو مگر اچھے طریقہ سے''۔

داعی کی کامیابی کے لئے اخلاص (مخلص ہونا) بنیادی امر ہے، حق کے لئے مخلص ہونا، دین کے لئے مخلص ہونا اور جن کو دعوت دے رہا ہے اور وعظ و نصیحت کر رہا ہے اور تعلیم دے رہا ہے، ان کے سلسلہ میں مخلص ہونا چاہئے۔ بغیر اخلاص کے کام اس جسم کی طرح ہے جس میں روح نہیں۔ دل سے جو بات نکلتی ہے وہ اثر کرتی ہے۔

اخلاص کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ داعی میں تواضع ہو اور وہ اپنے کو ناتواں اور کمزور سمجھے اور اللہ سے مدد کا طلبگار ہو، اور آدمی اس تعلیم کو پھیلانے میں جس کو اچھا سمجھتا

ہے بخل سے کام نہ لے۔ اور ہمیں امام بخاری امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام شافعی کو دیکھنا چاہئے۔ یہ تمام کے تمام بلند ترین لوگ تھے جنہوں نے تاریک دنیا کو مختلف اسلامی علوم سے روشناس کرایا۔

علم کا چھپانے والا ہلاک ہونے والا ہے (العیاذ باللہ)۔ رسول اللہ فرماتے ہیں "من علم علما فکتمه الجم یوم القیامة بلجام من النار — جس نے علم سیکھا پھر اسے چھپایا تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام ڈالی جائے گی"۔

داعی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ سنجیدگی اور وقار اختیار کرے۔ لوگوں کے ساتھ لایعنی گفتگو نہ کرے۔ لوگوں سے ادب اور تہذیب کے ساتھ معاملہ کرے، ناپسندیدہ لوگوں کی صحبت سے دور رہے، حرام سے بچے، مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرے، اور تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرے اور ظاہر و باطن دونوں حالتوں میں اللہ سے ڈرے۔ صفائی قلب، اخلاص اور اللہ سے خوف اور صفات حسنہ کو اختیار کرے۔ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو۔ اللہ تعالیٰ نبی کریمؐ کے لئے فرماتے ہیں۔ "فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل ولاتستعجل لهم" (سورة الاحقاف:35) ترجمہ: پس (اے محمدؐ) جس طرح دوسرے عالی ہمت پیغمبر صبر کرتے رہے ہیں اسی طرح تم بھی صبر کرو اور ان کے لئے (عذاب) جلدی نہ مانگو۔

اور اسی طرح داعی کے لئے اہل سنت والجماعت کا طریقہ لازم ہے۔ اس کے تمام معاملات میں اس کے سامنے کتاب اللہ اور سنت رسولؐ ہونا چاہئے یعنی جو معاملات بھی اس کو درپیش ہوں اس میں وہ کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف رجوع کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وما اتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهو" ترجمہ: جو تمہیں رسولؐ دیں اسے لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔

(بشکریہ: اخبار العالم الاسلامی اور تعمیر حیات لکھنو شمارہ 10 فروری 2001ء)

******

اور صلیب توڑ کر ”پیٹر“ عبداللہ بن گیا

دین حق کی تلاش میں نکلنے والے ایک پادری کے بیٹے کے
قبولِ اسلام کی ایمان افروز داستان۔

میں 16 نومبر 1968ء کو عیسائیوں کے ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوا۔ میرے دادا پاکستان بائبل سوسائٹی کے جنرل سیکرٹری تھے۔ میری والدہ عیسائیوں کی تبلیغی مشنری میں کام کرتی ہے۔ میرے چچا بھی ایک چرچ میں پادری ہیں۔ میرے والد نے زمانہ طالب علمی میں شادی کر لی تھی، پھر انہوں نے مذہبی تعلیم حاصل کی۔ جب وہ راہب بننے والے تھے تو انہوں نے میری والدہ سے علیحدگی اختیار کر لی کیونکہ عیسائیت میں جو راہب بنے وہ شادی نہیں کر سکتا اور جو شادی شدہ ہو اس کو اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کرنا پڑتی ہے۔ عیسائیوں کا نظریہ ہے کہ راہب پاک ہوتا ہے۔

میں نے سینٹ پیٹرک سکول سے تعلیم حاصل کی۔ پھر مجھے مذہبی تعلیم کے لئے رومن کیتھولک فرقے کی مذہبی درس گاہ میں داخل کروا دیا گیا۔ وہاں سے میں نے پادری کی تعلیم اور عیسائیت کی تبلیغی مشنری کی تربیت حاصل کی۔ مجھے میوزک کا بہت شوق تھا۔ میں نے استاد بینجمن وکٹر سے ہارمونیم اور کی بورڈ بجانا سیکھا۔ پھر میں نے ”رولنگ سٹون“ کے نام سے میوزیکل گروپ بنایا۔اتوار جو عیسائیوں کی عبادت کا دن ہوتا ہے، اس دن چرچ میں حضرت عیسیٰؑ کی محبت کے جو گیت گائے جاتے ہیں، میں ان کا میوزک دیا کرتا تھا۔

مجھے ہر کام کی اجازت تھی کیونکہ میں مذہبی پیشوا کا بیٹا تھا۔شراب مذہب عیسائیت میں پاک مشروب کہلاتا ہے' لہٰذا میں نے بہت شراب پی۔ میں اپنے والد سے بہت پیار کرتا تھا۔ ان سے ہر بات سچ سچ بولتا کیونکہ عیسائیت میں ہے کہ تم اپنے مذہبی پیشوا سے کبھی جھوٹ نہ بولا کرو کہ وہ تمہارا نجات دہندہ ہے اور وہی تمہارے گناہوں کو معاف کر سکتا ہے اور وہی تمہیں اپنے ساتھ جنت میں لے جا سکتا ہے۔ اگر مجھ سے گناہ ہو جاتا تو اپنے والد سے کہتا کہ مجھ سے یہ گناہ ہو گیا ہے تو وہ مجھ سے کہتے تم پر خداوند یسوع مسیح کی جانب سے ہر گناہ معاف ہے کیونکہ تم راہب کے پاک بیٹے ہو اور میرے بعد تم نے عیسائیوں کا مذہبی پیشوا بننا ہے اور میری طرح تم بھی لوگوں کے گناہ معاف کرو گے۔ عبادت سے پہلے چرچ کا گھنٹہ بجاتا تھا اور عبادت کے بعد دعا کراتا تھا۔ تبلیغی مشنری کی تربیت کے بعد میں نے باقاعدہ مشنری کے کاموں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ میں مشنری کے ذریعے مختلف علاقوں میں عیسائیت کی تبلیغ کرنے جاتا تھا اور عیسائی جوانوں کو تبلیغی مشنری میں حصہ لینے کی دعوت دیتا تھا۔ میں نوجوانوں میں پر جوش مقرر مشہور تھا۔ جس چرچ میں میری تقریر ہوتی وہاں سننے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی۔ میری وجہ سے بہت سے نوجوان عیسائی مشنری کے ممبر بنے تھے۔ میں اس وقت اس غلط فہمی میں تھا کہ عیسائیت ہی دنیا کا سچا مذہب ہے۔ میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا تھا کہ خداوند یسوع مسیح نے مجھے عیسائیت کی تبلیغ کے لئے منتخب کیا ہے۔ میرا تعلق رومن کیتھولک فرقے سے تھا جو عیسائیوں کا سب سے بڑا فرقہ ہے۔ اس فرقے کو عیسائیت میں احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ عیسائیت میں ویسے تو بہت فرقے ہیں مگر ان میں تین بڑے فرقے ہیں:

1۔ رومن کیتھولک: اس فرقے میں تین خداؤں کا تصور ہے یعنی خدا' عیسیٰؑ اور روح القدس۔

2۔ پروٹسٹنٹ: یہ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا تصور کرتے ہیں۔

3۔ آرتھوڈکس: یہ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ مانتے ہیں یعنی اللہ خود عیسیٰؑ کی صورت میں دنیا میں آئے تھے۔

ان فرقوں میں حضرت عیسٰیؑ کو صلیب دیے جانے کے مسئلہ پر اختلاف ہے۔ رومن کیتھولک کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰیؑ کو ہر اعتبار سے صلیب دی گئی یعنی روحانی اعتبار سے بھی اور جسمانی اعتبار سے بھی۔ ان کا نظریہ ہے کہ حضرت عیسٰیؑ نے ہمارے گناہوں کی وجہ سے اپنی جان دے دی' اس لئے حساب کے دن عیسائیوں سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔ مگر مرنے سے پہلے اگر کسی نے گناہ معاف نہیں کروائے تو اس سے پوچھا جائے گا اور وہ سزا کا مستحق بھی ہو گا۔ ان کی نظر میں گناہ کی معافی کے بارے میں یہ تصور ہے کہ راہب کے سامنے اپنے گناہ کا اعتراف کر لو تو وہ اپنی سفارش سے آپ کے گناہ معاف کروا سکتا ہے کیونکہ راہب کو دنیا میں حضرت عیسٰیؑ کا مشیر سمجھا جاتا ہے۔

پروٹسٹنٹ فرقے کا نظریہ ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کو صرف جسمانی اعتبار ہی سے صلیب دی گئی لیکن وہ روحانی اعتبار سے زندہ ہیں اور عیسائیوں کی رہبری کے لئے ان میں موجود ہیں اور اس وقت تک رہیں گے جب تک حساب کا دن نہیں آ جاتا۔ اس کے علاوہ ان میں کوئی بڑا اختلاف نہیں۔ تبلیغی مشنری کا کام تینوں فرقے مل کر کرتے ہیں۔ عیسائیت میں مشنری کے کام کی بہت اہمیت ہے' اس میں عیسائی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور اس کو بڑا ثواب کا کام سمجھا جاتا ہے۔ ہر عیسائی کو مشنری کو فنڈ دینا لازمی ہے۔ عیسائیوں کا نظریہ ہے کہ اپنے مذہب کی حفاظت کے لئے اپنی جان' اپنا مال اور اپنی عزت سب کچھ قربان کرنا چاہئے' اس لئے مشنری کو فنڈ دے کر وہ اپنے آپ کو بہت بڑے ثواب کا مستحق سمجھتے ہیں۔

عیسائیت میں نن یا راہبہ کی بہت اہمیت ہے۔ راہبہ کو بہت احترام سے دیکھا جاتا ہے۔ راہبہ کو حضرت مریمؑ کی تصویر کہا جاتا ہے۔ عیسائیوں کا نظریہ ہے کہ راہبہ ہر گناہ سے پاک ہوتی ہے اور جنت میں حضرت مریمؑ کی خادمہ ہو گی۔ راہبہ کو شادی کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ راہبہ بننے کے بعد وہ باقی ساری زندگی مذہب کے لئے وقف کر دیتی ہے۔ زیادہ تر مذہبی لگاؤ رکھنے والی لڑکیاں راہبہ بننا پسند کرتی ہیں اور اگر کسی عیسائی لڑکی کے ہاں شادی سے پہلے لڑکی ہو جائے اور اس کی اس غلطی کو راہب معاف کر دے تو اس سے پیدا ہونے والی لڑکی پاک ہو جاتی ہے' یعنی راہبہ بنا دی جاتی ہے۔ بعض لوگ جنون میں زبردستی

اپنی لڑکیوں کو راہبہ بنا دیتے ہیں اور اس کام کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑے ثواب کا مستحق سمجھتے ہیں۔ راہبائیں پردہ کرتی ہیں، صرف ان کا چہرہ نظر آتا ہے، یہاں تک کہ وہ ہاتھوں میں بھی دستانے اور پیروں میں موزے پہنتی ہیں۔ عیسائیوں کا نظریہ ہے کہ نن یا راہبہ کے چہرے کے علاوہ اس کے جسم پر کسی کی نظر پڑ گئی تو وہ ناپاک ہو جائے گی۔ نن اسی طرح اپنی پوری زندگی گزار دیتی ہے۔ وہ چوبیس گھنٹے اپنے گلے میں صلیب ڈالے رکھتی ہے۔ اسے بناؤ سنگھار کرنے اور زیور پہننے کی اجازت نہیں ہوتی۔ یوں ایک حوالے سے ان لڑکیوں کو قید کر دیا جاتا ہے۔ میرے ذہن میں ہمیشہ یہ خیال آتا کہ مذہب کے نام پر عورت کے ساتھ ایسا ظلم کیوں کیا جاتا ہے؟ مگر اس وقت گناہ گار ہونے کے ڈر سے ایسی بات زبان پر نہ لاتا تھا مگر میں سوچتا ضرور تھا کہ یہ ظلم ہے۔ قریب قریب راہب کے بارے میں بھی یہی تصور ہے، وہ شادی نہیں کر سکتا، وہ گناہوں کو معاف کر سکتا ہے، کسی سے غلطی سرزد ہو جائے تو راہب کے پاس اتھارٹی ہے کہ وہ اسے معاف کر دے۔ پوپ نے راہب کو یہ اتھارٹی دے رکھی ہے کہ وہ گناہوں کو معاف کر سکتا ہے۔ پوپ کو کس نے اتھارٹی دی ہے اس بارے میں معلوم نہیں۔

عیسائیوں کی مذہبی کتاب انجیل ہے اور یہ آسمانی کتاب ہے جو یسوع مسیح یعنی حضرت عیسیٰؑ پر اتاری گئی۔ عیسائیوں کا نظریہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانے کے بعد یہودیوں نے مذہب عیسائیت کو ختم کرنے کے لئے عیسائیوں کی مذہبی کتاب انجیل مقدس میں بہت سی تبدیلیاں کر دی تھیں جن کی وجہ سے بہت سی اناجیل وجود میں آ گئی تھیں جن میں سے عیسائیت کے مذہبی پیشواؤں نے پانچ کا انتخاب کیا:

1-متی کی انجیل 2 -مرقس کی انجیل 3 -لوقا کی انجیل 4-یوحنا کی انجیل 5-برناباس کی انجیل۔ مگر جلد ہی ان میں سے برناباس کی انجیل کو مسترد کر دیا گیا اور اس کے نسخے کو جلا دیا گیا۔ اب صرف چار اناجیل باقی ہیں، ان چاروں اناجیل اور کچھ دیگر کتب کے مجموعے کو عہد نامہ جدید کہا جاتا ہے۔ ان میں بھی وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہیں، اس لئے اناجیل میں تضادات آ گئے اور ان میں کوئی کشش نہ رہی۔ اناجیل آج کل صرف گرجا گھروں میں

پڑھائی جاتی ہیں جیسے کوئی واقعات کی کتب پڑھائی جا رہی ہوں۔ پھر ان چاروں اناجیل کے اندر بھی بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً ان چاروں اناجیل میں کہیں حضرت مریمؑ کو حضرت یوسف کی بیوی کہا گیا ہے اور کہیں حضرت مریمؑ کو کنواری بتایا گیا ہے۔ کہیں یوسف کو یعقوب کی اولاد لکھا گیا ہے اور کہیں یوسف ابن داؤد لکھا ہوا ہے۔ جبکہ حضرت عیسٰیؑ کو کہیں خدا کا بیٹا لکھا ہے تو کہیں خدا لکھا ہے۔ مجھے بچپن ہی سے تحقیق کا شوق تھا اس لئے ایسی باتیں جو مذہب عیسائیت سے تعلق رکھتی تھیں خاص طور پر نوٹ کرتا تھا اور سوچتا تھا کہ یہ اس طرح سے کیوں ہے؟ میں والد صاحب سے ہمیشہ ان باتوں پر بحث کرتا تھا لیکن جب بھی والد صاحب سے اناجیل میں تبدیلیوں اور اناجیل کی آیات میں تضاد کے بارے میں سوال کرتا تو وہ ان سوالوں کے تسلی بخش جواب نہ دیتے بلکہ کہتے کہ تم ان باتوں کے بارے میں زیادہ نہ سوچا کرو۔ وہ مجھ سے کہتے کہ خداوند ان باتوں کے بارے میں زیادہ جانتا ہے اور مذہب کے سلسلے میں زیادہ بحث نہ کیا کرو ورنہ تم گناہ گار ہو جاؤ گے۔ تم صرف یہ سوچا کرو کہ مذہب عیسائیت کسی طرح ساری دنیا میں پھیل جائے، کسی طرح لوگ خداوند یسوع مسیح کے مذہب کو سچا اور عیسٰی کو خدا کا بیٹا ماننے والے بن جائیں تاکہ فلاح پائیں اور جنت کے حقدار ہو جائیں۔ میری شروع سے عادت تھی کہ میں اپنے والد صاحب سے ہر معاملے پر بحث کیا کرتا تھا۔ بائبل پر فادر سے بہت بات چلتی تھی۔

مجھے سب سے زیادہ اختلاف نن یا راہبہ پر تھا۔ میں کہتا کہ ہم انسانی حقوق کی بات کرتے ہیں اور وہیں عورت پر راہبہ کے نام پر ظلم بھی کرتے ہیں۔ اس معاملے میں میرا شدید موقف تھا جس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اس مسئلے پر مجھے پانچ دفعہ بپٹائز (Baptise) کیا گیا یعنی بپتسمہ دیا گیا۔ Baptise یہ ہوتا ہے کہ آپ کوئی ایسا گناہ کر بیٹھیں جو ناقابل معافی ہو، یوں سمجھئے کہ آپ مرتد ہو گئے ہیں اور دوبارہ عیسائیت میں داخل کرنے کے لئے آپ کو Baptise کیا جاتا ہے۔ مجھے پانچ بار Baptise کیا گیا۔ لیکن ان تمام ہتھکنڈوں کے باوجود مجھے سکون نہیں مل رہا تھا۔ میں ہمیشہ سوچتا کہ یہ سچ نہیں ہے۔ ہم غلطی پر ہیں۔ میں صلیب کے سامنے ہمیشہ یہ دعا کرتا کہ یا خداوند اگر یہ سچا مذہب

ہے تو مجھے سکون کیوں نہیں ملتا؟

جب کسی سے کوئی بڑا گناہ ہوتا ہے تو راہب Baptise کر سکتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ شخص کو سمندر کے کنارے تقریباً کمر تک پانی میں کھڑا کر دیا جاتا ہے اور راہب دعا پڑھتا ہے اور ساتھ ہی اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے سر پر پانی ڈالتا جاتا ہے۔ اگر سمندر قریب نہ ہو تو کسی بھی بہتے پانی میں Baptise کیا جا سکتا ہے۔

عیسائیت پر غور و فکر کے دوران میں اور مطالعہ بائبل کے نتیجے میں ذہن میں کتنے ہی سوال پیدا ہوئے تھے مگر کسی پادری یا عیسائی دانشور یہاں تک کہ آرچ بشپ کے پاس بھی ان کا کوئی جواب نہ تھا۔ یہ سب کچھ میری روح کے لئے مستقل روگ بن گیا۔ میں اپنے والد کی باتوں سے مطمئن نہیں ہوتا تھا مگر زیادہ بحث نہیں کرتا تھا کیونکہ مجھے گناہ گار ہو جانے کا ڈر تھا مگر اپنے طور پر تحقیق ضرور کرتا رہتا تھا۔ مجھے عیسائیت کی ہر نئی بات پر تجسس ہوتا تھا۔ ہر قسم کی مذہبی آزادی، دنیاوی آسائش کا ہر سامان میسر ہونے، دولت کی کوئی کمی نہ ہونے کے باوجود سکون نہ تھا۔ میں ہمیشہ سکون کی تلاش میں رہتا تھا۔ میرے دل میں ایک عجیب سی بے چینی رہتی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ ہر طرح کے آرام و راحت کے باوجود دل مطمئن نہیں تھا۔ بے سکونی اور اداسی جان کا عذاب بن گئی تھی اور زندگی میں کوئی زبردست خلا سا محسوس ہوتا تھا۔ میرے ساتھ عجیب واقعات ہوئے جن کے بارے میں ہمیشہ سوچتا تھا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔

میری چرچ کا گھنٹہ بجانے کی ڈیوٹی تھی۔ گھنٹہ عیسائیوں کی عبادت کے لئے بلانے کا اعلان ہے۔ ہمارے چرچ کے سامنے ایک مسجد تھی۔ جب میں گھنٹہ بجانے چرچ جاتا تھا تو اس وقت مسلمانوں کی مسجد میں اذان کا وقت ہوتا تھا۔ اذان کی آواز سن کر میں گھنٹہ بجانا بھول جاتا تھا اور غور سے اذان کو سننے لگتا۔ اس سے مجھے بڑا سکون محسوس ہوتا اور ایک عجیب سی کشش مجھے اپنے طرف کھینچتی اور میں مسجد کے باہر کھڑے ہو کر مسلمانوں کو عبادت کرتے دیکھتا تھا۔ اس کی وجہ سے مجھے کئی دفعہ والد صاحب سے ڈانٹ بھی سننا پڑی۔ میں ہمیشہ چرچ میں صلیب کے سامنے کھڑا ہو کر دعا کرتا تھا کہ خداوند مجھے سکون دے، میری رہنمائی کر،

پھر اللہ نے میری سن لی اور انجیل ہی سے میری رہنمائی ہوئی اور میں اپنی پر تجسس طبیعت اور تحقیقی سوچ کی وجہ سے حق اور سکون کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا ......اور پھر میں نے حق اور سکون کو پالیا۔

میں چرچ میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی محبت کے گیت گاتا تھا اور عبادت کے بعد دعا کراتا تھا۔ میرے والد کہتے کہ چرچ میں جاؤ، گھنٹہ بجاؤ تاکہ یسوع مسیح خداوند کے بیٹے کو ماننے والے چرچ آئیں۔ میں اس وقت بڑا فخر محسوس کرتا تھا کہ خدا نے مجھے ایسے مذہب میں پیدا کیا ہے جس میں خدا نے اپنے بیٹے کو ہماری ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ ایک دن میں نے صلیب پہنی اور چرچ چلا گیا۔ وہاں میں نے گھنٹہ بجایا، روشنیاں کیں اور پھر صلیب کے سامنے کھڑے ہو کر دعا کی ''اے خدا کے بیٹے یسوع مسیح! لوگوں کے دلوں میں ڈال کہ وہ بھلائی کی طرف آئیں کیونکہ تو دلوں کے حال بہتر جانتا ہے''۔ پھر ہاتھوں سے صلیب کا نشان بنایا اور اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا۔ لوگ میرا بہت احترام کرتے تھے کیونکہ میں مستقبل کا راہب تھا اور عیسائیوں کا نجات دہندہ بننے والا تھا۔ لوگ میرے ہاتھوں کو چومتے تھے اور میں ان کے سروں پر ہاتھ رکھتا تھا۔ جب چرچ میں عبادت کے لئے لوگ آئے تو پھر میرے والد صاحب چرچ میں داخل ہوئے۔ لوگ ان کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ والد صاحب بھی اونچی جگہ کھڑے ہو گئے جو راہب کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔ والد صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو بیٹھنے کے لئے کہا اور مجھے ایک غمگین گیت گانے اور دُھن بجانے کا اشارہ کیا کیونکہ اس دن حضرت عیسٰیؑ کو صلیب پر چڑھانے کا بیان تھا۔ خطاب شروع ہوا۔ فادر نے کہا: ''یہودی کاہنوں نے یسوع مسیح کو صلیب پر چڑھانے کا حکم دیا۔ اس وقت یسوع مسیح خداوند نے لوگوں کی طرف دیکھا اور کہا: لوگو! میں تمہارے گناہوں کی وجہ سے صلیب پر چڑھایا جاتا ہوں اور اگر صلیب پر نہیں چڑھوں گا تو خداوند جو ہمیشہ رہنے والا ہے جو ہر جگہ موجود ہے تمہارے گناہ معاف نہیں کرے گا۔ پھر فادر نے انجیل متی (نیا عہدنامہ) کی یہ آیات پڑھیں: ''اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آ۔ اسی طرح سردار کاہن بھی فقیہوں اور بزرگوں کے ساتھ مل کر ٹھٹھے سے کہتے تھے: اس نے اوروں کو

بچایا، اپنے تئیں نہیں بچا سکتا، یہ تو اسرائیل کا بادشاہ ہے، اب صلیب پر سے اتر آئے تو ہم اس پر ایمان لائیں۔ اس نے خدا پر بھروسہ کیا ہے اگر وہ اسے چاہتا ہے تو اب اس کو چھڑا لے کیونکہ اس نے کہا تھا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں"---- اور دوپہر سے لے کر تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی بلند آواز سے چلا کر کہا "ایلی، ایلی، لما شبقتنی؟ یعنی اے میرے خدا، اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"۔ جو وہاں کھڑے تھے ان میں سے بعض نے سن کر کہا یہ ایلیا کو پکارتا ہے۔ اور فوراً ان میں سے ایک شخص دوڑا اور سپنج لے کر سرکہ میں ڈبویا اور سرکنڈے پر رکھ کر اسے چسایا۔ مگر باقیوں نے کہا ٹھہر جاؤ دیکھیں تو ایلیا اسے بچانے آتا ہے یا نہیں۔ یسوع نے پھر بڑی آواز سے چلا کر جان دے دی" (متی باب 27 آیات 40 تا 50)۔

پھر فادر نے کہا: "لوگو، یسوع نے ہمارے گناہوں کی وجہ سے جان دی۔ تم لوگ گناہ نہ کیا کرو اور اگر گناہ ہو بھی جائے تو راہب کے سامنے سچ بولو اور اپنے گناہ کا اقرار کرو، راہب تمہاری معافی کے لئے یسوع مسیح کے سامنے دعا کرے گا اور تمہیں Baptise کرائے گا تاکہ تم پھر پاک ہو جاؤ کیونکہ راہب یسوع مسیح کا نائب ہے، وہی تمہارے گناہ معاف کروا سکتا ہے۔ خداوند یسوع مسیح تم سب کے گناہ معاف کرے"۔ پھر ہم نے مل کر یسوع کا گیت گایا۔ اس دن مجھے ایسے لگ رہا تھا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ غلط ہے۔ سچائی کچھ اور ہے۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر یسوع مسیح خدا کے بیٹے تھے تو پھر مرے کیوں؟ کیونکہ ہم سنتے آئے ہیں اور ہمارا یقین ہے کہ خدا کی ذات ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔ وہ دنیا کے ختم ہو جانے کے بعد بھی قائم رہے گا تو پھر یسوع مسیح کو بھی قائم رہنا چاہئے تھا۔ انہیں دنیا کے ایک سردار نے صلیب پر چڑھا دیا اور وہ کچھ بھی نہ کر سکے اور نہ خدا نے اپنے بیٹے کو بچانے کے لئے کچھ کیا...... آخر کیوں؟ میں نے یہ بات اپنے والد صاحب سے بھی پوچھی۔ وہ سن کر بہت ناراض ہوئے اور کہا کہ تم توبہ کرو، ایسی گمراہی کی باتیں نہ کرو اور انجیل مقدس کی باتوں کو نہ جھٹلاؤ۔ خداوند یسوع مسیح تمہیں گمراہی سے بچائے اور تمہیں سیدھے راستے پر چلائے۔ تم آج ہی Baptise کراؤ اور آئندہ ایسی باتیں لوگوں کے سامنے نہ

کرنا۔ والد کی باتیں سن کر میں نے سوچا کہ شاید میری سوچ غلط ہو۔

میں اپنے کمرے میں آ کر انجیل مقدس پڑھنے لگا مگر دل میں وہی بے چینی تھی۔ میں انجیل مقدس پڑھ رہا تھا کہ یوحنا کی یہ آیات میرے سامنے آئیں۔ ''اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے .... مددگار تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا...... دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں ......لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا ...... مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا' اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا''۔

میں یہ آیات پڑھنے کے بعد والد صاحب کے پاس گیا اور کہا: ''فادر' جیسا کہ انجیل مقدس میں لکھا ہے کہ یسوع مسیح نے کہا کہ میرا جانا ضروری ہے کیونکہ میرے جانے کے بعد وہ آئے گا جو سچائی بیان کرے گا' کیا یسوع مسیح کے بعد اب تک کوئی ایسا نہیں آیا جیسا کہ مسیح نے کہا تھا؟''۔

والد نے کہا: ''نہیں اب تک ایسا کوئی نہیں آیا جیسا کہ مسیح نے کہا تھا' ہاں البتہ عرب کے ریگستانوں میں ایک شخص آیا تھا جس کا نام محمد (ﷺ) تھا' اس نے یسوع مسیح کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ وہ بہت بڑا جادوگر تھا' وہ ایسی جادو بھری زبان بولتا تھا کہ لوگ اس کے ہو جاتے تھے۔ اس نے اپنے مذہب کا نام اسلام رکھا تھا اور اس کے ماننے والے ہی مسلمان کہلاتے ہیں۔ اس نے اپنے مذہب کو اپنے جادو اور تلوار کے زور پر پھیلایا۔ جو اس کو نہیں مانتے تھے ان کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو خدا کا نبی کہتا تھا۔ وہ کہتا تھا: ''لوگو مجھے اللہ کا نبی مانو ورنہ مار دیئے جاؤ گے''۔ فادر نے کہا کہ اسلام وحشت اور جہالت کا

مذہب ہے اور مسلمان غیر مہذب، عیاش، عورتوں پر ظلم کرنے والے اور اپنے مخالفین کو زندہ جلا دینے والے لوگ ہیں۔ ہمارے مذہب عیسائیت کے دشمن مسلمان ہیں"۔ میں نے کہا: "فادر! میں اسلام کے بارے میں ریسرچ کرنا چاہتا ہوں"۔ انہوں نے کہا "میری تم کو ہدایت ہے کہ تم دنیا کے تمام مذاہب کی تحقیق کرو مگر اسلام کا مطالعہ کبھی نہ کرنا اور نہ مسلمانوں کے قریب جانا۔ وہ لوگ تم پر جادو کر دیں گے اور تمہیں تمہارے باپ دادا کے مذہب اور خداوند یسوع مسیح سے دور کر دیں گے"۔ میں نے والد کی باتیں غور سے سنیں، میرے ذہن میں روشنی کی ایک کرن چمکی۔ میں نے دنیا کے بہت سے مذاہب کا مطالعہ کیا تھا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ والد کو بتائے بغیر اسلام کا مطالعہ کروں اور دیکھوں کہ سچائی کیا ہے۔

میں نے اسلام کا باقاعدہ مطالعہ شروع کر دیا۔ جب اسلام کا مطالعہ شروع کیا تو پتا چلا کہ دین اسلام عقل و شعور کے عین مطابق مذہب ہے اور جب میں نے اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کیا تو اندازہ ہوا کہ میں اب تک اندھیروں میں بھٹک رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جو کچھ عیسائی پیشوا اور عیسائی سکالر لکھتے ہیں وہ صریحاً بے انصافی اور جہالت پر مبنی ہے۔ میں نے اپنی معلومات اور مزید اطمینان کی خاطر پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کی تعلیمات کا مطالعہ کیا تو یہ پڑھ کر مجھے خوشگوار حیرت ہوئی کہ عیسائی راہبوں اور مصنفین کے پراپیگنڈے کے بالکل برعکس حضور ﷺ بنی نوع انسان کے عظیم محسن اور سچے خیر خواہ ہیں۔ خصوصاً انہوں نے عورت کو جو مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے اس کی پہلے یا بعد میں کوئی مثال نہیں نظر آتی۔ اب میرا ایک ہی مشن تھا کہ میں زیادہ سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں معلومات حاصل کروں اور حق کو پانے کی جدوجہد کرتا رہوں۔

اسی دوران میں ایک شام میرا گلشن اقبال کراچی کے علاقے سے گزر ہوا، میں نے وہاں بہت سے مسلمانوں کو دیکھا جو شلوار قمیص پہنے ہوئے تھے اور ان کے سروں پر پگڑی بندھی ہوئی تھی۔ میں نے ایک آدمی سے پوچھا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے؟ اس نے کہا کہ روحانی اجتماع ہو رہا ہے۔ میں ان لوگوں میں شامل ہو گیا۔ جب ان کی عبادت گاہ میں گیا تو

دیکھا کہ ایک آدمی سامنے کھڑا ہے' اس کے ساتھ ایک آدمی مائیک پر آنکھیں بند کر کے کچھ گا رہا تھا۔ جب وہ گا چکا تو لمبی داڑھی والے نے تقریر کی' جب تقریر ختم ہوئی تو میں بڑی مشکل سے ان کے پاس پہنچا۔ میں نے ان سے ہاتھ ملایا۔ میں نے ان سے کہا: ''میرا مذہب عیسائیت سے تعلق ہے اور میں اسلام پر ریسرچ کر رہا ہوں اس لئے آپ کے پاس آیا ہوں''۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ آپ اسلام کے بارے میں جو معلومات لینا چاہتے ہیں آپ کو دیں گے۔ اسلام کیسا مذہب ہے؟ میں نے پوچھا۔ ''اسلام سچا مذہب ہے۔ اسلام بھائی چارے اور انسانیت کا سبق دیتا ہے'' انہوں نے بتایا۔ محمد (ﷺ) کون تھے؟ میں نے پوچھا۔ ''محمد ﷺ انسان کی شکل میں نور تھے'' انہوں نے کہا۔ یعنی محمد (ﷺ) آپ کی نظر میں خدا ہیں؟ میں نے پوچھا۔ ''نہیں' وہ اللہ کے نبی ہیں اور اللہ نے انہیں اپنے نور سے بنا کر ان کو تمام انسانوں سے افضل کر دیا اور انسان کی شکل میں اپنا نور دنیا میں بھیجا تا کہ لوگ ان کو مان کر سچائی کی راہ اپنائیں اور فلاح پائیں''۔ جواب ملا۔ ابھی ایک آدمی کچھ گا رہا تھا' میں نے پوچھا وہ کیا تھا؟ ''وہ گا نہیں رہا تھا بلکہ نبی کے عشق میں نعت پڑھ رہا تھا''۔ انہوں نے کہا۔ میں نے سوچا' یہ کیسے مسلمان ہیں' ہم بھی چرچ میں یسوع مسیح کی محبت کے گیت گاتے ہیں اور مسلمان بھی اپنی عبادت گاہ میں محمد (ﷺ) کی محبت میں نعت گاتے ہیں۔ عیسائیوں کا ایک فرقہ بھی عیسیٰ کو خدا کا نور کہتا ہے اور اس کی دلیل یوحنا کی انجیل میں موجود ہے۔ مسلمانوں کا بھی نظریہ ہے کہ محمد (ﷺ) خدا کے نور کا حصہ ہیں تو عیسائیوں میں اور مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں۔ میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ یہ لوگ بھی غلطی پر ہیں۔ میں نے سوچا کہ جس طرح ہم میں یعنی عیسائیوں میں بہت سے فرقے ہیں' کوئی رومن کیتھولک ہے تو کوئی پروٹسٹنٹ ہے اسی طرح مسلمانوں کے بھی فرقے ہوں گے۔ شاید ان میں سے کوئی مجھے صحیح اسلام کے بارے میں معلومات دے سکتا ہو۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اب میں اسلام کے فرقوں کی مکمل تحقیق کروں گا۔

ایک دن میں مدرسہ دارالقرآن میٹروپول کراچی گیا۔ وہاں میری ملاقات ایک مولانا صاحب سے ہوئی۔ میں نے ان سے کہا کہ میں اسلام پر تحقیق کر رہا ہوں۔ انہوں نے مجھ

سے کہا کہ آپ جمعرات کے دن آ جائیں، میں آپ کو ایسی جگہ لے جاؤں گا جہاں آپ کو حقیقی اسلام اور حقیقی مسلمان ملیں گے اور اگر آپ ان کے ساتھ تین دن رہیں گے تو آپ کو درست معلومات حاصل ہوں گی، میں نے ان سے جمعرات کو آنے کا کہہ کر اجازت لی۔ دو دن بعد جمعرات کی دوپہر کو ان کے پاس پہنچ گیا۔ مولانا صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ وہاں کسی کو یہ نہیں بتائیے گا کہ آپ عیسائی ہیں۔ وہاں اور بھی مولوی تھے۔ سب کے ساتھ بستر اور بہت سا سامان تھا جیسے کہ وہ بہت لمبے سفر پر جا رہے ہوں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ بستر وغیرہ کیوں اپنے ساتھ رکھا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں بہت دور جانا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے کہا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ جب بھی دین کی تبلیغ کے لئے جاتے تو اپنی ضرورت کا سامان ساتھ رکھتے تھے۔ ہم مدرسے سے روانہ ہوئے اور ایک بڑی مسجد میں گئے، وہاں بہت سے مولوی تھے۔ وہ جگہ مسجد کم اور مسافر خانہ زیادہ لگ رہی تھی۔ میں نے مولوی صاحب سے پوچھا کہ یہ سب کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ مسلمانوں کا تبلیغی مرکز ہے، یہاں سے لوگ اللہ کے راستے میں نکلتے ہیں۔ کوئی اللہ کے راستے میں تین دن کے لئے تو کوئی چار ماہ کے لئے، اور بہت سے تو ایسے ہیں کہ جنہوں نے اپنی پوری زندگی تبلیغ کے لئے وقف کر دی ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ لوگ غیر مسلموں کو تبلیغ کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ''نہیں، ابھی تو مسلمانوں کو تبلیغ کی ضرورت ہے، یہاں سب سیکھنے آتے ہیں اور ایک دوسرے کو محمد ﷺ کی سنت سکھاتے ہیں''۔ پھر نماز کا وقت ہو گیا۔ میں مسجد سے باہر آ گیا۔ نماز کے بعد پھر مسجد میں گیا۔ مولوی صاحب نے مجھے بتایا کہ ابھی بیان ہوگا، غور سے سننا ہے۔ میں نے بیان غور سے سنا۔ اس بیان میں کوئی دلیل نہیں تھی۔ تقریباً تمام باتیں انہوں نے اپنے بزرگوں کی کہی ہوئی بتائیں۔ بیان کے بعد میں نے مسجد میں ہی کھانا کھایا۔ مولوی صاحب نے مجھ سے کہا کہ کل ہماری جماعت تین دن کے لئے اللہ کے راستے میں جائے گی، آپ بھی چلیں۔ میں نے کہا: ''اگر وقت ملا تو ضرور چلوں گا''۔ اس کے بعد میں نے سوچا کہ یہ کیسے مسلمان ہیں، صرف اپنے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں اور انہوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی جو مستند بھی ہو۔ ہر وہ بات کہی جو بزرگوں سے سنی ہے۔ کتنے نادان ہیں یہ لوگ

جو سنی سنائی باتوں پر عمل کرنے لگتے ہیں۔ کسی بات کی تحقیق نہیں کرتے کہ یہ بات درست ہے یا غلط ہے۔ خدا ان کو ہدایت دے، ان کو عقل دے کہ یہ ہر بات کی پہلے تحقیق کریں، پھر عمل کریں۔ اگر تحقیق نہ کریں گے تو غلطی پر رہیں گے اور نقصان اٹھائیں گے۔

عیسائیوں کی بھی مشنری کام کرتی ہے اور وہ سب سے پہلے مذہبی اداروں میں عیسائیت کی تعلیم دیتے ہیں، پھر تبلیغ کرنے کا طریقہ سکھایا جاتا ہے۔ پھر مشنری کے لوگ مذہب عیسائیت کی تبلیغ کرنے کے لئے نکلتے ہیں۔ میں روشنی کی تلاش میں تھا۔ میں اطمینان کا متلاشی تھا۔ مجھے اسلام میں روشنی دکھائی دے رہی تھی مگر مسلمانوں کے مختلف فرقوں نے مجھے الجھا دیا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ حق تلاش کروں گا۔ میں نے جب سے اسلام کی تحقیق شروع کی تھی ایک بات کو خاص طور پر محسوس کیا کہ اسلام میں واقعی کشش ہے جو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ میں جتنا اسلام کے بارے میں پڑھ رہا تھا میرے دل میں اتنا ہی تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔ مجھے مشنری کے سلسلے میں ایک بار پنڈی جانا ہوا۔ پنڈی میں ایک اسلامک ریسرچ سنٹر ہے میں وہاں گیا۔ میری ملاقات پروفیسر ریاض صاحب سے ہوئی۔ انہوں نے مجھے مولانا احمد رضا صاحب کی کچھ کتابیں دیں اور کہا کہ یہ اسلام کے سب سے بڑے سکالر کی کتابیں ہیں۔ میں نے جب ان کتابوں کو پڑھا تو یہ کتابیں مجھے مطمئن نہ کر سکیں۔ ان کتابوں میں بھی محمد (ﷺ) کو نور کہا گیا ہے۔ میرے دل میں اب بھی ایک کسک تھی۔

ایک شام میں پنڈی شہر کی سیر کر رہا تھا۔ میں نے ایک مسجد سے کچھ آوازیں سنیں۔ میں مسجد میں داخل ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ آنکھیں بند کر کے زور زور سے "اللہ ھو" کا ورد کر رہے ہیں۔ میں نے وہاں ایک آدمی سے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہیں؟ "اللہ کا ذکر کر رہے ہیں" جواب ملا۔ کچھ دیر بعد ان کا ذکر ختم ہو گیا۔ میں نے ان لوگوں سے ملاقات کی۔ آپ لوگ کیا کر رہے تھے؟' انہوں نے بتایا: "ہمارے پیرومرشد نے کہا ہے کہ کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو، اتنا کہ تمہارے دل کی دھڑکن سے اللہ ھو کی آواز آنے لگے"۔ "آپ کے پیرومرشد کا کیا نام ہے اور ان سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟"۔ میں نے پوچھا۔ "ہمارے پیرومرشد کا نام گوہر شاہی ہے اور وہ سندھ میں رہتے ہیں۔ انہوں نے

بتایا۔ ''میں عیسائی ہوں اور آج کل اسلام کے بارے میں ریسرچ کر رہا ہوں''۔ میں نے بتایا۔ ہمیں بہت خوشی ہوئی' انہوں نے کہا۔ آپ سندھ میں ہمارے روحانی مرکز ضرور جایئے گا' آپ کو وہاں سے صحیح اسلام ملے گا اور گوہر شاہی آپ کو اسلام کے بارے میں بتائیں گے۔ میں نے یہ نام سنا ہوا تھا مگر یاد نہیں آ رہا تھا کہ کہاں سنا ہے۔ اس دن پنڈی چرچ میں میرا یسوع مسیح کی کرامات کے موضوع پر بیان تھا۔ اس دن میرے بیان میں نہ وہ پرانا جوش تھا نہ ولولہ...... میں بار بار سوچ رہا تھا کہ ہم جو کچھ بیان کرتے ہیں اور جو عمل کرتے ہیں وہ سب غلط ہے۔ عام لوگوں نے بھی اس بات کو نوٹ کیا کہ میرے بیان میں پہلے والا جوش نہیں۔ اس چرچ کے پادری نے کہا: ''کیا بات ہے آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے''۔ میں نے کہا ایسی کوئی بات نہیں۔

دوسرے دن میری واپسی تھی۔ کراچی جاتے ہوئے میں راستے میں کوٹری سٹیشن پر اتر گیا تا کہ روحانی مرکز جا کر گوہر شاہی سے ملاقات کروں۔ میرے ذہن میں نہیں آ رہا تھا کہ میں نے گوہر شاہی کا نام کہاں سنا ہے؟ ۔ میں نے لوگوں سے روحانی مرکز کا پتا پوچھا۔ انہوں نے ایک طرف اشارہ کیا۔ وہاں بہت بڑا جھنڈا لگا ہوا تھا اور اس پر دل بنا ہوا تھا۔ دل کے اندر ''اللہ'' لکھا ہوا تھا۔ لوگ مجھے بڑی حیرانی سے دیکھ رہے تھے کیونکہ میں پادریوں کے مخصوص لباس میں تھا۔ میں نے روحانی مرکز پہنچ کر استقبالیہ پر کہا کہ میں گوہر شاہی سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ مجھے ایک کمرے میں لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد مجھے ایک دوسرے کمرے میں جانے کی اجازت ملی' وہ ہال نما کمرہ تھا۔ وہاں بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے تخت پر بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھ کر میں پہچان گیا کہ یہ تو ریاض گوہر شاہی ہیں جو میرے والد کے بہت اچھے دوست ہیں۔ دو دفعہ ہمارے چرچ میں بھی آ چکے ہیں۔ میں نے سوچا کہ یہ ہیں مسلمانوں کے پیرومرشد گوہر شاہی۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر گلے لگایا اور پوچھا کہ کیسے آنا ہوا پیٹر۔ میں نے بتایا کہ میں پنڈی سے کراچی جا رہا تھا' سوچا آپ سے ملتا جاؤں۔ میں نے اسلام کے بارے میں کوئی سوال نہ کیا کیونکہ وہ میرے والد سے ملتے تو میرا ذکر ضرور کرتے۔ میں اب تک اسلام کی تحقیق والد صاحب سے چھپ کر کر رہا تھا۔ انہوں نے میرا

تعارف وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں سے کروایا۔

گوہر شاہی کو میں مسلمان نہیں سمجھتا کیونکہ انہوں نے فروری 1997ء میں ہمارے چرچ میں عیسائیوں سے اپنے خطاب میں کہا تھا: ''میری ملاقات حضرت عیسٰی علیہ السلام سے خواب میں ہوئی تھی' انہوں نے مجھ سے کہا کہ میرے ماننے والے عیسائیوں کو خوشخبری دو کہ وہ سچے ہیں اور خداوند کا ذکر کرتے رہیں تاکہ وہ فلاح پائیں''۔ اگر گوہر شاہی مسلمان ہیں تو میرے ان سوالوں کا جواب دیں۔ انہیں مسلمانوں سے زیادہ عیسائیوں کے گرجا گھروں میں خطاب کی دعوت کیوں دی جاتی ہے؟' عیسائیوں کی سب سے بڑی مشنری یعنی چرچ آف انگلینڈ اپنے خرچ پر ان کو بیرونی ممالک کے گرجا گھروں میں خطاب کی دعوت کیوں دیتا ہے؟ کیا چرچ آف انگلینڈ وہی مشنری نہیں ہے جس نے سلمان رشدی' تسلیمہ نسرین اور یوسف کذاب جیسے لوگوں کو تحفظ دیا؟

عیسائی کبھی اسلام کی تبلیغ کے لئے کسی کو اپنے چرچ استعمال نہیں کرنے دیتے۔ عیسائی گوہر شاہی کو اپنے چرچوں میں بلاتے ہیں۔ یہ گوہر شاہی ایک دیہاتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان کے پاس کروڑوں کی جائیداد کہاں سے آئی۔ اگر گوہر شاہی اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں تو انہوں نے اب تک کتنے عیسائیوں کو مسلمان کیا ہے؟ گوہر شاہی کا دعوئ ہے کہ اس کی شبیہ (تصویر) چاند اور حجر اسود پر ہے۔ اس کی تصدیق اب تک صرف عیسائی ذرائع ابلاغ نے کی ہے' کسی اسلامی ملک نے کیوں نہیں کی؟ خانہ کعبہ میں تو صرف مسلمان جاتے ہیں آخر اب تک کسی مسلمان نے اس کی تصدیق کیوں نہیں کی؟ اگر گوہر شاہی میرے ان سوالوں کا جواب دے دیں تو میں سمجھوں گا کہ وہ مسلمان ہیں۔

میں نے روحانی مرکز میں ایک دن قیام کیا۔ وہاں مجھے وی آئی پی کا درجہ دیا گیا۔ میری ہر قسم کی خاطر کی گئی۔ مجھے ہر چیز دی گئی جو میں پسند کرتا تھا۔ مجھے اب تک ایسا مسلم سکالر نہیں ملا تھا جو اسلام کی صحیح معلومات دے سکتا۔ میں اسلامی معلومات کی مختلف کتابیں پڑھتا تھا اور سوچتا تھا کہ کوئی ایسا سکالر ملے جو اصل اسلام پر عمل پیرا ہو۔ ہر فرقے والے اپنے آپ کو درست کہتے تھے مگر اپنے حق پر ہونے کی کوئی بھی دلیل نہیں دیتے تھے۔ زیادہ

تر مسلمان مجھے شخصیت پرستی کا شکار نظر آئے۔ مجھے ابھی تک مسلمانوں میں اسلام کی اصل تصویر نظر نہیں آئی تھی۔

ایک دفعہ میرا اسلامی مرکز جامعہ بنوریہ جانا ہوا۔ وہاں میری ملاقات ایک مفتی صاحب سے ہوئی۔ ان سے بھی بہت سی اسلامی معلومات حاصل ہوئیں۔ تھوڑی دیر بعد ان لوگوں نے چائے منگوائی اور مجھے پرانے کپ میں جو تقریباً پھینکنے کے لائق تھا چائے دی۔ میں نے شکریہ کے ساتھ واپس کر دی۔ سچی بات ہے کہ مجھے ان کے اس رویے سے سخت دکھ ہوا۔ میں نے کہا کہ جہاں تک میری معلومات ہیں اسلام تو محبت اور شفقت کا درس دیتا ہے اور اسلام میں کالے، گورے میں کوئی فرق نہیں، امیر غریب اور اونچ نیچ ذات میں کوئی تمیز نہیں مگر آپ نے مجھے ایک ایسے کپ میں چائے دی جیسے میں کوئی نیچ ذات سے تعلق رکھتا ہوں۔ نہ آپ نے مجھ سے ہاتھ ملانا گوارا کیا۔ اس بات پر مفتی صاحب ناراض ہو گئے اور بہت غصے میں کہا کہ آپ یہاں اسلام کی معلومات لینے آئے ہیں یا بحث کرنے آئے ہیں۔ آپ یہاں سے تشریف لے جائیں۔ مجھے ان کے سخت رویے سے دلی دکھ پہنچا اور میں بہت دل برداشتہ ہوا۔ مگر نہ جانے کیوں میرے دل میں اسلام کی محبت کم نہ ہوئی اور مجھ میں اسلام کو جاننے کا تجسس بڑھتا گیا۔

مجھے کہیں سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا ایک مراقبہ ہال ہے۔ میں مراقبہ ہال سرجانی ٹاؤن گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ سب لوگ خاموش بیٹھے ہوئے ہیں ایسے جیسے سانس بند کر کے یوگا کر رہے ہیں۔ سامنے ایک بزرگ بیٹھے تھے۔ لوگ ان سے ہاتھ ملاتے اور ان کے ہاتھ چومتے۔ وہ ان کے سر پر ہاتھ رکھتے اور کہتے کہ آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاؤ اور اپنے ذہن میں صرف اللہ کا تصور کرو۔ میں نے پوچھا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں اور یہ کون ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ بہت بڑے پیر ہیں، لوگوں کو اپنے اندر اللہ کیسے سمانا چاہئے اس کی تربیت دیتے ہیں جسے مراقبہ کہتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ میں اسلام کی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا آپ پیر صاحب کو دیکھ لیں یہی مکمل اسلام ہے۔ جس نے ان کو سمجھ لیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی وہ مکمل مسلمان ہو گیا۔

میں وہاں کچھ دیر رکنے کے بعد واپس آ گیا۔ میں نے گھر آ کر سوچا کہ مسلمانوں کے پیر بھی عیسائیوں کے فادر کی طرح ہیں جو بھی چاہے فادر سے ہاتھ ملائے اور ہاتھ کو چومے اور خداوند یسوع مسیح کو خدا کا بیٹا مانے اور پھر فادر اس کو بپتسمہ دے اور وہ عیسائیت میں داخل ہو جائے تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر بھی میں مایوس نہ ہوا تھا' البتہ ان دنوں میں بہت پریشان رہنے لگا۔ دل تو یہ مانتا تھا کہ دین حق اسلام ہے مگر مجھے اسلام کی درست سمت نہیں مل رہی تھی۔ اور نہ کوئی مجھے اسلام کا ایسا سکالر مل سکا جو میری صحیح رہنمائی کرتا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں کہاں جاؤں۔ میری اب یہ عادت ہو گئی تھی کہ میں جو بھی داڑھی والا مسلمان دیکھتا اس سے اسلام کی معلومات حاصل کرنے لگتا۔ ان دنوں چرچ جانے کو دل نہیں کرتا تھا۔ میں ہمیشہ خداوند سے دعا کرتا تھا کہ میری رہنمائی کر۔

میں ایک دن دل میں یہ عہد کر کے گھر سے نکلا کہ آج مجھے اسلام کے بارے میں صحیح معلومات نہ ملیں' کوئی صحیح سکالر اور عالم نہ ملا تو میں اسلام کے بارے میں تحقیق کرنا بند کر دوں گا مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مجھے کسی نے بتایا کہ میں مسلمانوں کے ایک مرکز جامعہ احسان جاؤں۔ میں نے جامعہ احسان فون کیا کہ میں اسلام کے بارے میں معلومات کے لئے آپ کے ادارے میں آنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ آپ جس وقت چاہیں آ سکتے ہیں۔ میں دوسرے دن جامعہ احسان گیا۔ سادہ سا دفتر تھا۔ سامنے ایک مولوی صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے اپنا تعارف کرایا اور بتایا کہ میرا مذہب عیسائیت سے تعلق ہے اور میں آج کل اسلام پر ریسرچ کر رہا ہوں۔ میں نے ہی آپ کو فون کیا تھا۔ مولوی صاحب بہت خوش ہوئے اور بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور کہا کہ میرا نام قاری خلیل الرحمٰن جاوید ہے۔ میں اس ادارے ''جامعہ احسان اسلامیہ'' کا مدیر اعلیٰ ہوں۔ ہمیں آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ آپ اسلام کے بارے میں جو پوچھنا چاہیں پوچھیں۔ میں نے پوچھا: ''عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں اس لئے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے' آپ اس باوے میں کیا کہتے ہیں؟''۔ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی تھے' اللہ نے اپنی قدرت سے انہیں بغیر باپ کے پیدا کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا

ہوئے اس لئے عیسائی انہیں اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے تھے' اس کو آپ کیا کہیں گے؟'' قاری صاحب نے کہا۔ ''عیسائیوں کا نظریہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کو صلیب دی گئی اور انہوں نے لوگوں کی وجہ سے صلیب پر چڑھ کر جان دے دی۔ اس بارے میں اسلام کا کیا نظریہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب نہیں دی گئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اٹھا لیا تھا۔ جو یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانے کے لئے انہیں لینے آیا تھا' اللہ نے اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا تھا اور یہودیوں نے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر صلیب پر چڑھا دیا۔ یہی اسلام کی تعلیمات ہیں اور اس بارے میں قرآن میں یہی لکھا ہے'' قاری صاحب نے بتایا۔ ''کیا مسلمان عیسائیوں کی آسمانی کتاب انجیل مقدس کو مانتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔ ''توریت' زبور اور انجیل تینوں مقدس کتابوں کو مانتے ہیں''۔ قاری صاحب نے کہا۔ ''انجیل مقدس میں ہر عہد کے مطابق تبدیلی کی جاتی رہی ہے۔ کیا قرآن میں بھی اس طرح کی کوئی تبدیلی کی گئی ہے؟'' میں نے پوچھا تو قاری صاحب نے بتایا: ''قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے۔ اس کتاب میں نہ کوئی تبدیلی کی گئی ہے اور نہ کوئی کر سکتا ہے۔ جب سے قرآن نازل ہوا ہے اس وقت سے اب تک اس کا ایک ایک لفظ محفوظ ہے۔ قرآن تو دنیا کی واحد کتاب ہے جسے مسلمان حفظ کرتے ہیں یعنی زبانی یاد کرتے ہیں۔ قرآن کو مسلمانوں کے دلوں میں اللہ نے محفوظ کر دیا ہے تو کیسے اس میں تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ اور یہی قرآن کی سچائی کی دلیل ہے''۔ ''عیسائیوں کا نظریہ ہے کہ اگر پادری کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا جائے تو پادری چاہے تو گناہ معاف کر سکتا ہے' کیا مسلمانوں کا بھی گناہوں کے بارے میں یہی نظریہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔ ''گناہ معاف کرنا اللہ کا کام ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی مولوی یا بڑے سے بڑا عالم بھی کسی کے گناہ معاف نہیں کر سکتا'' انہوں نے کہا۔ ''کیا حضرت عیسیٰؑ کے بعد محمد (ﷺ) بھی اللہ کے نبی ہیں؟' اور انہوں نے کیا حکم دیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔ ''جی ہاں حضرت عیسیٰؑ کے بعد حضرت محمد ﷺ ہی اللہ کے آخری نبی ہیں۔ ان کا ذکر انجیل اور تمام آسمانی کتابوں میں ہے۔

انہوں نے کہا: ''لوگو! ایک اللہ کی عبادت کرو' اللہ یکتا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' وہ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور میں (یعنی محمد ﷺ) اس کا آخری پیغمبر ہوں۔ تم صرف اللہ کی عبادت کیا کرو اور بتوں کی پوجا نہ کرو اور غیر اللہ کی عبادت نہ کرو''۔ انہوں نے انسانیت کا درس دیا' شراب کو حرام قرار دیا' زنا سے منع فرمایا' والدین کا احترام کرنے کا حکم دیا اور بھائی چارے کا سبق دیا''۔ قاری صاحب نے بتایا۔'' مسلمانوں کا ایک فرقہ محمد کو اللہ کا حصہ کہتا ہے یعنی محمد اللہ کے نور ہیں' کیا محمد آپ کی نظر میں نور ہیں؟'' میں نے پوچھا۔'' محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ واحدہ لاشریک ہے اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتے ہیں وہ کفر کرتے ہیں اور محمد ﷺ کو نور کہنا بالکل غلط ہے''۔ انہوں نے جواب دیا۔

میں جتنی دیر قاری خلیل الرحمٰن کے پاس بیٹھا رہا انہوں نے اسلام کی ہر بات قرآن کی روشنی میں بتائی۔ میرے ہر سوال کا جواب بڑی محبت اور دلائل سے دیا۔ قاری صاحب کے علاوہ جتنے بھی عالم تھے مجھ سے بڑی اپنائیت سے ملے۔ یہ سب لوگ بہت سادہ تھے۔ ان میں کوئی دکھاوا نہیں تھا اور خاص طور پر ان لوگوں میں شخصیت پرستی نہیں تھی۔ سب ایک دوسرے کا احترام کر رہے تھے۔ قاری صاحب نے کہا:'' آپ نے جب بھی اسلام کی کسی بات کے بارے میں معلوم کرنا ہو ہمارے پاس تشریف لائیے گا''۔ قاری صاحب سے مل کر مجھے سکون محسوس ہوا۔ مجھے صحیح راہ مل گئی تھی۔ ایسے لگا جیسے میں نے سچائی اور حق کو پا لیا ہے۔ میرے دل نے گواہی دی' کہ دین حق یہی ہے۔ پھر میں نے عیسائیت اور اسلام کو اپنے سامنے رکھ کر سوچا' عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اس لئے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے مگر حضرت آدم علیہ السلام بھی تو ماں باپ کے بغیر پیدا ہوئے تھے' ان کو خدا کا بیٹا کیوں نہیں کہتے۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے صلیب پر جان دے دی اور ہم محمد (ﷺ) کو نبی نہیں مانتے مگر مسلمان حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا نبی مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کو صلیب نہیں دی گئی بلکہ وہ اللہ کی قدرت سے زندہ اٹھا لئے گئے۔ ہم اپنی آسمانی کتاب انجیل کو خود تبدیل کرتے رہے ہیں مگر قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ آج تک کوئی بھی عیسائی اپنی آسمانی کتاب انجیل کو زبانی یاد نہیں کر سکا مگر قرآن دنیا کی واحد

کتاب ہے جسے مسلمان زبانی یاد کر لیتے ہیں۔ ہم میں امیر' غریب' کالے' گورے میں فرق کیا جاتا ہے اور ہماری عبادت بھی امیر' غریب' کالے اور گورے کے لئے الگ الگ ہے مگر اسلام بھائی چارے کا سبق دیتا ہے اور اسلام میں امیر' غریب' کالے' گورے سب ایک ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ہم اپنی عورتوں کو مذہب کے نام پر راہبہ بنا کر ظلم کرتے ہیں مگر اسلام عورت کے احترام کا درس دیتا ہے۔ ہم اللہ سے زیادہ انجیل اور انجیل سے زیادہ پادری کو اہمیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پادری ہی گناہوں کو معاف کر سکتا ہے مگر اسلام کہتا ہے کہ گناہ صرف اللہ ہی معاف کر سکتا ہے۔ مسلمان صرف اللہ کے احکام اور محمد (ﷺ) کی تعلیمات کو اہمیت دیتے ہیں ۔ ہر دلیل یہی کہہ رہی تھی کہ دین حق اسلام ہی ہے۔ ہم غلطی پر ہیں۔ میری راتوں کی نیند اور دل کا سکون اڑ گیا۔ میں سوچتا کہ جب میں خود گناہ کرتا ہوں تو پھر میں کیسے لوگوں کے گناہ معاف کر سکتا ہوں۔ میں نے اتنی عمر گناہوں میں گزاری' اب اس گناہ کی زندگی کو چھوڑ دینا چاہئے' اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہئے اور سچے مذہب اسلام کو قبول کر لینا چاہئے کیونکہ سچائی اور حق کو جان لینے کے بعد اس کو قبول نہ کرنا اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔ آخر کار بہت سوچ اور سمجھ کر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ دین اسلام کو قبول کر کے اپنے آپ کو اس گناہ کی زندگی سے بچا لینا چاہئے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی فرمان ہے کہ جب تم کو سچا راستہ ملے تو اس کو اپنا لو اور انجیل مقدس میں بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آخری خطاب میں کہا تھا: ''میرے بعد روح حق آئے گا جو سچائی کی راہ دکھائے گا اور گناہوں سے روکے گا۔ وہ میرا جلال ظاہر کرے گا (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گواہی دے گا) وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا جو سنے گا وہی کہے گا''۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد محمد ﷺ ہی آئے۔ انہوں نے ہی لوگوں کو سچائی کا راستہ دکھایا اور انہوں نے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کی گواہی دی' اور جو اللہ نے کہا وہی لوگوں کو سنایا۔ میں نے مسلمان ہونے کا فیصلہ کر لیا جو صرف قرآن و سنت پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

جامعہ احسان کے منتظم اعلیٰ قاری خلیل الرحمٰن جاوید صاحب کو میں نے فون کیا کہ میں دین اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ قاری صاحب نے کہا کہ آپ مزید سوچ لیں اور اسلام کا مزید مطالعہ کرلیں۔ میں نے کہا کہ میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ قاری صاحب نے کہا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں نے کہا کہ حق کے راستے کی ہر تکلیف برداشت کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ بہت خوشی کی بات ہے' آپ اتوار کو جامعہ آ جائیے گا۔ دو دن آپ مزید سوچ لیں۔ قاری صاحب سے بات کرنے کے بعد ایک ایک لحہ گزارنا مشکل ہوگیا۔ 48 گھنٹے میرے لئے 48 سال بن گئے۔

اور پھر صلیب ٹوٹ گئی

آخر میری زندگی کا انقلابی دن آ گیا۔ اتوار 16 اگست 1998ء کو میں نے جامعہ احسان میں فیصل آباد کے شیخ ثناء اللہ ضیاء کے سامنے کلمہ پڑھا۔ جب میں نے کلمہ پڑھا' اس لمحے کے احساسات کو میں بیان نہیں کرسکتا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ایک چمک سی آئی جس نے میرے دل کو روشن کردیا۔ اس لمحے کو کوئی بڑے سے بڑا مصنف بھی کوئی نام نہیں دے سکتا۔ اس لمحے وہ سکون ملا جو میں نے کبھی زندگی میں محسوس نہیں کیا تھا۔ مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے صلیب ٹوٹ گئی ہو اور میں صلیب کی قید سے آزاد ہوگیا ہوں' جیسے آج میں پاک ہوگیا ہوں۔ پھر شیخ صاحب نے مجھ سے عہد لیا کہ میں ایک اللہ کی عبادت کروں گا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کروں گا اور محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مانوں گا اور ان کی دی ہوئی تعلیمات پر عمل کروں گا' شراب نہیں پیئوں گا اور جو چیزیں اسلام میں حرام ہیں وہ نہیں کھاؤں گا اور ساری زندگی اسلام پر قائم رہوں گا۔ شیخ صاحب نے میرا نام عبداللہ رکھا۔ پھر قاری صاحب نے اور تمام لوگوں نے مجھے مبارکباد دی۔ قاری صاحب نے مجھے کہا کہ آج سے آپ ہمارے بھائی ہیں۔ ہم آپ کے تمام دکھوں اور تکلیفوں میں آپ کے ساتھ ہیں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد بہت سی تکلیفیں آئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے سرخرو ہونے کی

توفیق بخشی۔ دراصل میں پہلے ہی ذہنی طور پر تیار ہو چکا تھا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد جب میں گھر پہنچا تو اپنے والد کو سچ سچ بتا دیا کہ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ میرے والد جو مجھ سے گہری قلبی وابستگی رکھتے تھے اس خبر سے انہیں شدید دھچکا لگا اور وہ بہت غصے میں آ گئے۔ انہوں نے فوراً کھڑکی دروازے بند کر دیئے: ''تم نے یہ کیا کیا پیٹر؟'' انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ ''اب میرا نام عبداللہ ہے پیٹر نہیں'' میں نے کہا۔ ''تم گمراہ ہو گئے ہو مسلمانوں نے تم پر جادو کر دیا ہے''۔ انہوں نے کہا۔ ''مسلمانوں نے مجھ پر جادو کیا اور نہ گمراہ۔ میں نے خود تحقیق کی ہے اور سچا مذہب اسلام ہی ہے۔ آپ بھی سچائی کو مان لیں۔ آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد حضرت محمد ﷺ اللہ کے نبی ہیں، انجیل نے بھی یہی خبر دی ہے، آپ بھی اسلام قبول کرلیں'' میں نے کہا۔
یہ سن کر انہوں نے مجھے زندگی میں پہلی بار بہت مارا اور کہا کہ اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں عیش و آرام اور دولت و جائیداد سے بے دخل کردوں گا۔ ''فادر، میرا یہ آخری فیصلہ ہے، چاہے کچھ بھی ہو جائے، میں اسلام کو نہیں چھوڑوں گا'' میں نے کہا۔ ''اب تمہارا فیصلہ پاکستان کرسچین کمیونٹی کرے گی۔ جب تک یہ فیصلہ نہیں ہو جاتا تم گھر سے باہر نہیں جاؤ گے''۔ والد نے حکم سنا دیا۔ اس کے بعد مجھے ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ میرے والد مجھ سے بات بھی نہیں کرتے تھے۔ ابھی تک مجھے مسلمانوں کی نماز بھی نہیں آتی تھی۔ میں صرف اللہ کو ایک جان کر سجدہ کرتا اور اللہ سے دعا کرتا: ''اے اللہ مجھے اپنے سچے مذہب اسلام پر قائم رکھنا۔ اے اللہ میری تکلیفوں کو دور کر اور میری حفاظت کر اور میرے والد کو سچائی سمجھنے کی توفیق عطا فرما''۔

اسی طرح ایک ہفتہ گزر گیا۔ اتوار کے دن مجھے مجرموں کی طرح چرچ لے جایا گیا اور وہاں صدر پاکستان کرسچین کمیونٹی نے میرا فیصلہ سنایا: ''آج ایک پادری باپ کے بیٹے نے عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کرلیا ہے اور گمراہ ہو گیا ہے۔ اس لئے پاکستان کرسچین کمیونٹی اس کو کمیونٹی سے بے دخل کرتی ہے اور اس کو مذہب عیسائیت سے خارج کرتی ہے۔ اب کوئی عیسائی جو خداوند یسوع مسیح کو مانتا ہے اس سے میل جول اور کسی قسم کا لین دین نہ کرے اور

اس کا فادر اسے اپنی جائیداد سے بے دخل کردے اور اس سے کسی قسم کا رابطہ نہ رکھے ورنہ پاکستان کرسچین کمیونٹی انہیں ان کے منصب سے بے دخل کردے گی"۔ "میں اپنے بیٹے کو مذہب عیسائیت چھوڑنے کی وجہ سے اپنی تمام جائیداد سے بے دخل کرتا ہوں۔ اب یہ میرا بیٹا نہیں۔ میں اس کو یسوع مسیح خداوند پر قربان کرتا ہوں۔ یہ اب کسی چیز کا حقدار نہیں۔ جو لباس اس نے پہنا ہے اس لباس میں ہی یہاں سے دور چلا جائے اور کسی بھی عیسائی سے آئندہ رابطہ کرنے کی کوشش نہ کرے۔ میں تمام عیسائیوں کو حکم دیتا ہوں کہ اگر وہ خداوند یسوع مسیح کو مانتے ہیں تو اس سے رابطہ نہ رکھیں اور اس کی کسی قسم کی مدد نہ کریں ورنہ وہ خداوند یسوع مسیح کے آگے گناہ گار ہوں گے"۔ میرے باپ نے اعلان کیا۔

میرے والد اور کرسچین کمیونٹی نے حتمی فیصلہ دے دیا کہ اگر دولت' عزت اور جائیداد چاہتے ہو تو اسلام سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ ان کا فیصلہ میرے دل و دماغ پر بجلی بن کر گرا۔ ایک مرتبہ تو میں چکرا کر رہ گیا۔ زمین و آسمان گھومتے نظر آئے مگر اللہ کا شکر ہے کہ اس کی رحمت نے مجھے تھام لیا۔ "میں سب کچھ چھوڑ سکتا ہوں' مگر اسلام اور ایمان کی دولت سے دست بردار نہیں ہوسکتا" میں نے بھی دوٹوک الفاظ میں کہا۔ یہ کہہ کر میں چرچ سے نکل آیا۔ کرسچین کمیونٹی نے میرے بارے میں فتویٰ دیا کہ اسے قتل کرنا ثواب ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں۔ میں ایک مسجد میں گیا۔ وہاں اللہ کے آگے دعا کی: "یا اللہ میری مدد کر' اب اس دنیا میں صرف تو ہی میری سننے والا ہے۔ میرے پاس صرف اسلام کی دولت ہے' یا اللہ میں دنیا کی ان تکالیف کے سبب اسلام سے بھٹک نہ جاؤں' مجھے اپنے سچے مذہب اسلام پر قائم رکھنا"۔ مجھے عجیب سا سکون محسوس ہوا۔ میں اپنے بچپن کے دوست کے پاس گیا' اس سے کہا کہ صرف چند دن مجھے پناہ دے دو۔ اس نے میرا بہت ساتھ دیا۔ اس نے کہا کہ تم رات کو چھپ کر میرے گھر آجانا اور جب تک کوئی انتظام نہیں ہو جاتا تم میرے پاس ہی رہنا۔ میں نے اپنے دوست کو اسلام کی دعوت دی اور اسلام کی سچائی کا بتایا تو اس نے کہا "میں اسلام قبول نہیں کرسکتا مگر تمہاری ہر قسم کی مدد کروں گا کیونکہ تم میرے جگری دوست ہو"۔ میں اس کے پاس رہنے لگا۔

میں نے سب سے پہلے نماز سیکھنے کا ارادہ کیا۔ میں نے جامعہ احسان میں قاری صاحب سے رابطہ کیا کہ مجھے نماز سیکھنی ہے۔ انہوں نے مجھے جامعہ رحمانیہ کا پتہ دیا اور کہا کہ وہاں شیخ زید صاحب اور شیخ ذوالفقار طاہر صاحب ہیں آپ ان کے پاس چلے جائیں۔ میں نے ان سے بات کرلی ہے وہ آپ کو نماز اور اسلام کے دیگر مسائل بھی سکھائیں گے۔ جب میں جامعہ رحمانیہ پہنچا تو تمام احباب مجھ سے بڑی گرم جوشی سے ملے۔ شیخ داؤد صاحب نے مجھے نماز پڑھنی سکھائی۔ جب میں نے اپنی زندگی کی پہلی نماز پڑھی تو مجھے اتنا سکون ملا کہ میں بتا نہیں سکتا۔ اتنا سکون دنیا کے کسی عیش و آرام میں نہیں ملا تھا جتنا سکون نماز میں ملا۔ پہلے میں سکون کے لئے کثرت سے شراب پیتا تھا' مگر سکون نہیں ملتا تھا۔ میں نے جمعہ کی پہلی نماز جامعہ احسان میں پڑھی تو مجھے یوں لگا جیسے سب کچھ نماز میں ہی ہے۔ میں اپنے تجربے کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ نماز ہر مسئلے کا حل ہے' بشرطیکہ نماز پورے خشوع و خضوع سے پڑھی جائے۔

عیسائی دوست کے گھر پر کچھ عیسائی مذہبی جنونی لڑکوں نے مجھ پر حملہ کردیا اور مجھے کمرے میں بند کر کے خوب تشدد کیا۔ ان کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ میں اسلام کو چھوڑ دوں لیکن میری زبان پر ایک ہی جملہ تھا کہ دین حق اسلام ہے' اگر تم مجھے جان سے بھی مار دو تب بھی میں مذہب اسلام کو نہیں چھوڑوں گا۔ انہوں نے تشدد کی انتہا کردی' یہاں تک کہ میرے جسم کو سگریٹوں سے جلایا گیا۔ اللہ نے مجھے بہت ہمت دی اور ان کا یہ تشدد بھی مجھے ایمان سے ہٹا نہ سکا۔ اللہ نے مجھے استقامت دی۔ میں ان سے صرف ایک بات کہتا تھا کہ تم سب غلطی پر ہو' اسلام سچا مذہب ہے۔ میرے عیسائی دوست نے ان سے میری جان چھڑائی۔ ان لڑکوں نے مجھے کہا کہ آئندہ عیسائیوں کے علاقے میں نظر نہ آنا ورنہ تمہیں جان سے مار دیں گے کیونکہ فادر نے کہا ہے کہ تمہیں مارنا ثواب ہے۔ تمہیں مارنے سے خداوند یسوع مسیح خوش ہوں گے۔ میں وہاں سے جامعہ رحمانیہ آ گیا۔ وہاں کے تمام اساتذہ نے مجھے صبر کی تلقین کی اور میری بہت ہمت بندھائی۔ مجھے حضور ﷺ کے صحابہ کرامؓ کے واقعات سنائے گئے کہ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو کفار نے ان پر کتنا ظلم کیا تھا۔ خاص طور پر

بلال حبشیؓ کا واقعہ سنایا کہ جب ان پر تشدد کیا جاتا تھا تو ان کی زبان پر صرف ایک ہی لفظ "احد، احد" ہوتا تھا یعنی اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے، یہ واقعات سن کر مجھے حوصلہ ملا اور میں نے محسوس کیا کہ مجھ پر تو عیسائیوں نے کچھ بھی تشدد نہیں کیا جتنا کفار مکہ نے اسلام قبول کرنے والے صحابہ کرامؓ پر کیا تھا۔

ان واقعات سے میں اپنی تکلیف بھول گیا۔ میں نے حق کو پالیا، مجھے روشنی مل گئی۔ اب میں بالکل مطمئن ہوں اور اسلام کو سیکھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اب میں نے اپنی تمام زندگی دین اسلام کے لئے وقف کردی ہے۔ اب میرا ایک ہی مشن ہے کہ میں مسلمان نوجوانوں کو بتاؤں کہ عیسائی مشنریاں اپنے عیسائی نوجوانوں کو ایک ہی تبلیغ کرتی ہیں کہ اب مسلمانوں میں کوئی صلاح الدین ایوبی پیدا نہیں ہونا چاہئے۔ جس دن مسلمانوں میں صلاح الدین ایوبی والا جذبہ پیدا ہوگیا وہ دن عیسائیوں کا آخری دن ہوگا...... اب میں مسلمان نوجوانوں کو تبلیغ کروں گا اور عیسائیوں کی چالوں سے خبردار کروں گا، یہی میرا مشن ہے۔

پاکستان میں بہت سے ایسے سکول ہیں جن کو چرچ آف انگلینڈ کنٹرول کرتا ہے، وہیں سے ان کے فنڈز آتے ہیں، وہیں نصاب تیار کیا جاتا ہے، ان کا مقصد مسلمانوں کو عیسائی بنانا نہیں بلکہ اسلام سے عملی طور پر دور کرنا ہے۔ ان سکولوں اور کالجوں میں جو نصاب پڑھایا جاتا ہے اس میں اسلام کا خوب مذاق اڑایا جاتا ہے۔ عیسائی مشن سب سے زیادہ کام طالبات پر کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے ہر کلاس میں ایک ٹرینڈ مشنری لڑکی ہوتی ہے جو مسلم طالبات کے ساتھ دوستیاں لگاتی ہے۔ خاص طور پر ایسی مسلم طالبات کا انتخاب کیا جاتا ہے جو مذہبی گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ پہلے ان سے دوستی لگائی جاتی ہے اور ان کو اپنے گھروں میں بلایا جاتا ہے اور غیر محسوس انداز میں ان کے ذہن میں ڈال دیا جاتا ہے کہ اللہ نے آپ کو حسن اس لئے دیا ہے کہ اسے لوگوں کو دکھایا جائے، پردہ وغیرہ فضول چیز ہے۔ مسلم طالبات کو اپنے گھروں میں اور اپنے سنٹرز میں بلا کر وڈیو فلمیں دکھائی جاتی ہیں جس سے ان کی برین واشنگ ہوتی رہتی ہے۔ ایک بڑے مشنری کا قول ہے کہ "سو آدمیوں پر کام

کرنے کے بجائے ایک عورت پر کام کیا جائے"۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ بچوں کو خراب کیا جائے۔ راہبائیں باقاعدہ کلاسز میں آ کر چھوٹے چھوٹے بچوں کا ذہن بڑے غیر محسوس انداز میں خراب کرتی ہیں۔ ڈش ٹیکنالوجی کو بھی اب وہ اپنے مقصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ ڈش کے ذریعے عیسائیت کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ مسلمان نوجوانوں پر کام کرتے ہیں۔ ان کو دولت اور پیسے کے ذریعے خریدا جاتا ہے۔ عیسائیوں کا ذہن ہے کہ مسلمان تلوار سے نہیں مر سکتا یہ صرف عورت اور پیسے سے مارا جاسکتا ہے اور اس میں وہ کامیاب کوشش کر رہے ہیں۔ میں بہت سے کمزور مسلمانوں کو جانتا ہوں جو عورت اور پیسے کے چکر میں عیسائی بن گئے۔ عیسائیت میں سچائی تو ہے نہیں جسے دیکھ کر کوئی اسے قبول کرے۔ میری عیسائی نوجوانوں سے اپیل ہے کہ وہ تحقیق کریں، اپنے ہی مذہب کو پڑھیں اور اس پر غور وفکر کریں۔ تدبر و تفکر کریں گے تو انہیں روشنی مل جائے گی اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ (بشکریہ: ماہنامہ "حکایت" اکتوبر 1999ء)

کثرتِ ازواج اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

1 - آنحضرت (ﷺ) کے کثرت ازواج کے متعلق بہتان باندھا گیا ہے۔ بے شک آپ نے کئی بیویاں کی تھیں مگر زمانے کے برے رواج کو مٹانے کیلئے اور لوگوں کو ترغیب دینے کیلئے کہ وہ بھی بیوہ، کنواری، غلام اور لاوارث عورتوں کو اپنے نکاح میں لائیں اور آپ کے نمونہ کی پیروی کریں۔ آپ نے اپنی نفسانی خواہش کیلئے نکاح نہیں کئے۔ آپ میں نفسانی خواہش کی کوئی بھی دلیل یا علامت نہیں پائی جاتی۔ (بی ایس کشالیہ، ڈی، ای لندن)

2 - عالم شباب میں آپؐ کی یہ حالت تھی کہ آپؐ تازہ شادی کے بعد کئی کئی روز تک گھر سے غیر حاضر رہ کر تزکیہ نفس اور ریاضت کشی میں مشغول رہتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کے سوا جتنی خواتین آپؐ کے عقد میں آئیں، سب کی سب بیوہ تھیں۔ ان حالات پر فرداً فرداً غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شادیاں کسی نفسانی خواہش کی خاطر نہ تھیں بلکہ کسی اخلاقی ذمہ داری کی ادائیگی کی خاطر تھیں۔ (حکم چند کمار) (میاں عابد کی کتاب "شان محمد ﷺ" سے)

حق کی تلاش

افریقہ کے ایک متحرک وفعال پادری سیلی ابراہیم کا قبولِ اسلام

(تحریر: ڈاکٹر عبدالعزیز صرحان ...... ترجمہ: صاحب عالم اعظمی ندوی)

یہ کہانی اگرچہ آپ کو بہت عجیب لگے مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ حقائق پر مبنی ہے۔ جن صاحب کی یہ کہانی ہے انہوں نے خود اپنی زبانی مجھے سنائی۔ یہ صاحب جنوبی افریقہ سے تعلق رکھتے ہیں، سابق صدر نیلسن منڈیلا کے قریبی رشتہ دار ہیں اور حال ہی میں اسلام قبول کیا ہے۔ ہماری ان سے ملاقات ساؤتھ افریقہ میں واقع رابطہ عالم اسلامی (MWL) کے دفتر میں ہوئی جہاں میں مینیجر کی حیثیت سے کام کرتا ہوں۔ ہماری یہ ملاقات رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سیکرٹری عبدالخالق متر نے کرائی۔ عبدالخالق نے مجھے بتایا کہ حال ہی میں اسلام قبول کرنے والے یہ شخص پادری سیلی کے نام سے جانے جاتے تھے اور یہ عیسائیت کے زبردست مبلغ و داعی تھے۔ چونکہ اب یہ حج کرنا چاہتے ہیں، اس لئے انہوں نے مجھے مکہ میں واقع "MWL" کو اطلاع دینے کی درخواست کی ہے تاکہ دوران حج ان کی خاطر خواہ میزبانی کی جاسکے۔

بہرکیف وقت مقررہ پر وہ مسلم افریقہ کے باکسنگ وفاق (BOXING FEDERATION) کے سابق ممبر سلیمان کے ساتھ حاضر ہوئے۔ پادری سیلی کا قد پستہ اور رنگ سیاہ تھا، جیسا کہ عام حبشیوں کا ہوتا ہے مگر ان کے چہرے پر تبسم کی جھلک نظر آتی

تھی۔ گفت و شنید کے دوران میں، میں نے ان سے عرض کیا کہ کیا وہ اپنے قبول اسلام کے سلسلہ میں ہمیں تفصیل بتانا پسند کریں گے۔ برجستہ انہوں نے کہا: "کیوں نہیں"۔ ایک فعال اور سرگرم پادری کی حیثیت سے وہ مسلسل چرچ کی خدمت اور عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت میں لگے رہے اور صرف یہی نہیں بلکہ اپنی فعالیت اور سرگرمی کی بدولت جنوبی افریقہ کے عیسائیوں میں انہوں نے کافی عزت و مقبولیت حاصل کی۔ مزید تفصیل انہی کی زبانی سنیں :-

میری بہترین کارگزاری کی وجہ سے ویٹی کن سٹی (VATICAN CITY: دنیا کا سب سے چھوٹا ملک اور عیسائی مذہب کا سب سے بڑا مرکز ہے) نے مجھے خوب سراہا اور براہ راست میرا ویٹی کن سے ربط و تعلق ہو گیا۔ اب ویٹی کن مجھے بھرپور مالی امداد فراہم کرنے لگا جس سے میری تحریک میں مزید شدت آ گئی اور میں زور و شور سے لوگوں میں عیسائیت کی تبلیغ کرنے لگا۔ میں نے اپنے مقصد کے حصول کی خاطر تمام ممکن حربے اور ذرائع استعمال کر ڈالے۔ اس سلسلے میں، میں برابر سکولوں، ہسپتالوں، یہاں تک کہ صحرا نشینوں اور خانہ بدوشوں کے خیموں میں بھی جاتا رہتا تھا تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو عیسائیت کی تعلیم دے سکوں۔ ویٹی کن سے برابر رقوم اور تحائف آتے رہتے تھے جس کو میں لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتا تھا تاکہ لوگ عیسائیت سے متاثر ہوں اور اس کو قبول کریں۔ میں نے وہ تمام طریقے اختیار کئے جن سے میں لوگوں کو عیسائیت کے قریب لا سکتا تھا۔ اس طرح میری مقبولیت میں مزید اضافہ ہوا۔ میں اس تبلیغی تحریک اور دعوتی مشن کی بدولت مالا مال بھی ہو گیا۔ چرچ کی طرف سے رہائش کے لئے مکان اور آرام دہ کار مہیا کی گئی اور معقول تنخواہ بھی دی جانے لگی جس سے میں دوسرے پادریوں سے ممتاز ہو گیا۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں شہر کے ایک بڑے تجارتی مرکز (SHOPPING CENTRE) سے کچھ تحائف لینے گیا جہاں میں ایک عجیب و غریب واقعہ سے دوچار ہوا۔ چونکہ میں اپنے مخصوص سفید لباس میں تھا جو ہمیں اوروں سے ممتاز کرتا ہے، اس لئے جب میں نے دکاندار سے قیمت دریافت کی اور سامان خرید لیا تو دکاندار (جو شکل سے ہندوستانی مسلمان نظر آتا تھا اور یہاں جنوبی افریقہ میں ہم لوگ سمجھتے تھے کہ اسلام ایک ہندوستانی

مذہب ہے) نے مجھ سے سوال کیا:'' کیا آپ پادری ہیں؟'' میں نے کہا '' جی ہاں! میں پادری ہوں''۔ اس نے دوبارہ سوال کیا؟ '' آپ کا خدا کون ہے؟''۔ میں نے کہا: ''عیسیٰ مسیح ہمارے خدا ہیں''۔ اس نے کہا '' میں آپ کو چیلنج کرتا ہوں کہ آپ اپنی مذہبی کتاب بائبل سے ایک بھی ایسی آیت بتائیں جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا ہو کہ اے لوگو، میں تمہارا خدا ہوں اور تم لوگ میری عبادت کرو''۔ ان کے اس سوال سے مجھے زبردست دھچکا لگا اور حیرت و استعجاب کی انتہا نہ رہی۔ کوئی معقول جواب مجھ سے نہ بن پڑا' میں نے اپنی یادداشت پر خوب زور ڈالا مگر مجھے کوئی ایسی آیت یاد نہ آئی جو بائبل یا ہماری دوسری کسی مذہبی کتاب میں موجود ہو۔ میں حد درجہ پریشان ہو گیا اور سوچنے لگا کہ ایسا آخر کیونکر ہوا' اور کبھی میں نے اپنے آپ سے یہ سوال کیوں نہیں کیا؟

اس واقعہ کے بعد میں نے مصمم عزم کرلیا کہ اس کا جواب مجھے ہر صورت تلاش کرنا ہے۔ پہلی فرصت میں' میں چرچ کی مجلس (COUNCIL) میں گیا۔ مجلس کے اندر میں نے اپنے پادری ساتھیوں کو بتایا کہ میرے ساتھ آج ایک عجیب واقعہ پیش آیا ہے' وہ یہ کہ ایک شخص نے مجھ سے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اس طرح کے سوالات کئے ہیں۔ میں نے اپنے پادری ساتھیوں کو تمام تفصیل سنائی اور ان سے جواب طلب کیا۔ جواب دینے کے بجائے وہ لوگ الٹا مجھ پر چڑھ دوڑے اور کہا کہ اس ہندوستانی مسلمان نے اپنے مذہب کے ذریعہ تمہارے ساتھ دغابازی کی ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے اس سے بحث نہیں کہ اس نے میرے ساتھ کیا کیا اور کیوں کیا؟' بس تم لوگ مجھے اس سوال کا جواب دو مگر جواب ان کے پاس تھا ہی کیا جو وہ مجھے دیتے۔

پھر مزید ایک اور واقعہ پیش آیا جس نے میرے قلب وضمیر کو تشویش میں مبتلا کر دیا۔ حسب معمول اتوار کو جب میں چرچ میں خطاب عام کے لئے کھڑا ہوا تو میری زبان بند ہو گئی اور ایسے محسوس ہوا جیسے میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ہے۔ ایسا لگا کہ میرے منہ پر تالے پڑ گئے ہیں۔ شرکائے مجلس تعجب خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگے کہ آج آخر یہ بول کیوں نہیں پا رہے ہیں۔ لوگ طرح طرح کے شکوک وشبہات میں مبتلا ہو گئے۔ میں

فوراً واپس اندر کی جانب چلا گیا اور اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ میں بہت تھک گیا ہوں لہٰذا آج تم میری جگہ تقریر کر دو۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ میں ذہنی طور پر حد درجہ پریشان تھا' اسی پریشانی کے عالم میں' میں گھر چلا گیا۔ گھر میں ایک پرسکون کمرہ میں جا بیٹھا اور خدا سے دعا کی کہ اے خدا سچائی کی طرف میری رہنمائی کر۔ دعا مانگتے مانگتے اسی حالت میں سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں اپنے گھر کے بڑے ہال میں بیٹھا ہوں' اچانک ایک شخص نمودار ہوا' اس کے چہرے پر خاص نور تھا جو میری نگاہوں کو خیرہ کئے دے رہا تھا' اس وجہ سے میں اس پرنور چہرہ کو دیکھنے سے قاصر تھا۔ پہلے پہل تو میں نے سوچا کہ یقیناً یہ خدا ہو گا جس سے میں نے رہنمائی کی دعا کی تھی۔ اس نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ تمہارا نام ابراہیم ہے۔ چونکہ تم نے اللہ سے اپنی رہنمائی کی دعا کی تھی لہٰذا اسی پروردگار نے مجھے تمہاری رہنمائی کے لئے بھیجا ہے' اب تم اپنی داہنی جانب نگاہ ڈالو۔ میں نے اپنے داہنی جانب چند اشخاص کو سفید کپڑوں اور سفید عماموں میں ملبوس ٹہلتے دیکھا۔ اس شخص نے مجھ سے پھر اشارۃً کہا کہ ان اشخاص کے نقش قدم پر چلو' سچائی پا لو گے۔ جب میں بیدار ہوا تو میں نے بہت خوشی محسوس کی اور خدا کا شکر ادا کیا لیکن اچانک میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوا کہ جن لوگوں کو میں نے خواب میں دیکھا ہے ان کو کہاں تلاش کروں۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ جب تک سچائی کو پا نہیں لوں گا اس وقت تک اپنی تلاش جاری رکھوں گا۔ چنانچہ اپنی تمام سرگرمیوں کو پس پشت ڈال کر ان سفید کپڑوں اور سفید عماموں والے اشخاص کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ تلاش حق کا یہ سفر بہت لمبا ہوا۔ سفر کے دوران میں' میں جتنے مسلمان بھائیوں سے ملا' وہ سب کے سب پینٹ شرٹ میں ہی ملبوس نظر آئے۔ یہاں تک کہ میں اپنی اس تلاش میں جوہنسبرگ (JOHANNES BURG) پہنچ گیا۔

یہاں افریقی مسلمانوں کے ایک آفس میں استقبالیہ کاؤنٹر پر اپنے خواب میں دیکھے ہوئے اشخاص کے بارے میں سوال کیا۔ کاؤنٹر پر بیٹھے شخص نے مجھے بھکاری سمجھ کر کچھ پیسے دینے کی کوشش کی۔ میں نے ان سے پوچھا: ''بھائی! کیا تمہاری کوئی عبادت گاہ قریب میں واقع ہے''۔ اس نے قریبی مسجد کی طرف میری رہنمائی کی جہاں مجھے حیرت و خوشی کا شدید

جھٹکا لگا کیوں کہ مسجد کے گیٹ پر مجھے اپنے خواب میں دکھائے گئے اشخاص میں سے ایک شخص سفید کپڑے اور سفید عمامے میں کھڑا نظر آیا' میں فوراً اس کی جانب لپکا۔ قبل اس کے کہ میں کچھ بولتا' اس شخص نے کہا: "خوش آمدید' ابراہیم صاحب! میں نے تمہیں خواب میں دیکھا کہ تم ہم لوگوں اور سچائی کو تلاش کر رہے ہو۔ جس سچائی کی تم تلاش میں ہو وہ سچائی تو صرف اور صرف اسلام میں ہے"۔ پھر میں نے ان کو اپنا خواب سنایا اور ان سے پوچھا کہ جس شخص کو خدائے واحد نے میری رہنمائی کے لئے بھیجا تھا وہ کون ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا: "ہو سکتا ہے کہ محمدؐ ہوں"۔ یہ سننا تھا کہ میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس جذبہ خوشی میں' میں نے انہیں گلے لگا لیا۔ چونکہ نماز کا وقت تھا لہٰذا انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ مسجد کے عقب میں کھڑے رہیں' میں نماز پڑھ کر آتا ہوں۔ نماز کے دوران میں' میں نے دیکھا کہ متعدد مسلمان سفید کپڑوں اور عماموں میں نماز ادا کر رہے ہیں۔ اپنی پیشانیوں کو زمین پر ٹیک رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر میں خود سے ہم کلام ہوا کہ یہی وہ اصل عبادت ہے جس کے متعلق میں نے کتابوں میں پڑھا تھا کہ انبیاء علیہم السلام اپنے رب کے سامنے پیشانیوں کو ٹیکتے تھے۔ نماز کے بعد میں نے پرسکون ماحول میں راحت کی سانس لی اور خوشی محسوس کی۔ بعد نماز ان صاحب نے مجھے اسلام کی دعوت دی اور میں بغیر کسی پس و پیش کے مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

قبولِ اسلام کے بعد میں برابر اسلام کا مطالعہ کرتا رہا یہاں تک کہ دعوت کے کام میں لگ گیا اور دل و جان سے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے لگا۔ اپنے ان دعوتی سفروں میں متعدد جماعتوں اور تنظیموں کے لوگوں سے ملاقات کا موقع ملا اور ان لوگوں سے میں نے اسلام سے متعلق بہت کچھ سیکھا۔

کچھ مہینوں کے بعد جب میں اپنے گھر آیا تو گھر والوں نے میری حالت پر افسوس کا اظہار کیا اور میرے لباس کی مذمت کی۔ فوراً چرچ کی میٹنگ میں مجھے بلایا گیا۔ پادریوں نے مجھے شرم دلائی کہ میں نے اپنے موروثی مذہب کو ترک کر دیا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہندوستانی مسلمان نے تمہارے ساتھ مکاری کی اور تم کو تمہارے مذہب سے پھیر دیا ہے۔

میں نے ان سے کہا کہ کسی نے بھی میرے ساتھ مکاری و دغا بازی نہیں کی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود میرے پاس خواب میں تشریف لائے اور مجھے سچائی کی راہ دکھائی، سچائی کی راہ صرف اور صرف دین اسلام میں ہے، وہ اسلام جو ایک عالمگیر مذہب ہے نہ کہ ہندوستانی مذہب۔ میرے اس جواب نے انہیں سکتہ میں ڈال دیا، لیکن انہوں نے مجھے دوسرے حیلوں میں پھنسانا چاہا۔ انہوں نے کہا کہ ویٹی کن نے تمہیں چھ ماہ کی پیشگی تنخواہ کے ساتھ ویٹی کن میں رہنے کی پیشکش کی ہے۔ وہ تمہیں نئے مکان مع نئی کار کے خاطر خواہ رقم بھی دیں گے۔ مزید براں یہ کہ چرچ میں ایک اعلیٰ عہدہ عطا کریں گے۔ میں نے ان تمام پیش کشوں اور ترغیبات کو رد کر دیا اور کہا کہ اب جب کہ میں نے سچائی کو پالیا ہے اور ایک ایسے دین کو اختیار کیا ہے جو کہ مکمل و جامع ہے تو اب میں اس مذہب سے آخری دم تک رو گردانی نہیں کرسکتا۔ میں نے انہیں بھی اسلام کی دعوت دی اور الحمدللہ دو مزید پادریوں کو اسلام جیسی سچی اور سیدھی راہ پر لے آیا۔ چرچ والوں کو جب یقین ہو گیا کہ میں نے مذہب اسلام پر چلنے کا مکمل ارادہ کرلیا ہے تو انہوں نے میرے تمام اختیارات چھین لئے۔ میں بے حد خوش تھا کیونکہ میں خود یہی چاہتا تھا اور انہیں ان کی حالت پر چھوڑ کر چلا آیا۔

یہ ہے ابراہیم سیلی کے قبولِ اسلام کی کہانی خود ان کی زبانی۔ یہ ابراہیم سیلی جو کبھی فعال پادری ہوا کرتے تھے، اب اسلام کے زبردست مبلغ و داعی ہیں۔ دوبارہ ابراہیم سیلی صاحب سے میری ملاقات افریقہ کے ایک سیمینار میں ہوئی، بہت گرم جوشی سے ان سے ملا اور پوچھا کہ وہ آج کل کیا کر رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنی زندگی کو دعوت کے کام کے لئے وقف کر دیا ہے، آپ سے دعا کی درخواست ہے کہ میں کام میں پوری مستعدی سے لگا رہوں۔ اس مختصر ملاقات کے بعد وہ مجھ سے جدا ہو گئے۔ میں نے دیکھا کہ اسلام لانے کے بعد ابراہیم سیلی میں بڑی تبدیلی آ گئی ہے اور وہ دعوتی کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔

(بشکریہ مسلم ڈائجسٹ (انگلش) بنگلور، تعمیر حیات لکھنؤ، شمارہ 10 اکتوبر 2000ء)

*****

فطرت کا انتخاب

ایک سکھ کے قبولِ اسلام کی ایمان افروز داستان

اسلام دین فطرت ہے۔ یہ وہ انمول دولت ہے جو کسی کو تو ماں کی گود میں نصیب ہو جاتی ہے اور سعادت مند ہونے کی صورت میں وہ اس نعمت عظمیٰ کی قدر کرتا ہے اور اپنی زندگی سنوار لیتا ہے اور خدانخواستہ قدر ناشناس ہو تو غفلت میں پڑ کر محروم رہ جاتا ہے۔ لیکن بعض خوش بخت ایسے بھی ہیں کہ دین فطرت سے کوسوں دور کسی ماحول میں آنکھ کھولتے اور پرورش پاتے ہیں مگر تلاش بسیار کے بعد تنگ و تاریک راستوں سے گزر کر ضمیر کی روشنی میں چلتے ہوئے بالآخر اس خزانے کو پالیتے ہیں جس کا نام اسلام ہے۔ زیر نظر تحریر محمد اقبال نامی ایک نوجوان کے سکھ مذہب سے اسلام تک کے سفر کی ایسی ہی روداد ہے۔

مجھے یقین ہے کہ مغل دور حکومت میں اسلام اور ہندومت کو یکجا کرنے کی کوشش کے نتیجہ میں سکھ مذہب وجود میں آیا۔ سکھ مذہب اسلام اور ہندومت کا مرکب ہے۔ اس کے بانی گرونانک نے کئی حج بھی کئے۔ ابتدائی دور کے گوروؤں کی تعلیمات بھی اسلام کے بہت قریب ہیں۔ گرنتھ صاحب خدا کی وحدانیت سکھاتی ہے اور اس میں فرشتوں، حتیٰ کہ کراماً کاتبین (انسان کے اعمال لکھنے والے فرشتے) تک کا ذکر ملتا ہے۔ سکھ جنت اور دوزخ کے وجود پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ گرنتھ صاحب کا شروع کا حصہ نہایت اسلامی ہے۔ البتہ بعد میں گوروؤں کا رجحان ہندومت کی طرف زیادہ ہو گیا اور یہی دور تھا جب آواگون (دوبارہ جنم

لینے کا) نظریہ سکھ مذہب میں در آیا۔

جب میں بچہ تھا تو سکھ مذہب کے متعلق بہت ہی کم جانتا تھا۔ چھ سال کی عمر سے میں اذان کو پسند کرنے لگا۔ دراصل میں اذان ہی کو نماز سمجھتا اور اس کا اندازِ ادائیگی میرا دل موہ لیتا۔ مجھے یقین تھا کہ خدا ہے۔ بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ یقین ہر انسان کی شخصیت کا جزو لاینفک ہے اور یہ فطری یقین ہی ان عوامل میں سے ایک تھا جنہوں نے میری سوچ کو یہ معلوم کرنے پر مہمیز کیا کہ مختلف لوگ اسے مختلف انداز میں کیوں مانتے ہیں۔ بتوں کی پوجا سے مجھے بچپن ہی سے نفرت تھی۔ اگرچہ نفرت کی وجہ معلوم نہیں تھی لیکن بہر صورت یہ بات مجھے ناپسند تھی کہ انسان پتھر اور مٹی کی پرستش کرے۔ سکول کے دنوں میں بدھ مت نے مجھے اپنی طرف راغب کیا اور اس کی روحانیت کی وجہ سے میں اسے پسند کرنے لگا۔ میں نے بدھ مت کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو نروان اور آواگون (دوبارہ جنم لینا) کے نظریات اس مذہب میں بھی موجود پائے اور انہی نظریات نے مجھے بدھ مت سے برگشتہ کر دیا۔ میں نے بعد میں محسوس کیا کہ صوفی ازم سے خدا کو نکال دیا جائے تو بدھ مت رہ جاتا ہے۔

پھر چند دوستوں نے میرا تعارف عیسائیت سے کرایا اور میں نے عیسائیت پر مبنی لٹریچر کا خاصا مطالعہ کیا۔ انہی دنوں میں اسلام کی طرف رغبت محسوس کرنے لگا' اس کے باوجود کہ عسائیت جدت کی علمبردار اور اسلام تنگ نظری اور پسماندگی کی علامت گردانا جاتا تھا۔ (اس کا پرچار اب بھی زور و شور سے جاری ہے) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض مسلمان اور بہت سارے غیر مسلم اسلام اور مسلمان کی صحیح تصویر پیش نہیں کر رہے۔

اب تک کسی مسلمان نے مجھے اسلام کی دعوت نہیں دی تھی اور نہ اس کے متعلق کبھی کوئی بات کسی سے ہوئی۔ میں سمجھ نہیں سکا کہ ایسا کیوں تھا لیکن میرا خیال ہے کہ انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ اسلام کی دعوت کیسے دیں۔ اور اگر کوئی بذات خود ان سے اسلام کے متعلق کچھ بتانے کو کہتا تو وہ محض شرما کر رہ جاتے تھے۔ انہی وجوہات کی بنا پر عیسائیت اشاعت و تبلیغ کے میدان میں آگے نکل گئی۔

میری عمر کوئی چار پانچ سال کے لگ بھگ تھی جب ہمارے قریب رہنے والی ایک

کا کیتھین خاتون مجھے اور میری بہن کو اتوار کے روز اپنے ساتھ چرچ لے جانے لگی جہاں ہمیں کھیلنے کو کھلونے اور کھانے پینے کی اشیاء دی جاتیں۔ پھر میں کسی حد تک کسلمندی اور کچھ عدم دلچسپی کا شکار ہو گیا اور اس عورت کے بلانے پر بھی نہ جاتا۔ البتہ اس تجربے کا عیسائیت قبول کرنے یا نہ کرنے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

بعد میں جب میں نے عیسائیت کا گہرائی سے مطالعہ کیا تو پتہ چلا کہ اس کی تثلیث (تین خدا)، صلیب اور خداوند کے نظریات' ایک خدائے واحد کے اس نظریے سے متصادم ہیں جو میرے ذہن میں ہے۔ میں نے اس بارے میں اپنے عیسائی دوستوں سے گفتگو کرنا چاہی لیکن وہ اس موضوع پر اس حد تک گفتگو کرنے پر آمادہ نہ ہوئے جس سے میری تشفی ہو سکتی۔ نتیجتاً عیسائیت میں میری دلچسپی بتدریج کم ہوتی گئی۔

انہی دنوں طب کے پیشے سے وابستہ ایک مسلمان سے میری جان پہچان ہوئی جو مجھے قرآن پاک کی تلاوت کر کے سناتا اور بتاتا کہ یہ آیات قرآن پاک کی ہیں۔ گو قرآن کی زبان میرے لئے اجنبی تھی' پھر بھی مجھے یہ کلام پسند ضرور آیا۔ میں نے جب اس سے سوال کیا کہ قرآن کیا ہے تو جواب ملا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ اس سے مجھے اسلام کے بارے میں مزید جاننے کا تجسس پیدا ہوا۔ ملائی زبانی سے واقفیت کے سبب میں نے اسلام پر بنیادی نوعیت کا مطالعہ کیا۔ کچھ عرصے بعد میں نے قرآن کا ایک نسخہ خرید لیا۔ مجھے وہ دور اب بھی یاد ہے جب میں نے ملائی زبان میں قرآن کی تفسیر پہلی مرتبہ پڑھی۔ سورہ بقرہ کے مطالعہ کے دوران میں میرا وضو کرنے کو جی چاہا تو میں نے وضو کر لیا۔ اسلام کا نظریہ ربوبیت جلد ہی میرے دل میں گھر کر گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ عبدیت کے اظہار کے لئے مختلف مذاہب کے ماننے والے جس کی جستجو میں ہیں وہ اللہ ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بتایا ہے کہ کیسے اس نے روح تخلیق کی اور کیسے تمام روحوں سے اپنے رب ہونے کا اقرار کروایا۔ اس بات نے تو گویا میرے دل کے تاروں کو چھیڑ دیا کیونکہ میں نے خود اپنے ذاتی تجربے اور دوسروں کے مشاہدے سے محسوس کیا تھا کہ چاہے غیر شعوری طور پر ہی سہی ہر انسان میں یہ احساس ہوتا ہے کہ خدا موجود ہے۔ یقیناً یہ سوچ

انسان کے تحت الشعور میں اسی اقرار کی بازگشت ہی ہوتی ہے جو ہر انسان نے عالم ارواح میں اپنے رب سے کیا تھا۔

قرآن کے مطالعہ اور دوسری کتابیں پڑھنے کے بعد مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ اسلام ہی دین حق ہے۔ لازمی قومی خدمات انجام دینے کے دوران میں' میں نے رات کے وقت قرآن کا ترجمہ اور تفسیر پڑھی۔ سؤر کھانے سے میں رک گیا اور ممکنہ حد تک اسلام کے مطابق زندگی گزارنے لگا۔ انہی دنوں میرے ایک دوست نے اپنی رائے کا اظہار کیا کہ میری باتیں' میرے افعال بالکل مسلمانوں جیسے ہیں تو میں نے اس پر واضح کر دیا کہ اگر میں نے کوئی مذہب قبول کیا تو وہ اسلام ہی ہو گا۔

لازمی قومی خدمات کے اختتام پر میرا تعارف دو بزرگ پاکستانی مسلمانوں سے ہوا۔ ان کی زبان وہی تھی جو ہماری مادری زبان ہے۔ وہ میری اسلام سے قربت دیکھ کر متاثر ہوئے۔ جب مجھ سے انہوں نے سوال کیا کہ میں مسلمان کیوں نہیں ہو جاتا تو میں نے جواب دیا:

''ہاں میں ایسا کر لوں گا''۔

انہیں حیرت ہوئی اور کہنے لگے کہ میں خوب اچھی طرح سوچ لوں۔

بلاشبہ اب حیران ہونے کی میری باری تھی کیونکہ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھے فوراً کلمہ شہادت پڑھنے کو کہیں گے جو درحقیقت میں دل ہی دل میں پڑھ چکا تھا۔

میری عمر 21 سال تھی جب باقاعدہ طور پر میرے قبولِ اسلام کا اندراج ہوا۔ ایک بزرگ عرب دوست نے ایک پاکستانی کے گھر میں ضیافت دی۔ اس وقت تک میں سیکھ چکا تھا کہ فرض نمازیں کس طرح ادا کی جاتی ہیں۔ اب میں چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے عربی زبان سیکھ لوں کیونکہ قرآن اسی زبان میں نازل ہوا ہے۔ میرے لئے یہ امر پریشان کن تھا کہ میں قرآن پڑھوں تو عربی میں سمجھ نہ سکوں کہ اصل معانی کیا ہیں۔ اس ضمن میں جتنی کوشش ممکن تھی میں نے کی اور الحمدللہ خاصی حد تک کامیاب رہا۔

ابھی تک گھر والوں کو میرے اسلام لانے کا علم نہیں تھا۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ میں اسلام قبول کر سکتا ہوں۔ گو یہ بات ان کے علم میں تھی کہ میں اسلام کے متعلق تجسس

رکھتا ہوں۔ مجھے پیشکش کی گئی کہ میں اپنے چچا کے کاروبار میں ہاتھ بٹاؤں جو ''بعلاوی'' مسجد کے قریب ہی تھا۔ چچا نے اس علاقے میں ہی ایک عمارت کی مرمت کا ٹھیکہ لیا ہوا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ کی طرف سے مجھے اسلام پر آزادی سے عمل کرنے کا یہ موقع عطا ہوا تھا۔ میں نماز پڑھنے مسجد چلا جاتا جہاں پر مجھے ایک دوست نے پہچان لیا اور میرا تعارف مسجد کے امام حبیب سید حسن العطس سے کرایا جو میرے پہلے استاذ رہبر اور ہمراز دوست بن گئے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ انہوں نے پہلی ملاقات پر ہی مجھے چند کتابیں دیں جن میں علامہ عبداللہ یوسف علی کا انگریزی میں ترجمہ قرآن بھی تھا۔ تب سے میری وابستگی پختہ تر ہوگئی۔

کچھ عرصہ بعد میرے والدین ''کام کی جگہ'' پر آکر میرے پاس دیر تک ٹھہرنے لگے۔ ان حالات میں مجھے نماز کے لئے ایک اور فلور پر جانا پڑتا جہاں اس دوران میں ایک آسٹریلوی خاتون بھی آجاتی۔ ایک دن اس نے حیرت زدہ ہوکر میرے والد سے پوچھا: ''کیا سکھ بھی مسلمانوں کی طرح نماز ادا کرتے ہیں؟''۔ اس روز پہلی دفعہ میرے والدین نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا میں نے اسلام قبول کرلیا ہے؟ میں نے ان کے سوال کو ٹال دیا۔ مگر انہیں شک ہو گیا جو ہر گزرتے دن کے ساتھ پختہ ہوتا گیا اور بالآخر یہ حقیقت ان پر آشکارا ہو ہی گئی۔ پھر بھی وہ امید کرتے رہے کہ میں شاید اسلام کی طرف تھوڑا راغب ہوا ہوں، مسلمان نہیں ہوا۔ مجھے وہ وقت اچھی طرح یاد ہے جب والد نے مجھے متنبہ کیا کہ اگر میں واقعی مسلمان ہوگیا تو خاندان میں بدنامی ہوگی۔

والدین کی تفتیش وسوالات کے جواب میں، میں نے کہا کہ ایسا نہیں ہے کہ میں نے کوئی جذباتی فیصلہ کیا ہو بلکہ میں نے مختلف مذاہب کے طویل مطالعے کے بعد اسلام کو صحیح اور سچا مذہب پایا ہے۔ اور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ میری اپنے مذہب سے لاعلمی کی وجہ سے ہوا ہے تو ہم بیٹھ کر تفصیلی گفتگو کرلیتے ہیں تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے اور مجھے معلوم ہو جائے کہ میں نے کہاں غلطی کی ہے۔ نیز مجھے بھی یہ وضاحت کرنے کا موقع مل جائے کہ میں نے اسلام کا انتخاب کیوں کیا ہے۔ پھر اگر ثابت ہو گیا کہ میں غلطی پر ہوں تو اسلام چھوڑ دوں گا لیکن اگر میں غلطی پر نہ ہوا تو آپ سے صرف اتنی درخواست ہے کہ مجھے

بطور مسلمان کے تسلیم کرلیں۔ یہ پہلی اور آخری گفتگو تھی جو میرے اور والدین کے درمیان ہوئی۔ اس کے بعد بھی والدہ یہ آس لگائے رہیں کہ شاید میں اسلام ترک کردوں۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرا ایمان مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا اور میں علانیہ اپنے دین پر عمل کرنے لگا۔ مسجد میں پہلے سے زیادہ فعال ہوگیا اور عربی سیکھنا شروع کردی۔ میں ذہنی طور پر تیار ہوگیا کہ اگر کوئی ناشدنی ہوئی تو مجھے مسجد ہی کا رخ کرنا ہوگا۔ رفتہ رفتہ میرے اردگرد کا ماحول بہتر ہونے لگا۔ 1986ء میں مجھے رابطہ عالم اسلامی کے مہمان کے طور پر حج کے لئے مدعو کیا گیا جس میں ایک اور نومسلم بھائی میرے ہمراہ تھے۔ ان دنوں میں کسی یونیورسٹی میں داخلے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا جہاں عربی اور اسلامی تعلیمات سیکھ سکوں۔ انڈیانا یونیورسٹی میں داخلے کی پیشکش ہوئی جہاں مجھے اسلامیات' عربی' عبرانی اور اسلامی تاریخ و ثقافت پڑھنا تھی مگر مالی اور کچھ دیگر وجوہات کی بناء پر اس کورس میں شرکت نہ کرسکا۔ حج کے دوران میں میری ملاقات بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد سے ہوئی جنھوں نے اپنی یونیورسٹی سے متعارف کرایا اور میں نے اس یونیورسٹی کا انتخاب کرلیا۔ بعد میں اپنی علمی جستجو میں جامعہ الازہر مصر چلا گیا۔ جب میری واپسی ہوئی تو میرے والد ہسپتال میں داخل تھے۔ انہیں سرطان کا مرض لاحق ہوگیا تھا جو ان کی موت پر منتج ہوا۔

آخر میں اپنے نومسلم بھائی بہنوں سے عرض کروں گا کہ اگر آپ نے اسلام قبول کیا ہے تو اللہ آپ کی مشکلات کو ضرور آسان کردے گا' آپ اخلاص سے فقط اس کی رضا جوئی کریں اور کسی اور جانب نہ دیکھیں، وہی آپ کے حالات کو سازگار بنا دینے والا حقیقی کارساز ہے۔

اگر آپ کی خواہش ہے کہ آپ کے اہل خاندان اور دوست احباب بھی اسلام قبول کرلیں تو انہیں دعوت دیتے رہئے لیکن یہ ہرگز فراموش نہ کیجئے کہ ہدایت دینا صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کو بے دینوں کی ناپسندیدگی اور نفرت کا سامنا کرنا پڑے گا مگر یہ تو ازل سے حق و باطل میں جاری جنگ کی روایت ہے' کوئی نئی بات نہیں۔

(بشکریہ: مسلم ریڈر' سنگاپور - ترجمہ: طارق انیس)

قرآن کے مطالعہ نے میرا دل اسلام کیلئے کھول دیا

کیتھولک تحریک کی خاتون رکن اریکا کا قبولِ اسلام

سوال: آپ کے اسلام قبول کرنے کے کیا اسباب ہیں؟

جواب: میں اپنے شہر میں مسیحی کیتھولک تحریک کی ممبر تھی، میرا مشغلہ بچوں کی تعلیم تھا، میں ان کو دین مسیح کی تعلیم دیتی تھی، اس وجہ سے دین کے سلسلہ میں اپنے مذہب پر سختی سے عامل تھی اور اس کی تعلیمات سے وابستہ ہونے کی وجہ سے مجھے بعض اوقات ایسے سوالوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا جن کا جواب مجھے خود اپنے نزدیک تشفی بخش نہیں معلوم ہوتا تھا۔ عقیدہ کے بارے میں بھی میرے اندر سوالات اٹھتے تھے جن کے بارے میں اپنے آپ کو مطمئن نہ کر سکتی تھی ۔ مجھے یہ بات عجیب لگتی تھی کہ مسیح بشر بھی ہیں اور خدا بھی اور خدا ایک بھی ہے اور تین بھی؟ ہماری طرف سے ہمیشہ اس کا جواب یہی ہوتا تھا کہ بغیر بحث و مباحثہ کے اس امر پر تمہارا ایمان لانا ضروری ہے۔

پھر ہمیشہ میں کلیسا کی دعا کے طریقہ سے غیر مطمئن رہی، ہم واسطہ سے دعا کرتے ہیں حقیقتاً اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتے۔

سوال: کیا یہی وہ امور تھے جنہوں نے آپ کو دوسرے دین کی تلاش و جستجو پر آمادہ کیا؟

جواب: جب بھی میں نے غور و فکر کیا تو مجھے تحقیق کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ایک دن طلبہ کے سامنے ہی میں ان شکلوں اور مورتیوں کا جو ہمارے یہاں رائج ہیں انکار کر بیٹھی۔ میں

نے کہا کہ ہم ان مورتیوں کی عبادت کرتے ہیں جبکہ ہمیں تو صرف خدا کی عبادت کرنی چاہئے' میرے اس جواب پر کلیسا کے ذمہ دار ناراض ہونے لگے۔

سوال: پھر آپ نے تعلیم کیوں چھوڑ دی؟

جواب: میرے اندر شکوک وشبہات میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہ میرا حق تھا کہ میں عقل کا استعمال کروں عقلمندی سے اور دانشمندی سے کام لوں اور خوب غور وفکر کرلوں۔ اس سے مجھے کوئی روک نہیں سکتا' کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ مجھے غور کرنے سے روکے۔ کلیسا میں لوگوں نے مجھ سے کہا' ہمارے یہاں دین میں جبر واکراہ نہیں اور انہوں نے میری آزادی فکر کا احترام کیا۔

سوال: اسلام سے آپ کو کیا واقفیت حاصل ہوئی؟

جواب: تعلیم ترک کرنے کے بعد مسلسل میں پریشانی میں مبتلا رہی۔ آخر کار تیونس کے ایک شخص سے میری ملاقات ہوئی اور وہی بعد میں میرے شوہر ہوئے۔ انہوں نے مجھے اطالوی زبان میں قرآن کا ترجمہ دیا اور بعض کتابیں جو اسلام سے متعلق تھیں مجھے دیں۔ میں نے اسلام کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔

سوال: یہ کس سن کی بات ہے؟

جواب: یہ 1993ء کی بات ہے۔

سوال: قرآن میں آپ نے کیا پایا' کیا محسوس کیا؟

جواب: صحیح توحید اور الہ واحد کا تصور جس کی مجھے تلاش تھی اور عبادت کا طریقہ کہ کیسے ہمیں ایک رب کی عبادت کرنی چاہئے۔ ہمیں یہ سب قرآن میں مل گیا۔ میں نے قرآن کا گہرائی سے مطالعہ کیا یہاں تک کہ میرا دل اسلام کیلئے منشرح ہوگیا اور بالآخر میں نے 27 سال کی عمر میں 11 ستمبر 1998ء کو اپنے آبائی وطن اٹلی میں اسلام قبول کر لیا۔ اسلام سے پہلے میرا نام اریکا تھا۔ اور اسلام کے بعد میرا نام عائشہ رکھا گیا۔

سوال: کیا آپ تیونسی شخص سے شادی کرنے کیلئے اسلام میں داخل ہوئیں؟

جواب: ہرگز نہیں' بلکہ میں نے ایک مسلمان سے اسلام لانے کی وجہ سے شادی کی ہے نہ

کہ اس کے برعکس۔ اسلام سے واقفیت پیدا کرنے کے سلسلہ میں میرے شوہر نے میری مدد کی۔ اس دین کو سمجھنے میں مجھے اپنے مطالعہ پر اعتماد ہے اور تمام تعریفیں اللہ رب العزت کیلئے ہیں جس نے اسلام کو مجھ پر منکشف کیا اور مجھے ہدایت سے سرفراز فرمایا۔

سوال: آپ نے قرآن میں عورت کے بارے میں کیا پایا؟

جواب: میں نے قرآن میں عورت کا بہت زیادہ احترام پایا۔ قرآن نے عورت کو نہایت بلند مقام عطا کیا ہے اور قرآن نے عورت کو معاشرہ میں ایک بڑا کردار دیا ہے اور اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں اس کو قائدانہ اور مربیانہ رول عطا کیا ہے اور خاندان کی تشکیل میں اس کو مرد کا شریک کار بنایا ہے۔

سوال: کیا آپ کے نزدیک موجودہ دور میں عورت کو قیادت کا کردار حاصل نہیں ہے؟

جواب: ہمارے نزدیک عورت کا کردار معطل ہو کر رہ گیا ہے' مغربی معاشرہ عورت کو صرف ایک زاویہ سے دیکھتا ہے اور وہ زاویہ یہ ہے کہ وہ خاندان کی اقتصادی حالت کی درستگی کیلئے کام کرے۔ جہاں تک اس کے اپنی اولاد کی تربیت کے کردار کا تعلق ہے تو وہ فوت ہو چکا ہے' تمام دن وہ گھر سے غائب رہتی ہے اور معاشرہ کی تشکیل میں اس کا کوئی کردار نہیں ہے' اس کی ذمہ داری صرف اقتصادی ہے۔

سوال: تیونس میں آپ نے مسلمان عورت کو کیسا پایا؟

جواب: مجھ کو مسلمان عورتوں کی حالت پر افسوس ہے' وہ اسلام اور قرآن کی تعلیمات پر عامل نہیں ہیں۔ انہوں نے قرآن کے احکام کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ قرآن کے احکام پر بحث و مباحثہ کی گنجائش نہیں۔ جہاں تک عورت کی آزادی (آزادیٔ نسواں) کے تصور کا سوال ہے کہ وہ برہنہ نکلے تو میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ میں کہتی ہوں کہ عورت کی آزادی خدا کی بتائی ہوئی تعلیمات میں ہے۔ اگر معاشرہ اپنے آپ کو قرآن کے مطابق ڈھال لے تو عورتوں کی زندگیاں زیادہ بابرکت ہو جائیں گی اور عورتوں کے حالات سدھر جائیں گے۔

سوال: آپ نے ان لوگوں (تیونسی معاشرہ) کو اسلام کے خلاف عمل کرتے ہوئے دیکھا لیکن پھر بھی اسلام ایک عظیم مذہب کے طور پر آپ کے دل میں باقی رہا؟

جواب: اس میں اسلام کا کیا قصور ہے۔ مثلاً میرا شوہر میرے ساتھ کوئی زیادتی کرے تو اس سے اسلام کا کیا تعلق، یہ اس کی غلطی ہے، دین کی تعلیمات کھلی ہوئی اور واضح ہیں اور قرآن کی تعلیمات بھی واضح ہیں۔ ہم فرشتوں جیسے نہیں ہیں کہ ہم غلطی نہ کریں لیکن ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہماری یہ کوشش رہے کہ ہم سے بڑی غلطیاں نہ سرزد ہوں۔

سوال: اسلامی دعوت کے سلسلہ میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا آپ اٹلی والوں کو قرآن کی تعلیم کی دعوت دیں گی؟

جواب: میں لوگوں کو خاص طور سے اٹلی والوں کو بغیر کسی بحث و مباحثہ کے اسلام کی دعوت دوں گی، اس لئے کہ وہ میرے اس اسلامی لباس کو دیکھتے ہیں جس پر مجھے فخر ہے اور جسے میں باعزت سمجھتی ہوں۔ وہ میرے لباس پر تعجب کرتے ہیں اور مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تم ایسا لباس کیوں پہنتی ہو، تم نے اپنا لباس کیوں بدلا۔ اسلام کیسا مذہب ہے۔ میں کسی بھی شخص کو قرآن دینے سے اس لئے خوف محسوس کرتی ہوں کہ کہیں وہ قرآن کے ساتھ بے ادبی کا معاملہ نہ کرے۔ جس وقت مجھے یقین ہو جائے گا کہ وہ (قرآن کے ذریعہ) اسلام سے واقفیت حاصل کریں گے تو میں ان کو قرآن تحفہ میں دوں گی۔ میں ایک نوجوان لڑکی سے ملی جس کو میں پہلے عیسائیت کی تعلیم دیتی تھی، اس نے مجھ سے سوال کیا' یہ نیا دین کیا ہے؟ اس سے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مغرب نے اپنی قوم کو اسلام سے کس قدر دور کر رکھا ہے کہ اسلام کی واقفیت ہی نہیں ہے، پھر اس میں خود مسلمان داعیوں کیلئے بھی لمحہ فکر یہ ہے کہ انہوں نے دعوت اسلامی کے کام میں نہایت کوتاہی برتی ہے ورنہ اسلام ایسا دین ہے کہ اگر اسلامی دعوت کا کام صحیح طریقہ سے انجام دیا ہوتا تو اسلام سارے عالم میں پھیلا ہوا ہوتا۔ میں نے اس لڑکی سے کہا کہ میں نے کائنات کے سلسلہ کے تمام سوالوں کے جوابات قرآن سے حاصل کئے ہیں اور میں تم کو قرآن کے سلسلہ میں گفتگو کرنے کی دعوت دیتی ہوں چنانچہ ہماری گفتگو مسلسل جاری رہی اور وہ اسلام سے بہت قریب ہوگئی۔

سوال: میں نے آخری سوال کیا کہ بہن عائشہ کیا آپ مسلمانوں کو کچھ نصیحت کریں گی؟

جواب: میں ہر مسلمان عورت کو پسند کرتی ہوں جس کو اپنے دین پر فخر ہو اور جو معبود کے

حکموں کو سختی سے پکڑے ہوئے ہو۔ اور مسلمان عورتوں کو پیغام دیتی ہوں کہ اے مسلمان عورتو! تم ضائع نہ ہو' قرآن کریم کی صورت میں جو چیز تمہارے سامنے اور تمہارے پاس ہے اگر یورپین عورتیں اور نوجوان لڑکیاں تمہارے پاس موجود اس خزانہ سے واقف ہو جائیں تو وہ تم سے اس کو لینے کیلئے جنگ پر آمادہ ہو جائیں گی۔ (ترجمہ: مسعود حسن حسنی)

(بشکریہ: ماہنامہ بیدار ڈائجسٹ شمارہ اگست 1999ء)

قرآن کے مطالعہ سے پہلے......!

ان سائنسی خیالات نے جو قرآن کے ساتھ زیادہ خصوصیت رکھتے ہیں شروع میں مجھے بے انتہا محو حیرت کر دیا۔ اس وقت تک میں نے یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ ایسی تحریر میں جو تیرہ صدیوں سے زیادہ عرصہ پہلے مرتب ہوئی تھی اور جس میں انتہائی مختلف النوع مضامین بیان ہوئے ہیں' میرے لئے یہ ممکن ہو گا کہ میں اتنے بہت سے بیانات ڈھونڈ نکالوں گا اور وہ سب جدید سائنسی معلومات سے کلی طور پر ہم آہنگ ہوں گے۔ شروع میں میرا اسلام پر کوئی عقیدہ نہیں تھا۔ میں نے ان متون کا کھلے دل و دماغ سے اور کلیۃً معروضی طریقہ پر جائزہ لینا شروع کیا۔ اگر میرے ذہن پر اس وقت کوئی چیز اثر انداز تھی بھی تو وہ' وہ باتیں تھیں جو نوعمری میں مجھے بتائی گئی تھیں۔ لوگ اس وقت مسلمانوں کے متعلق نہیں بلکہ محمڈنز (محمدیوں) کے بارے میں گفتگو کرتے تھے جو اس بات کی تصریح کرنے کے لئے ہوتا تھا کہ اس سے ایک ایسا مذہب مراد ہے جس کی بنیاد ایک انسان کے ہاتھوں رکھی گئی اور خدا کے اعتبار سے اس کی کوئی قدر نہیں ہے۔ مغرب کے بہت سے لوگوں کی طرح میں خود بھی اسلام کے بارے میں ویسے ہی تصورات قائم کر سکتا تھا۔ آج کل یہ خیالات اس قدر عام ہیں کہ میں درحقیقت بھونچکا رہ جاتا ہوں جب کسی ماہر خصوصی کے علاوہ میری کسی اور ایسے شخص سے ملاقات ہو جاتی ہے جو اس موضوع پر روشن خیالی کے ساتھ گفتگو کر لیتا ہے۔ لہٰذا میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ اس واقعہ سے پہلے کہ جب مجھے اسلام کے بارے میں اس سے مختلف نظریہ معلوم ہوا جو میں نے مغربی ذرائع سے حاصل کیا تھا میں خود اس بارے میں انتہائی درجہ میں ناواقف تھا۔ (موریس بوکائے کی کتاب "بائبل' قرآن اور سائنس" سے)

سیتی ماریہ لیمن

انگریز نژاد سیتی ماریہ لیمن عبداللہ بطور لیکچرر کولمین کریٹیو ڈیزائن میں کام کر رہی ہیں اور انہوں نے فروری 1999ء میں اسلام قبول کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اسلام انسان کے اندر ضبط نفس کو پروان چڑھاتا ہے۔ وہ اپنے سفرِ اسلام کی روداد یوں بیان کرتی ہیں:

1996ء میں اگر میری ملاقات ذول (Zol) (غالبًا ذوالقرنین یا ذوالفقار یا اسی طرح کا کوئی دوسرا نام۔ مترجم) سے نہ ہوتی جو کہ اب میرے شوہر ہیں تو شاید میں اسلام یا مسلمان ہونے کے بارے میں کبھی نہ سوچتی' کیونکہ اب تک جو کچھ میں نے اسلام کے بارے میں سنا تھا وہ اسلامی بنیاد پرست تحریکوں اور صدام حسین کے حوالے سے تھا اور یہ کہ مسلم عورت سر سے لے کر پاؤں تک کالی چادر میں لپٹی ہوتی ہے۔

میری پیدائش ساؤتھ ایمپٹن انگلینڈ میں ہوئی اور میرا نام راشیل میری لیمن رکھا گیا تھا۔ مجھ سے چھوٹی ایک بہن اور ایک بھائی ہے۔ زندگی کے سترہ ابتدائی سالوں تک میں کسی اور جگہ نہ گئی۔ میں کیتھولک تھی اور ہر اتوار کو چرچ جایا کرتی تھی بلکہ یوں کہئے کہ میرے نزدیک مذہب ساتویں روز چرچ کے دورے سے بڑھ کر کچھ نہ تھا۔

اس کے بعد میرے والد نے تین سال تک اٹلی میں قیام کیا۔ میں اس دوران میں ایک سال ان کے ہمراہ رہی' پھر ڈیزائن کورس میں ڈپلومہ حاصل کرنے انگلستان واپس چلی گئی۔

بعدازاں میرے والد کا تبادلہ سنگاپور ہوگیا اور میں زیر تعلیم ہونے کے سبب آئندہ تین

سالوں میں چند ہی دن ان کے ساتھ رہ سکی۔ تاہم گریجوایشن کے بعد میں نے کام کی تلاش میں سنگاپور چلے جانے کا فیصلہ کیا۔

ایک مشترکہ دوست نے میرا تعارف ذول سے کروایا۔ ان دنوں کسی دوست کی نسبت میں کسی روزگار کے حصول کے لئے زیادہ فکرمند تھی۔ کچھ عرصے بعد دونوں ہی مجھے مل گئے' ملازمت بھی اور شوہر بھی' ایک عمدہ مجموعہ۔

چونکہ میری پرورش کیتھولک چرچ کے ماحول میں ہوئی تھی اس لئے میں نے کبھی کسی دوسرے مذہب کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔ کیتھولک عقیدہ بھی مجھے والدین سے ورثے میں ملا تھا۔ تاہم مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میرے ذہن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کے بیٹے یا بطور خدا کے کبھی قبول نہیں کیا تھا۔ وہ یقیناً ایک خاص ہستی تھے لیکن بہرحال ایک انسان ہی تھے۔

ذول نے مجھے اسلام سے متعارف کرایا مگر میرے اوپر کچھ ٹھونسنے کی کوشش نہیں کی۔ میں اسلام کے بارے میں مزید جاننا چاہتی تھی۔ چنانچہ والدین کے علم میں لائے بغیر میں' نے دارارقم (نو مسلموں کے لئے سنگاپور میں ادارہ) کی اتوار کلاسوں میں جانا شروع کردیا۔ یہ کلاسیں فنگ جیک شاہراہ پر منعقد ہوتی تھیں۔ میں اسلام کو قریب سے جاننے اور اس کے بارے میں کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتی تھی' قبل اس کے کہ والد کے سامنے اپنے ارادوں کا اظہار کروں۔ گھر میں بڑی اولاد ہونے کے سبب میں والد کی آنکھوں کا تارا تھی' میں انہیں پریشان کرنا یا ان سے جھگڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لئے میرے خیال میں انہیں کچھ بتانا ابھی قبل از وقت تھا۔ حیرت کی بات تو یہ ہوئی کہ جب میں نے اسلام قبول کرلیا تو بھی میرے والدین نے اس کا برا نہ مانا۔ غالباً اس لئے کہ یہاں آکر اور مسلمانوں سے مل کر انہیں مغربی تعصب سے نجات مل گئی تھی۔

میں اسلام کے بارے میں ابتدائی فہم کا پہلا کورس جاری نہ رکھ سکی کیونکہ میں صحیح طور پر اس پر توجہ نہ دے پا رہی تھی۔ دراصل میرے نزدیک دیے جانے والے اسباق کی رفتار زیادہ تھی۔ لیکن بعد میں جب دارارقم ''دی گلیکسی'' کے مقام پر منتقل ہوگیا تو میں نے دوبارہ اسباق لینا شروع کردیئے۔ اس مرتبہ میری چھوٹی بہن بھی حوصلہ افزائی کے لئے میرا ساتھ

دے رہی تھی۔ میں نے کورس مکمل کرلیا اور فروری 1999ء میں مجھے مسلم کے طور پر رجسٹر کرلیا گیا۔ اگلے ہی ماہ میری شادی ہوگئی۔

سنگاپور میں رہائش اور ذول کے کنبے سے ملنا' میرے مسلمان ہونے کے ارادوں کومضبوط بنانے میں بڑا ممد ومعاون ثابت ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ماحول انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ انگلینڈ کے ایک چھوٹے سے قصبے میں جہاں سے ہمارا تعلق تھا' اسلام کے حوالے سے کچھ اچھا تاثر قائم نہ تھا۔ وہاں اسلام کے بارے میں کم اور اسلامی بنیاد پرست تحریکوں کی بازگشت زیادہ سنائی دیتی تھی۔ سنگاپور میں اسلامی زندگی اختیار کرنا اور یہاں کی مسلم کمیونٹی میں جذب ہوجانا خاصا آسان ثابت ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ ملائی مسلمان بہت دوستانہ رویے کے حامل ہیں۔

اسلام کی طرف بالخصوص جس چیز نے مجھے راغب کیا وہ اس کا خاندان اور کنبے کی اہمیت پرزور دینا ہے۔ ان دنوں مغرب میں خاندان کا نظام کئی طرح کے مسائل کا شکار ہے۔ اگر چہ میں مسلمان ہوں پھر بھی اپنے میکے اور اپنے خاندان سے گہرے تعلقات رکھتی ہوں' مذہب اس ضمن میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کرتا۔

اسلام نظم وضبط کا مذہب ہے۔ دن میں پانچ دفعہ نماز کا ادا کرنا مجھے اپنے خالق کی طرف متوجہ کرتا ہے اور غور وفکر پر اکساتا ہے۔ بعض اوقات جب ہم مصروف رہتے ہیں تو وقت کو فراموش کردیتے ہیں۔ مگر پانچ دفعہ دن میں نماز کا اہتمام ہمیں وقت کی اہمیت کا احساس دلاتا ہے۔ اس طرح مجھے ہمہ وقت اللہ یاد رہتا ہے۔

ہاں ایک بات میں ضرور کہوں گی کہ میں مسلمان ہوں نا کہ ملائی باشندہ۔ یہاں پر لوگ مسلمان ہونے کو ملائی قوم سے تعلق ہونے کے مترادف قرار دیتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ صحیح نہیں کیونکہ اسلام ایک مذہب ہے جبکہ ملائی ایک نسل۔ میں بہرحال' انگریز شخصیت کی حامل ہوں اور میری کئی روایات ملائی کلچر سے مختلف ہیں اور مجھے امید ہے کہ میرا ملائی خاندان اور دوست اس بات کا ضرور ادراک کریں گے۔

(ترجمہ: طارق انیس' بشکریہ: ماہنامہ دعوۃ)

******
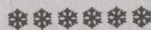
ہندو ڈاکٹر سے مبلغ اسلام بننے تک

بھارت کے ڈاکٹر محمد احمد کی داستان

بھارت، (دہلی) سے آئے ہوئے ہفت روزہ اور ماہوار ''کانتی'' یعنی تجلی (ہندی) رسالے کے چیف ایڈیٹر ڈاکٹر محمد احمد سے مکہ مکرمہ میں ملاقات ہوئی۔ یہ ایک نومسلم ہیں جن کی تاریخ پیدائش 1963ء ہے۔ انہوں نے بتایا کہ پہلے وہ کائستھ (ہندو) تھے۔ اسلامی لٹریچر قبولِ اسلام میں بڑا محرک بنا۔ 1984ء میں وہ اسلام سے متعارف ہوئے اور 1988ء میں باقاعدہ مسلمان ہو کر خود بھی دعوت کے کام میں لگ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ ابتدائی طور پر اسلام کی تین باتوں نے انہیں بہت متاثر کیا۔

☆ تصورِ توحید

ہندو دھرم میں 33 کروڑ دیوتا ہیں جن کی پوجا کی جاتی ہے جن میں تین خاص ہیں: (i) برہما (خالق) (ii) وشنو (رازق) (iii) شنکر (تباہی کا دیوتا)۔ لیکن جب کائنات کی ہم آہنگی پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایک طاقت ہے جو ہر شئے کو ایک تسلسل اور مربوط نظام کے مطابق چلا رہی ہے اور اس سارے نظام میں کوئی رخنہ یا تعطل واقع نہیں ہوتا۔ قوانین فطرت کی پختگی اور پائیداری کے سہارے ہی انسان چاند اور مریخ کا لاکھوں، کروڑوں میل کا فاصلہ کتنے یقین واعتماد کے ساتھ طے کرتا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ

ایسی لاتعداد مثالیں اور ہیں جن کو یہاں پیش کرنا دشوار ہے۔

☆ تصور آخرت

ہندو دھرم کے مطابق انسان مرنے کے بعد 84 لاکھ قالبوں میں تبدیل ہو جاتا ہے، لیکن اسلام کا تصور آخرت یہ ہے کہ انسان نے جو کچھ اس زندگی میں کیا ہے اس کے نتائج اس کو لامحالہ بھگتنا ہوں گے، جیسا کہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''کیا ہم مسلم اور مجرم دونوں کو ایک سطح پر رکھیں گے، تمہیں کیا ہو گیا ہے، کیسا فیصلہ کرتے ہو؟'' (سورۃ قلم)

انہوں نے بتایا کہ مجھے اس تصور اور عقیدہ کا پورا یقین ہو گیا کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان جو کچھ کرے اس کا محاسبہ نہ ہو یعنی نیکی اور بدی دونوں برابر ہوں۔

☆ اسلامی مساوات

محمد احمد صاحب نے بتایا کہ سب جانتے ہیں کہ ہندوؤں میں ایک چیز بڑی ہی پیچیدہ اور مستحکم ہے، اور وہ ہے ذات پات کی قوت کا نظام۔ایک ہی مذہب کے لوگ لیکن کچھ بالاتر اور کچھ ایسے جو اپنی ہی عبادت گاہوں (مندروں) میں داخل تک نہیں ہو سکتے۔اس پر ستم یہ کہ اس نظام کو مذہب کی سند حاصل ہے۔انہوں نے کہا کہ میں نسلاً کائستھ تھا جو اعلیٰ ذات سے تعلق رکھتے ہیں لیکن مجھے یہ بات پسند نہ تھی۔ مجھے اسلام کی یہ بات کہ ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

بہت اچھی اور معقول لگی۔ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب، ایک مسجد، ایک امام یہ ایسی باتیں ہیں جن سے ایک مثالی معاشرہ بن سکتا ہے۔

انہوں نے بتایا کہ ان کی اہلیہ بھی الحمدللہ مسلمان ہو گئی ہیں اور دعوت کے کام میں ان کے ساتھ ہیں۔محمد احمد صاحب نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ ہم لوگوں کے مسلمان ہونے کے بعد اکثر بی۔جے۔پی والوں کے فون آتے ہیں، وہ ڈراتے دھمکاتے ہیں اور کئی طریقوں سے پوچھتے ہیں کہ کتنا مال ملا ہے۔ میں جواب میں کہتا ہوں کہ آکر دیکھ لو کتنا مال

ملا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اسلام سے نرمی سیکھی ہے اور میں اسی نرمی، اخلاق، ضبط وتحمل سے ان کو متاثر کرتا ہوں۔ خصوصاً دعوت کے کام میں اخلاق اور صبر سے کام لینا بہت ضروری ہوتا ہے۔ میں نے الحمدللہ اپنے سسرال والوں کو بھی اسلام کی دعوت دی ہے جو ہمارے یہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔

ایک دفعہ میں اپنے خاندان کے گورو کو ساتھ لے آیا کہ آپ کی سیوا (خدمت) کرنا چاہتا ہوں۔ وہ نو دن میرے ساتھ رہے، ان کو اسلام پر بہت سی کتابیں بھی دیں۔ اب وہ مجھ سے اور کتابیں مانگتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ ہندی زبان میں اسلامی صحافت سے خاصا فائدہ ہو رہا ہے۔ اسلام کی دعوت کا کام عام آدمی تک پہنچانا ہمارا فرض ہے لیکن ہمارے پاس وسائل کی بہت تنگی ہے۔ قرآن کا ہندی ترجمہ ہم دو آدمیوں نے مل کر "پوتر قرآن" کے نام سے دوبارہ کیا ہے۔ اصل میں پہلے کے ترجمے مسلمانوں کے لئے تھے لیکن اب کا ترجمہ ہندوؤں کی ذہنیت اور ان کے اشکال کا خیال رکھتے ہوئے کیا گیا ہے۔ جن کو پوتر قرآن دیتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں کوئی انمول چیز مل گئی ہے، لیکن وہی وسائل کی عدم دستیابی کی بنا پر ہم ان تک اللہ کا پیغام کما حقہ نہیں پہنچا سکے ہیں۔

کشمیر کے متعلق سوال پر انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ بھارت اور پاکستان کو اسے جلد سلجھانا چاہئے وہاں کے لوگ بہت پریشان ہو چکے ہیں، اب یہ بہت نازک معاملہ ہو گیا ہے۔

مسائل

محمد احمد صاحب نے کہا کہ ویسے تو بھارت میں سب کے لئے ہی مسائل ہیں لیکن مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لئے حکومت کی طرف سے کوئی قدم نہیں اُٹھایا جاتا۔ حال یہ ہے کہ جو ہندو دھرم کی بات کرے اور وکالت کرے وہ ہی قومی دھارے میں سمجھا جاتا ہے۔ دیگر عمومی مسائل کی طرف بھی نشان دہی کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ:

(1) مسلمانوں میں لیڈرشپ کا بڑا فقدان ہے۔(2) مسلمانوں کا تشخص بری طرح مجروح ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کی تمام تاریخی جگہوں کے نام تبدیل کئے جارہے ہیں۔ (3) بندے ماترم یعنی بھارت ماتا کہنا، اسکول کے تمام مسلمان اور غیر ہندو بچوں کے لئے بھی لازمی قرار دیا جارہا ہے۔(4) آئین میں تبدیلی کی کوشش ہو رہی ہے تا کہ غیر ہندوؤں کو دوسرے درجے کا شہری قرار دیا جاسکے۔(5) آرڈیننس لانے کی کوشش ہو رہی ہے تا کہ کوئی اپنا دھرم تبدیل نہ کر سکے۔(6) ٹاڈا کا قانون ختم ہوا لیکن جو مسلمان اس کے تحت جیل گئے وہ ابھی تک رہا نہ ہو سکے۔(7) مسلمانوں کو کسی بھی معاملے میں پاکستان کی آئی ایس آئی کا ایجنٹ قرار دے کر جیل بھیج دیا جاتا ہے۔(8) دھماکہ خیز اشیاء پر سزائے موت کا قانون لایا جارہا ہے جس کا ہدف مسلمان ہوں گے۔(9) اسپین میں مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا جارہا ہے تا کہ وہاں جیسے حالات پیدا کر کے بھارت سے مسلمانوں کا صفایا کیا جاسکے۔ (10) کامن سول کوڈ بنانے کی کوشش ہو رہی ہے تا کہ ہندوستان کے قوانین نافذ کر کے شرعی قوانین منسوخ کئے جاسکیں۔(11) ذرائع ابلاغ میں بی۔جے۔پی کے آدمی لائے جارہے ہیں تا کہ اسلام اور مسلمانوں کی غلط تصویر پیش کی جاسکے۔

ڈاکٹر محمد احمد نے روشن پہلو کی طرف بھی اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ بہت ساری ہندو سیاسی پارٹیوں کو مسلمانوں کی ضرورت رہتی ہے جس کی وجہ سے وہ مسلمانوں کی حمایت کرتی ہیں۔ بہت سے ہندو سنجیدگی سے اسلام کو سمجھ رہے ہیں اور اسلام کی طرف آرہے ہیں۔ ہندو خواتین اسلام میں عورتوں کے حقوق سے متاثر ہو کر اکثر مسلمان ہونا چاہتی ہیں، لیکن ہم عملی طور پر مسلمانوں کی کمزور سیاسی اور معاشی حالت کی وجہ سے ان کو تحفظ نہیں دے پاتے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہندی داں طبقے کی بھارت میں تعداد 60۔کروڑ ہے اور ان تک ہندی زبان میں اسلام کی دعوت پہنچانے کی اشد ضرورت ہے۔

(بشکریہ: الفاروق، کراچی شمارہ دسمبر 2000) تحریر: محمد عامل عثمانی مکہ المکرمہ

*****

پہلے میں جہالت کی تاریکیاں بانٹتی تھی
اب دینِ حق کی روشنی پھیلا رہی ہوں

آسٹریلیا کی عیسائی مبلغہ کا قبولِ اسلام

اسلام کے دین فطرت ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ دشمنان اسلام کے سارے پراپیگنڈوں اور سازشوں کے باوجود اس کی مقبولیت بڑھتی جارہی ہے' مختلف طبقات وگروہوں کے تعلیم یافتہ لوگوں کے اسلام قبول کرنے کے واقعات بکثرت پیش آرہے ہیں اور اخبارات میں اس کی تفصیلات شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اخبار العالم الاسلامی مکۃ المکرّمہ کی ایک اشاعت میں ایک آسٹریلوی عیسائی مبلغہ کے اسلام قبول کرنے کی تفصیل شائع ہوئی ہے جو قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

کچھ دنوں پہلے کی بات ہے: ''اوتاولیامز'' کی ایک آسٹریلوی عیسائی خاتون جو عیسائیت کی تبلیغ کے لئے سرگرم عمل تھیں اور اس میدان کی بہت کامیاب مبلغہ مانی جاتی تھیں' عیسائیت کی تبلیغ کرتے کرتے اسلام کی مبلغہ بن گئیں۔ اس زبردست تبدیلی میں ایک معمولی واقعہ کا دخل ہے جس نے ان کی زندگی کے دھارے کو موڑ کر اسلام کی طرف پھیر دیا۔ واقعہ دیکھنے میں تو بڑا سادہ اور معمولی ہے مگر اپنی اثر آفرینی وقوت کے اعتبار سے بڑا ہی نتیجہ خیز اور سبق آموز ہے۔

یہ خاتون ایک مصری انجینئر حسین زید سے عیسائیت کی تبلیغ کے مقصد سے ملنے گئیں، انہوں نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور ان کی آمد پر بڑی بشاشت وانبساط کا مظاہرہ کیا۔ وہ پہلے ان کے اخلاق سے متاثر ہوئیں جس کا ان کو اس سے پہلے تجربہ نہ تھا۔ ادیان کے سلسلہ میں گفتگو شروع ہوئی تو موصوفہ نے عیسائی مذہب کی برتری وفوقیت کے بارے میں بڑی تفصیل سے باتیں کیں اور اسلام کے بارے میں اپنے شبہات اور اعتراضات بیان کئے۔ کچھ دیر کے بعد انجینئر صاحب نے تھوڑی دیر کے لئے اجازت لی اور پھر واپس آ گئے۔ موصوفہ نے ان سے استفسار کیا کہ آپ کہاں گئے تھے۔ اس پر انہوں نے بتایا کہ یہ میری تلاوت کا وقت ہے، اس کے لئے تیاری کرنے گیا تھا۔ طہارت کے بعد وضو کر کے آیا ہوں۔ محترمہ کے لئے طہارت اور وضو انوکھی بات تھی۔ انہوں نے پوچھا کہ تلاوت کے لئے وضو کے کیا معنی؟ انجینئر موصوف نے وضو کی اہمیت و افادیت بتائی اور تلاوت کے لئے اس کی ضرورت۔ انہوں نے کہا کہ پھر تلاوت کیجئے، ہم سنیں گے۔ انہوں نے قرآن مجید کی تلاوت شروع کی۔ تلاوت سنتے ہی خاتون پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی۔ وہ محو ہو کر سننے لگیں۔ تلاوت اور قرآن مجید کے معانی و مطالب کچھ بھی ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا مگر لہجہ اتنا پر کشش اور شیریں تھا اور خشوع وخضوع کی وہ کیفیت تھی کہ اس کی حلاوت ان کے دل میں اثر کر گئی۔ ان کو زندگی میں پہلی بار اس کا تجربہ و احساس ہوا کہ آج انہوں نے خدا کا کلام سنا ہے۔ تلاوت ختم ہونے کے بعد انجینئر صاحب کی بیگم نے تلاوت کردہ سورت کی (حسن اتفاق سے یہ سورہ مریم تھی) تشریح وتوضیح کی اور بڑے دلنشیں پیرائے میں اس کے معانی و مطالب بیان کئے جس کو سن کر آنکھیں نم ہو گئیں۔

اخبار العالم الاسلامی کے سوال پر وہ اپنا قصہ خود بیان کرتی ہیں:۔

جب میرے سامنے سورۂ مریم کی تشریح بیان کی گئی اور اس کے حقائق میرے اوپر منکشف ہوئے تو ایسا محسوس ہوا جیسے کہ میرے ذہن وقلب پر بجلی گر پڑی، بے ساختہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ میں نے کہا کہ یہ سچا کلام ہے اور اسی کیفیت میں اسلام سے متعلق معلومات حاصل کرنے کا شوق مجھے پیدا ہوا۔ میں کتابوں کی ایک طویل فہرست

لے کر روانہ ہوئی۔ وہاں سے واپسی کے بعد میں نے قرآن مجید کا مطالعہ شروع کیا اور رفتہ رفتہ میرے قلب میں نورِ اسلام کی کرنیں داخل ہوتی چلی گئیں۔ میری نشوونما اسلام دشمن ماحول میں ہوئی تھی اور میرا تعلق ایسے گروہ سے تھا جو مومن کہلاتا ہے اور یہ گروہ اپنی اسلام دشمنی اور صہیونیت نوازی میں بہت مشہور ہے۔ یہودیوں کے بارے میں اس کے افکار بڑے جانبدارانہ ہیں۔ اس گروہ کے اندر مسلمانوں' خاص طور پر عربوں سے نفرت اور ان کی دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ گروہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے میدان میں بڑے زوروشور کے ساتھ سرگرم عمل ہے۔

وہ کہتی ہیں کہ میں بھی اسی طرح کے افکار کی علمبردار تھی اور پندرہ سال تک مسلسل بڑی جانفشانی کے ساتھ میں نے مسلمانوں کو عیسائیت کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی اور بہت سے نوجوانوں کو اس کام کے لئے تیار کیا۔

اس میدان میں' میں نے بڑی شہرت حاصل کی اور بڑا نام کمایا۔ میرے بے شمار شاگرد اور تربیت یافتہ افراد مختلف ممالک میں اس مہم کو انجام دے رہے ہیں' لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا' اس لئے اس نے مجھے اسلام کی دولت سے ہمکنار کیا۔ اس سلسلہ میں مطالعہ قرآن نے میری بڑی رہنمائی کی' خاص طور سے میں نے سورۂ مریم کا بڑی گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا' اس مطالعہ سے اسلام' مسلمانوں اور حضرت عیسیٰ ومریم علیہم السلام کی سچی تصویر اور سچے خدوخال سامنے آئے۔

اس کے بعد وہ بتاتی ہیں کہ جب مجھے اسلام سے اطمینان حاصل ہوگیا اور اس کی حقانیت وصداقت کا پورا یقین ہوگیا تو میں نے کلیسا کا رخ کیا اور بغیر کسی خوف وڈر کے بڑے اعتماد کے ساتھ اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ میرا یہ اعلان کلیسا کے راہب وراہبات پر بلکہ عیسائیت کے قلب پر بجلی بن کر گرا' لیکن میں نے کسی کی فکر وپروا نہ کی' مجھے تو اس کا بھی اندیشہ نہیں ہوا کہ میرے گھر والے اس کے بعد میرے ساتھ کیا سلوک وبرتاؤ کریں گے۔ اس اعلان کے بعد پانچ سال تک بڑی لگن وعرق ریزی کے ساتھ میں نے مختلف ادیان ومذاہب کے عقائد کا تقابلی مطالعہ کیا لیکن روز اول سے میرے دل میں اسلام کی جو

محبت جاگزیں ہوگئی تھی بال برابر بھی اس کے اندر کمی نہیں آئی بلکہ روز بروز اسلام کی ابدیت پر یقین مزید مستحکم ہوتا گیا۔ پھر وہ مرحلہ آیا جب میں نے فیصلہ کیا کہ اب مجھے سرکاری طور پر اپنے اسلام کا اعلان کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے سڈنی کے اسلامک سنٹر میں حاضر ہوئی اور وہاں اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ اس کے بعد میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ شرعی علوم اور اسلامی دعوت کے اصول و آداب سے واقفیت حاصل کروں، چنانچہ اس کے لئے مصر جانے کا میں نے پختہ ارادہ کر لیا تاکہ شرعی علوم اور دعوت کے اسلوب و انداز اور اس کے ضوابط سے آگاہی کے بعد اپنے ماضی کی تلافی کرسکوں۔

ان سے پوچھا گیا کہ اسلام سے پہلے اور بعد کی زندگی میں کیا آپ نے کوئی فرق محسوس کیا تو انہوں نے بتایا کہ ہاں ! اتنا ہی فرق جتنا رات اور دن کا محسوس کیا جاتا ہے اور اب الحمدللہ میں بہت مسرور و خوش ہوں۔ اسلام نے مجھے روحانی و قلبی اطمینان و سکون عطا کیا ہے جو دنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا ہے۔

یورپ کی اسلام دشمنی کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ اس نے تعدد ازواج جیسے مسائل کو لے کر اسلام کے خلاف خوب واویلا مچایا لیکن اب خود انہی مغربی ممالک سے اس کی حمایت اور جواز کے بارے میں صدائیں بلند ہو رہی ہیں جیسا کہ جنگ عظیم ثانی کے بعد جرمنی نے اس کی اجازت دیدی تھی۔

ویسے شریعت اسلامیہ نے تعدد ازواج کے بارے میں جو شرطیں اور حدود مقرر کئے ہیں ان کا پورا خیال رکھتے ہوئے ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ تعدد کے دھاگے میں خود کو پرو سکے۔ درحقیقت تعدد ازواج انسانوں کے لئے سعادت و رحمت کا باعث اور معاشرہ کو تباہ کاریوں اور آلائشوں سے محفوظ رکھنے کا ایک خوبصورت فطری حل ہے۔

معاشرے میں عورت کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ کہتی ہیں کہ عورت ہی وہ بنیادی پتھر اور ستون ہے جس پر شوہر کے ایمان، اطاعت، تقویٰ، پرہیز گاری، نیکی و صلاح کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ وہ خیر کے کاموں میں شوہر سے تعاون کرتی ہے، اس کی حوصلہ افزائی اور اس کے اچھے کاموں کی تحسین کرتی ہے۔ زندگی کے دشوار گزار اور پر پیچ مقامات پر

اس کا سہارا بنتی ہے۔ پھر گھر کی تعمیر و تشکیل اور اس کی ترقی میں اس کا پورا دخل ہوتا ہے۔
موجودہ زمانے میں جبکہ ہر طرف غلط افکار کی تند و تیز ہوائیں چل رہی ہیں عورت کی ذمہ داری اس حیثیت سے دو چند ہو جاتی ہے۔ وہ بچوں کی حقیقی اور پہلی معلّمہ و استانی ہوتی ہے اس لئے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود دینی تعلیم اور اسلامی ثقافت کے زیور سے آراستہ ہو' پھر بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے نبھائے تاکہ اس کی آغوش میں پروان چڑھنے والے بچے اسلامی عقائد اور اسلامی زندگی کے سانچے میں پروان چڑھیں۔ اگر وہ اس سے پہلو تہی برتے گی اور تساہل و غفلت سے کام لے گی تو پورا انسانی معاشرہ تباہی کے گڑھے میں گر سکتا ہے۔

عورت کی تزئین و آرائش کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ عورتوں کی تزئین اس وقت صحیح ہے جبکہ شوہر کو خوش کرنے کے لئے ہو لیکن اگر تفاخر کی نیت سے ہو یا ریا و دکھاوا مقصود ہو تو میں نہیں سمجھتی کہ شریعت میں اس کی کوئی گنجائش ہے۔

(تحریر: محمد احمد ندوی - بشکریہ: ماہنامہ ذکریٰ ڈائجسٹ (بھارت) شمارہ نومبر 2000ء)

*****
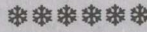
حضرت عیسیٰ ؑ حضرت محمد ﷺ کا یوں ذکر کرتے ہیں

اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کا رسول وہ رونق ہے جس سے خدا کی پیدا کی ہوئی قریب قریب تمام چیزوں کو خوشی نصیب ہو گی کیونکہ وہ فہم اور نصیحت' حکمت اور طاقت' خشیت اور محبت' حزم اور ورع کی روح سے آراستہ ہے۔ وہ فیاضی اور رحمت' عدل اور تقویٰ' شرافت اور صبر کی روح سے مزین ہے جو اس نے خدا سے ان تمام چیزوں کی بہ نسبت تین گنی پائی ہے جنہیں خدا نے اپنی مخلوق میں سے یہ روح بخشی ہے۔ کیسا مبارک وقت ہو گا جب وہ دنیا میں آئے گا۔ یقین جانو' میں نے اس کو دیکھا ہے اور اس کی تعظیم کی ہے جس طرح ہر نبی نے اس کو دیکھا ہے۔ اس کی روح کو دیکھنے ہی سے خدا نے اس کو نبوت دی اور جب میں نے اس کو دیکھا تو میری روح سکینت سے بھر گئی' یہ کہتے ہوئے کہ اے محمد (ﷺ) خدا تمہارے ساتھ ہو' اور وہ مجھے تمہاری جوتی کے تسمے باندھنے کے قابل بنا دے کیونکہ یہ مرتبہ بھی پالوں تو میں ایک بڑا نبی اور خدا کی ایک مقدس ہستی ہو جاؤں گا۔ (انجیل برناباس' باب نمبر 44)

اسلام کا راستہ ہی حق ہے

بابری مسجد کی شہادت میں حصہ لینے والے سودم شرما کا قبول اسلام

سودم شرما ایک ہندو گھرانے سے تعلق رکھنے والا فرد تھا۔ پیشے کے اعتبار سے وہ الیکٹرونیکل انجینئر ہے۔ لکھنو اور ممبئی کی بیرونی کمپنیوں میں اس نے کام کیا۔ 1996ء میں وہ جدہ چلا گیا اور اب وہاں ایک سعودی کنسٹرکشن کمپنی میں برسر خدمت ہے۔ سودم شرما نے اسلام کے مطالعے کے نتیجے میں اسلام قبول کر لیا ہے اور اس نے اپنا نام عبداللہ رکھا ہے۔ 30 سالہ عبداللہ پر جوش اور سرگرم شخصیت کا مالک ہے۔ ہمت و استقلال کے ساتھ نت نئے مسائل و مشکلات کا مقابلہ کرنا اور آزمائشوں سے گزرنا اس کا شیوہ ہے۔

سودم شرما بابری مسجد کو شہید کرنے میں بھی پیش پیش تھا۔ وہ ہندوتو کا نعرہ دینے والے انتہا پسندوں کے ساتھ بابری مسجد منہدم کرنے کی تحریک میں شامل ہوا اور مسجد منہدم کرنے کی ایک کوشش میں جو گیارہ لوگ پولیس کی گولیوں کا نشانہ بنے ان میں وہ بھی شامل تھا۔

مکہ مکرمہ کے انگریزی جریدے "دی مسلم ورلڈ" کے مطابق سودم شرما نے جب اسلام کا مطالعہ کرنا شروع کیا تو اس کے کفیل نے اسے ایک کتاب "The life after Death" (موت کے بعد زندگی) مطالعہ کے لئے دی، جس کو اس نے کھلے ذہن سے پڑھا۔ اس کو محسوس ہوا کہ اسلام اور ہندوازم کے درمیان بڑا فرق ہے۔ ہندوؤں کے

عقیدے کے مطابق دیوی دیوتاؤں کے ذریعے نیکی اور بدی کے فیصلے 16 دن میں پورے کر دیے جائیں گے، آدمی مرنے کے بعد پھر زندہ ہوگا، اگر اس کی زندگی اچھی تھی تو وہ دنیا میں اچھی زندگی بسر کرے گا ورنہ جانور کی زندگی گزارنا اس کا مقدر ہوگا۔ جب کہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ایک دن قیامت آئے گی اور اس کے بعد یومِ حساب ہوگا۔ اس دن اللہ کے سامنے ہر ایک کا حساب کتاب ہوگا اور ہر فرد اپنے اعمال کے نتیجے میں انعام یا سزا کا مستحق ہوگا۔ اسلام اور ہندوازم کے عقیدے کا یہ فرق بھی عبداللہ کے سامنے منطقی انداز میں ظاہر ہوا کہ دنیا میں اچھے یا برے نتائج کا ظہور اسلامی تعلیمات کے مطابق ضروری نہیں ہے جب کہ ہندوازم میں ایک مقررہ مدت (16 دن) میں نتائج کا ظہور مقرر ہے جو کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ عبداللہ نے قرآن کی ایک آیت کو پڑھا جس کا ترجمہ ہے: ''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، اس آگ پر ایسے سنگین اور سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور ان کو جو حکم دیا جاتا ہے، اسے وہ برابر پورا کرتے ہیں'' (التحریم)۔ اس آیت کو پڑھنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلام ہی اسے ''اس آگ'' سے بچا سکتا ہے۔ اللہ ایک اور لاشریک ہے۔ بے شمار دیوتاؤں حتیٰ کہ جانوروں، درختوں، سورج، دریاؤں، آگ وغیرہ کی پرستش بے معنی بھی ہے، شرک اور گناہ بھی ہے۔ عبداللہ کے اسلام قبول کرنے کی بنیادی وجہ یعنی عقیدہ توحید (Monotheism) پر اس کا کامل یقین ہی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اللہ کی ذات ہی قادر مطلق ہے اور اللہ نے ہی کائنات اور کائنات کے ذرے ذرے کو پیدا کیا ہے۔ وہی سب کی دعاؤں کو سنتا ہے اور ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ عبداللہ کے مطابق ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق 330 ملین دیوی دیوتا ہیں جو الگ الگ کام کے لئے مقرر ہیں، مثلاً برہما پیدا کرنے کے لئے، یمراج موت دینے کے لئے، لکشمی دولت تقسیم کرنے کے لئے، اندرا پانی برسانے کے لئے، سرسوتی تعلیم دینے کے لئے وغیرہ وغیرہ اور بحیثیت ایک ہندو وہ خود ان سب کی پوجا کیا کرتا تھا۔ لیکن ایک اہم سوال اس کے سامنے تھا کہ ان 330 ملین خداؤں میں وہ کس کس کو خوش کرے؟ نومسلم عبداللہ کی خواہش تھی کہ

رمضان جیسے مقدس مہینے میں اسلام قبول کرے، لیکن اس کو خدشہ تھا کہ کل صبح طلوع آفتاب کا نظارہ کر بھی سکے گا یا نہیں، اس لئے اس نے دوسرے ہی دن اسلام قبول کر لیا۔ والدین کے ردعمل کے بارے میں ایک سوال پر عبداللہ نے بتایا کہ والدین نے مجھے اسلام کو ترک کر کے ہندوازم میں پھر سے واپس نہ آنے پر بھیانک انجام کی دھمکی دی، لیکن میں نے مشرکانہ زندگی سے دور رہنا ہی بہتر سمجھا اور یہ طے کر لیا کہ جب سیدھا راستہ مل گیا تو پھر بھٹکنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسلام کا راستہ ہی حق، سچائی، نیکی، بڑائی اور بزرگی کا راستہ ہے۔

(محمد النظر ندوی ...... بشکریہ: ماہنامہ الفاروق، مارچ 2001ء)

*****
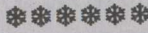
قرآن اور سائنسی حقائق

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ قرآن کے نزول کے وقت یعنی ایک ایسے دور میں جو 622ء کے ادھر ادھر اندازاً تئیس سال کی مدت پر محیط ہے، سائنسی معلومات میں صدیوں سے کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا اور اسلامی تمدن کی سرگرمیوں کا دور سائنسی ترقی کے ساتھ نزول قرآن کے اختتام کے بعد آیا۔ اس نوع کے دینی اور دنیوی واقعات سے ناواقفیت ہی مندرجہ ذیل قسم کی اوٹ پٹانگ رائے کی جانب لے جاتی ہے جو میں نے متعدد بار لوگوں کو پیش کرتے ہوئے سنا ہے کہ "اگر سائنسی نوعیت کے حیران کن بیانات قرآن میں موجود ہیں تو اس کی تاویل اس طرح کی جا سکتی ہے کہ عرب سائنس دان اپنے زمانہ سے بہت آگے تھے اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے کام سے متاثر ہوئے تھے" کوئی شخص جو تاریخ اسلام کے بارے میں کچھ بھی معلومات رکھتا ہے اس بات سے واقف ہے کہ قرون وسطٰی کا وہ دور جس میں عربوں کی تمدنی اور سائنسی ترقیات کا ظہور ہوا، حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد میں آیا، اس لئے وہ اس قسم کی خیال آرائیوں میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کی آراء خصوصیت سے خارج از بحث ہیں کیونکہ بیشتر سائنسی حقائق جن کی قرآن میں نشان دہی کی گئی ہے یا جو صاف طور پر بیان ہوئے ہیں ان کو موجودہ دور میں ہی تسلیم کیا گیا ہے۔

(مورس بوکائے کی کتاب "بائبل، قرآن اور سائنس" سے)

میں اسلام کو وحشت و جہالت کا مذہب سمجھتی تھی

اسلام کی مبلغہ امینہ کی داستان

میرے والدین پروٹسٹنٹ عیسائی تھے اور ننھیال و ددھیال دونوں طرف مذہب کا بڑا چرچا تھا۔ہائی سکول کی تعلیم ختم ہوئی تو میری شادی ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی میں ماڈلنگ کے پیشے سے منسلک ہوگئی۔ خدا نے مجھے اچھی شخصیت عطا کی تھی اور میں خوب محنت کرتی تھی اس لئے میرا کاروبار خوب چمکا تو پیسے کی ریل پیل ہوگئی۔ شوفر، بہترین گاڑیاں غرض آسائش کا ہر سامان میسر تھا۔ حالت یہ تھی کہ بعض اوقات ایک جوتا خریدنے کیلئے میں ہوائی سفر کر کے دوسرے شہر جاتی تھی۔ اسی دوران میں ایک بیٹے اور ایک بیٹی کی ماں بھی بن گئی مگر سچی بات ہے کہ ہر طرح کے آرام و راحت کے باوجود دل مطمئن نہ تھا۔ بے سکونی اور اداسی، جان کا گویا مستقل آزار بن گئی تھی اور زندگی میں کوئی زبردست خلا محسوس ہوتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے ماڈلنگ کا پیشہ ترک کر دیا اور دوبارہ مذہبی زندگی اختیار کر لی اور مختلف تعلیمی اداروں میں مذہبی تبلیغ کی رضا کارانہ خدمات انجام دینے لگی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے مزید تعلیم کے لئے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ خیال تھا کہ اس بہانے شاید روح کو کچھ سکون ملے گا۔ اس وقت میری عمر تیس برس تھی۔

مجھے ایک ایسی کلاس میں داخلہ ملا جس میں سیاہ فام اور ایشیائی طالب علموں کی خاصی بڑی تعداد تھی۔ بڑی پریشانی ہوئی مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔ مزید گھٹن یہ دیکھ کر محسوس ہوئی کہ ان

میں خاصے لوگ مسلمان تھے اور مجھے مسلمانوں سے انتہائی نفرت تھی۔ میرے نزدیک عام یورپی سوچ کی طرح اسلام وحشت و جہالت کا مذہب تھا اور مسلمان غیر مہذب' عیاش' عورتوں پر ظلم کرنے والے اور اپنے مخالفوں کو زندہ جلا دینے والے لوگ تھے۔ امریکہ اور یورپ کے عام مصنفین اور مورخ یہی کچھ لکھتے آرہے ہیں۔ بہر حال شدید ذہنی کوفت کے ساتھ تعلیم شروع کی۔ پھر اپنے آپ کو سمجھایا کہ میں ایک مشنری ہوں کیا عجب کہ خدا نے مجھے ان کافروں کی اصلاح کیلئے بھیجا ہو' اس لئے مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ میں نے صورتحال کا جائزہ لینا شروع کیا تو حیرت میں مبتلا ہوگئی کہ مسلمان طالب علموں کا رویہ دیگر سیاہ فام نوجوانوں سے بالکل مختلف تھا۔ وہ شائستہ' مہذب اور باوقار تھے۔ وہ عام امریکی نوجوانوں کے برعکس لڑکیوں سے بے تکلف ہونا پسند نہ کرتے' نہ آوارگی اور عیش پسندی کے رسیا تھے۔ میں تبلیغی جذبے کے تحت ان سے بات کرتی۔ ان کے سامنے عیسائیت کی خوبیاں بیان کرتی تو وہ بڑے وقار اور احترام سے ملتے اور بحث میں الجھنے کی بجائے مسکرا کر خاموش ہو جاتے۔

میں نے اپنی کوششوں کو یوں بے کار جاتے دیکھا تو سوچا کہ اسلام کا مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ اس کے نقائص اور تضادات سے آگاہ ہو کر مسلمان طالب علموں کو زچ کرسکوں۔ دل کے گوشے میں یہ احساس بھی ابھرا کہ عیسائی پادری' مضمون نگار اور مورخ تو مسلمانوں کو وحشی' گنوار' جاہل اور نہ جانے کن کن برائیوں کا مرقع بتاتے ہیں لیکن امریکی معاشرت میں پلنے بڑھنے والے ان سیاہ فام مسلمان نوجوانوں میں تو ایسی کوئی برائی نظر نہیں آتی بلکہ یہ باقی سب طلبہ سے مختلف و منفرد پاکیزہ رویئے کے حامل ہیں پھر کیوں نہ خود اسلام کا مطالعہ کروں اور حقیقت حال سے آگاہی حاصل کروں۔ چنانچہ اس مقصد کی خاطر میں نے سب سے پہلے قرآن کا انگریزی ترجمہ پڑھنا شروع کیا اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یہ کتاب دل کے ساتھ ساتھ دماغ کو بھی اپیل کرتی ہے۔ عیسائیت پر غور و فکر کے دوران میں اور مطالعہ بائبل کے نتیجے میں ذہن میں کتنے ہی سوال پیدا ہوتے تھے' مگر کسی پادری یا دانشور کے پاس ان کا کوئی جواب نہ تھا اور یہی تشنگی روح کو پریشان کئے رکھتی تھی۔ قرآن پڑھا تو ان سارے

سوالوں کے ایسے جواب مل گئے جو عقل اور شعور کے عین مطابق تھے۔ مزید اطمینان کیلئے اپنے ہم جماعت مسلمان نوجوانوں سے گفتگوئیں کیں اور تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا تو اندازہ ہوا کہ میں اب تک اندھیروں میں بھٹک رہی تھی اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں میرا نقطہ نظر صریحاً بے انصافی اور جہالت پر مبنی تھا۔

مزید اطمینان کی خاطر میں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور ان کی تعلیمات کا مطالعہ کیا تو یہ دیکھ کر مجھے خوشگوار حیرت ہوئی کہ امریکی مصنفین کے پراپیگنڈا کے بالکل برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان کے عظیم محسن اور سچے خیر خواہ ہیں خصوصاً انہوں نے عورت کو جو مقام و مرتبہ عطا فرمایا اس کی پہلے یا بعد میں کوئی مثال نظر نہیں آتی۔

ماحول کی مجبوریوں کی بات دوسری ہے، ورنہ میں طبعاً بہت شرمیلی ہوں اور خاوند کے سوا کسی مرد سے بے تکلفی پسند نہیں کرتی، چنانچہ جب میں نے پڑھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بے حد حیادار تھے اور خصوصاً عورتوں کیلئے عفت و پاکیزگی اور حیا کی تاکید کرتے رہے تو میں بہت متاثر ہوئی اور اسے عورت کی ضرورت اور نفسیات کے عین مطابق پایا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کا درجہ جس قدر بلند فرمایا اس کا اندازہ اس قول سے ہوا کہ ''جنت ماں کے قدموں میں ہے'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر تو میں جھوم اٹھی کہ ''عورت نازک آبگینے کی طرح ہے اور تم میں سب سے اچھا شخص وہ ہے جو اپنی بیوی اور گھر والوں سے اچھا سلوک کرتا ہے''۔

قرآن اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے میں مطمئن ہوگئی اور تاریخ اسلام کے مطالعے اور اپنے مسلمان کلاس فیلو نوجوانوں کے کردار نے مسلمانوں کے بارے میں میری ساری غلط فہمیوں کو دور کر دیا اور میرے ضمیر کو میرے سارے سوالوں کے جواب مل گئے تو میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کا ذکر میں نے متذکرہ طالب علموں سے کیا تو وہ 21 مئی 77ء کو میرے پاس چار ذمہ دار مسلمانوں کو لے آئے۔ ان میں سے ایک ڈینور کی مسجد کے امام صاحب تھے۔ چنانچہ میں نے ان سے چند مزید سوالات کئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوگئی۔

میرے قبولِ اسلام پر سارے خاندان پر گویا بجلی گر پڑی۔ ہمارے میاں بیوی کے تعلقات مثالی تھے اور میرا شوہر مجھ سے ٹوٹ کر محبت کرتا تھا مگر میرے قبولِ اسلام کا سن کر اسے غیر معمولی صدمہ ہوا۔ میں اسے پہلے بھی قائل کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی اور اب پھر سمجھانے کی بہت سعی کی مگر اس کا غصہ کسی طرح ٹھنڈا نہ ہوا اور اس نے مجھ سے علیحدگی اختیار کرلی اور میرے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ عارضی طور پر دونوں بچوں کی پرورش میری ذمہ داری قرار پائی۔

میرے والد بھی مجھ سے گہری قلبی وابستگی رکھتے تھے مگر اس خبر سے وہ بھی بے حد برافروختہ ہوئے اور غصے میں ڈبل بیرل شاٹ گن لے کر میرے گھر آگئے تاکہ مجھے قتل کر ڈالیں مگر خدا کا شکر ہے کہ میں بچ گئی اور وہ ہمیشہ کیلئے قطع تعلق کر کے چلے گئے۔

میری بڑی بہن ماہر نفسیات تھی۔ اس نے اعلان کر دیا کہ یہ کسی دماغی عارضے میں مبتلا ہوگئی ہے اور اس نے سنجیدگی سے مجھے نفسیاتی انسٹیٹیوٹ میں داخل کرانے کیلئے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ میری تعلیم مکمل ہو چکی تھی' میں نے معاشی ضرورتوں کے پیش نظر ایک دفتر میں ملازمت حاصل کی لیکن ایک روز میری گاڑی کو حادثہ پیش آگیا' تھوڑی سی تاخیر ہوگئی اور مجھے ملازمت سے نکال دیا گیا۔ فرم والوں کے نزدیک میرا اصل جرم یہی تھا کہ میں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی حالت یہ تھی کہ میرا ایک بچہ پیدائشی طور پر معذور تھا۔ وہ دماغی طور پر نارمل نہ تھا اور اس کی عام صحت بھی ٹھیک نہ تھی جبکہ بچوں کی تحویل اور طلاق کے مقدمے کے باعث امریکی قانون کی رو سے فیصلہ ہونے تک میری ساری جمع پونجی منجمد کر دی گئی تھی۔ ملازمت ختم ہوئی تو میں بہت گھبرائی اور بے اختیار رب جلیل کے حضور سربسجود اور گڑگڑا کر خوب دعائیں کیں۔ اللہ کریم نے میری دعائیں قبول فرمالیں' اور دوسرے ہی روز میری ایک جاننے والی خاتون کی کوشش سے مجھے ایسٹر سیل پروگرام میں ملازمت مل گئی اور میرے معذور بچے کا علاج بھی بلامعاوضہ ہونے لگا۔ ڈاکٹروں نے دماغ کے آپریشن کا فیصلہ کیا اور اللہ کے خاص فضل سے یہ آپریشن کامیاب رہا۔ بچہ تندرست ہوگیا اور میری جان میں جان آئی۔ لیکن

ابھی آزمائشوں کا سلسلہ ختم نہ ہوا تھا۔ عدالت میں بچوں کی تحویل کا مقدمہ دو سال سے چل رہا تھا۔ آخر کار دنیا کے اس سب سے بڑے جمہوری ملک (امریکہ) کی ''آزاد'' عدالت نے فیصلہ یہ کیا کہ اگر بچوں کو اپنے پاس رکھنا چاہتی ہوں تو اسلام سے دست بردار ہونا پڑے گا کہ اس قدامت پرست مذہب کی وجہ سے بچوں کا اخلاق خراب ہوگا اور تہذیبی اعتبار سے انہیں نقصان پہنچے گا۔

عدالت کا یہ فیصلہ میرے دل و دماغ پر بجلی بن کر گرا۔ ایک مرتبہ تو میں چکرا کر رہ گئی، زمین اور آسمان گھومتے ہوئے نظر آئے مگر اللہ کا شکر ہے کہ اس کی رحمت نے مجھے تھام لیا اور میں نے دوٹوک انداز میں عدالت سے کہہ دیا کہ میں اپنے بچوں سے جدائی گوارا کرلوں گی مگر اسلام اور ایمان کی دولت سے دستبردار نہیں ہوسکتی چنانچہ بچی اور بچہ دونوں باپ کی تحویل میں دے دیئے گئے۔

اس کے بعد ایک سال اسی طرح گزر گیا۔ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنا تعلق گہرا کرلیا اور تبلیغ دین میں منہمک ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساری محرومیوں کے باوجود ایک خاص قسم کے سکون اور اطمینان سے سرشار رہی۔

ایک زمانہ تھا کہ میں اتوار کے دن آرام کرنے کے بجائے سی سنڈے سکول میں بچوں کو عیسائیت کے اسباق پڑھاتی تھی، آج اللہ کے کرم سے میں اتوار کا دن اسلامک سنٹروں میں گزارتی ہوں اور وہاں مسلمان بچوں کو دینی تعلیم دینے کے علاوہ دیگر مضامین بھی پڑھاتی ہوں۔

یہ بھی اللہ کی ہی توفیق سے ہے کہ میں نے مختلف مقامات پر مسلم وومن سٹڈی سرکل قائم کئے ہیں جن میں غیر مسلم خواتین بھی آجاتی ہیں۔ میں انہیں بتاتی ہوں کہ اسی امریکہ میں آج سے ڈیڑھ سو برس پہلے عورتوں کی باقاعدہ خرید وفروخت ہوتی تھی اور ایک عورت کو گھوڑے سے بھی کم قیمت پر خریدا جاسکتا تھا۔ بعد کے ادوار میں بھی عورت کو باپ یا شوہر کی جائیداد میں کوئی حصہ نہ ملتا تھا حتیٰ کہ اگر وہ شادی کے موقع پر ایک لاکھ ڈالر شوہر کے گھر میں لے کر جاتی اور چند ہی ماہ بعد اسے طلاق حاصل کرنا پڑتی تو وہ ساری رقم شوہر کی ملکیت قرار

پاتی تھی، جبکہ اسلام آج سے چودہ سو برس پہلے سے عورت کے حقوق کی آواز لگا رہا ہے اور اس اعزاز کی تو کہیں ادنیٰ سی بھی مثال نہیں ملتی کہ ماں کے قدموں میں جنت قرار دی گئی ہے اور باپ کے مقابلے میں اسے تین گنا واجب الاحترام قرار دیا گیا ہے۔

جب میں یہ تقابلی موازنہ کرتی ہوں تو امریکی عورتوں کے منہ حیرت سے کھلے رہ جاتے ہیں۔ وہ تحقیق کرتی ہیں، مطالعہ کرتی ہیں اور جب انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ میں صحیح بات کرتی ہوں اور واقعتاً اسلام نے عورت کو غیر معمولی حقوق و احترام عطا کیے تو وہ اسلام قبول کر لیتی ہیں۔ چنانچہ اللہ کا شکر ہے کہ میری باتوں سے متاثر ہو کر اب تک تقریباً چھ سو امریکی خواتین دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی ہیں۔

(بشکریہ: تعمیر حیات لکھنو)

میں نے سسٹر امینہ کی داستان کا انتخاب ''پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنو'' سے کیا تھا۔ کتاب کی دوسری پروف ریڈنگ کے دوران میں معلوم ہوا کہ سسٹر امینہ کے بارے میں جناب ڈاکٹر عبدالغنی فاروق صاحب نے اپنی کتاب ''ہمیں خدا کیسے ملا؟'' میں کہیں زیادہ تفصیل سے لکھا ہے۔ ڈاکٹر عبدالغنی فاروق صاحب کی تحریر سے چند اہم باتیں ذیل میں دی جا رہی ہیں:-

سسٹر امینہ جنوری 1945ء میں امریکہ کی ریاست لاس اینجلس کے علاقہ ویسٹ میں پیدا ہوئیں۔ سکول کے آٹھویں گریڈ میں تھیں کہ ان کے والدین کو فلوریڈا منتقل ہونا پڑا۔ وہ وومن لبریشن موومنٹ (تحریک آزادئ نسواں) کی سرگرم کارکن بھی تھیں۔ اسلام قبول کرنے اور غیر مسلم خاوند سے علیحدگی کے بعد اپنے مسلمان خیر خواہوں کے اصرار پر انہوں نے ایک مراکشی مسلمان سے شادی کر لی۔ ان کا شوہر ایک مسجد کا امام اور خوش الحان قاری تھا۔ انہوں نے اپنے خاوند کو کاروبار کے لئے بھاری رقم دی مگر خاوند نے ان کی قدر کرنے کے بجائے تین ماہ بعد ہی طلاق دے دی اور رقم بھی ہضم کر گیا۔ طلاق کے چند ماہ بعد 1980ء میں ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام انہوں نے محمد رکھا۔

امینہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد عربی زبان سیکھی۔ قرآن مجید کے علاوہ بخاری،

مسلم، ابوداؤد، مشکوۃ اور اسلامی کتب کا انہوں نے گہرائی سے مطالعہ کیا۔ ان کا کہنا ہے: ''میں سمجھتی ہوں کہ جب تک ایک مبلغ قرآن، حدیث اور اسلام کے بارے میں بھرپور معلومات نہ رکھتا ہو وہ تبلیغ کے تقاضوں سے کما حقہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتا''۔ امینہ نے امریکہ میں نصابی کتب اور ٹیلی وژن پروگراموں سے اسلام کے خلاف منفی اور قابل اعتراض مواد نکلوانے کی بھی تحریک چلائی اور اس کے لئے باقاعدہ ایک تنظیم بنائی۔

امینہ کی کوششوں سے امینہ کے خاندان کے بیشتر افراد اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ان میں ان کے والد، والدہ، دادی، دادا اور خاندان کے کئی دیگر افراد شامل ہیں۔ عیسائی باپ کے پاس رہنے والا بیٹا بھی اسلام قبول کر کے اپنا نام فاروق رکھ چکا ہے۔ فروری 1990ء انٹرنیشنل یونین آف مسلم وومنز کی عالمی کانفرنس میں شرکت کے لئے وہ پاکستان آئیں، خواتین کے متعدد اہم تعلیمی اداروں میں لیکچر بھی دیئے، حجاب کی تلقین کی اور مغربی معاشرے میں حجاب کے سلسلے میں پیش آنے والی مشکلات سے آگاہ کیا۔ مغربی عورت کے مسائل کے بارے میں بھی بتایا اور پاکستانی خواتین سے کہا کہ وہ اسلامی احکام پر عمل کریں کیونکہ یہی ان کے فائدے میں ہے۔

❋❋❋❋❋❋
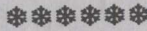
قرآن کلام بشر نہیں

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی معلومات کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے یہ بات ناقابل تصور معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کے بہت سے وہ بیانات جو سائنس سے متعلق ہیں کسی بشر کا کلام ہو سکتے ہیں لہٰذا یہ بات مکمل طور پر صحیح ہے کہ قرآن کو وحی آسمانی کا اظہار سمجھا جائے۔ لیکن ساتھ ہی اس استناد کے سبب جو اس سے فراہم ہوتی ہیں نیز ان سائنسی بیانات کی وجہ سے جن کا آج بھی مطالعہ کرنا بنی نوع انسان کے لئے ایک چیلنج ہے اس کو ایک انتہائی خصوصی مقام حاصل ہے۔ (موریس بوکائے کی کتاب ''بائبل، قرآن اور سائنس''

اسلام مساوات کا عملی نمونہ ہے

نومسلم چینی عبدالرحمٰن کیولی

(تحریر: محمد العروان .... ترجمہ: سید مسعود حسن حسنی ندوی)

مرکزِ دعوت میں ایک چینی نژاد کیولی فینج نے اسلام قبول کیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کا نام عبدالرحمٰن کیولی رکھا گیا۔ ان کے ساتھ 215 مزید لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے بھائی عبدالرحمٰن کیولی سے پہلا سوال "آپ نے اسلام کیوں قبول کیا ہے؟" کیا تو انہوں نے کہا کہ میں اسلام سے بہت ہی کم واقف تھا بلکہ میرے ذہن میں اسلام کے بارے میں بڑی ہی خراب تصویر تھی۔ جب میں سعودی عرب آیا تو کمپنی نے (جس میں میں ملازم تھا) میری رہائش کا بندوبست ایک عرب محلّہ میں کیا۔ مسلم اور عرب محلّہ میں رہنے کی وجہ سے مسلمانوں سے میرا ملنا جلنا ہوا' چنانچہ اسلام کے بارے میں مجھے معلومات حاصل ہونے لگیں۔ مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع بھی ملا۔ پھر میرا یہ حال ہو گیا کہ اس کا انتظار کرتا رہتا تھا کہ کوئی ایسا شخص ملے جو اسلام کے بارے میں مزید کچھ بتائے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک سعودی بھائی جس کا نام حامد تھا کو ہمارے لئے مسخر کر دیا۔ اس نے اور اس کے ایک ساتھی نے مجھے اور میرے چینی ساتھیوں کو رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ کھانے کے بعد اسلام کے بارے گفتگو ہونے لگی۔ ہمیں بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوئیں جن کے بارے میں ہم نہیں جانتے تھے کہ اسلام ان باتوں کا بھی حکم دیتا ہے بلکہ اس کے برعکس ہم یہ سمجھتے تھے کہ اسلام کا ان چیزوں سے کوئی تعلق نہیں۔ اس

ملاقات کے بعد انہوں نے ہمیں چھوڑا نہیں بلکہ وہ بار بار ہمارے پاس آتے اور دعوت دیتے رہے۔ متعدد ملاقاتوں کے بعد ہمارا تردد دور اور دل منشرح ہوگیا اور میں نے ان سے پوچھا کہ کیا میں اسلام میں داخل ہوسکتا ہوں تو انہوں نے ایک آواز ہوکر کہا: ''ہاں! اسلام میں آپ داخل ہوسکتے ہیں، صرف کلمہ شہادت پڑھنے کی بات ہے''۔ ہم سب نے کلمہ شہادت پڑھا، اور اس طرح اسلام کے دائرہ میں داخل ہوگئے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے احساسات کے بارے میں ہم نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا: ''جس وقت میں چین میں تھا تو وہاں بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ اسلام بہت سخت دین ہے اور وہ ہر چیز کو حرام قرار دیتا ہے۔ اسلام کے بارے میں ہماری معلومات بہت ناقص تھیں۔ چین میں رہنے والوں کی اکثریت بودھ مذہب کی پیروکار ہے لیکن اصلاً وہ لادین ہیں۔ میرے سعودی عرب آنے کے بعد اور سعودیوں کی جانب سے بہتر سلوک ہونے اور سعودی بھائیوں سے ملاقاتیں کرتے رہنے کی وجہ سے میرے اور میرے ساتھیوں کے اندر یہ احساس پیدا ہوا کہ مسلمان ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے ہیں اور اپنے دین میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، وہ سب بھائی بھائی ہیں۔ اس تجربہ کو میرے اسلام لانے میں بڑا دخل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام کی عظیم تاریخ نے بھی میرے دل میں اسلام کی عظمت بٹھائی اور دین سے واقف کرانے کے لئے مسلمانوں میں جو دلچسپی اور جذبہ ہے اس نے بھی مجھے اور میرے ساتھیوں کو بہت متاثر کیا، ہمارے ذہنوں میں اسلام کے بارے میں جو غلط تصورات تھے ان لوگوں کی گفتگو سے وہ زائل ہوگئے، اور ہمارے لئے اسلام لانا آسان ہوگیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میں اس بات سے واقف ہوگیا کہ یہ دین (اسلام) صرف پاک چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے اور گندی وخبیث چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے، مساوات کی دعوت دیتا ہے اور باعمل مسلمانوں کی زندگی اس کی آئینہ دار ہے۔ اقتصادی لحاظ سے اس کی واضح مثال زکوۃ ہے اور اس کے علاوہ اس کی دولت تقسیم ہوتی ہے فقراء واہل حوائج کی مدد کی جاتی ہے۔ اس دین سے اپنا انتساب کرنے میں، میں فخر محسوس کرتا ہوں۔ پہلے میں اپنے کو غریب الوطن محسوس کرتا تھا

لیکن اب میں خود کو اپنے بھائیوں کے درمیان محسوس کرتا ہوں۔ اس لئے کہ ہم تمام کے تمام مسلمان ہیں اور ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے''۔

اس کے بعد ہم نے بھائی عبدالرحمٰن کیولی سے ان کے خاندان کے بارے میں دریافت کیا اور یہ بھی دریافت کیا کہ کیا ان کو ان کے اسلام قبول کرنے کی خبر ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ انہوں نے اپنے والدین کو خط کے ذریعہ اطلاع بھیج دی تھی۔ شروع شروع میں تو دونوں بہت گھبرائے لیکن جب میں نے ان دونوں سے اسلام کے بارے میں گفتگو کی تو ان دونوں کو اپنے مسلمان رہنے پر راضی کرلیا۔ جہاں تک میرے والد کا تعلق ہے تو وہ اپنے مذہب کے بہت سخت پابند ہیں چنانچہ اخیر میں' میں نے ان سے کہا کہ میں نے اپنے لئے اس دین کو پسند کیا ہے اور میں اس سے خوب واقف ہوں۔

پھر میں نے ان سے سوال کیا کہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ کیا معاملہ کریں گے اور ان کا خاندان ان کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا' تو انہوں نے جواب دیا: ''وہ لوگ مجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ محبت کا' سچائی کا' امانت داری کا معاملہ کروں اور میں ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کروں گا' کیونکہ دین اسلام مجھے اسی کا حکم دیتا ہے' جب میں اسلام کی تعلیمات کو عملاً اپنے والدین کے سامنے پیش کروں گا تو مجھے کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ جلد ہی وہ دیکھ لیں گے اور سمجھ بھی لیں گے کہ میں نے اچھے دین کو اختیار کیا ہے''۔

جب میں نے ان سے داعیوں کیلئے عمومی نصیحت کی درخواست کی کہ چینی حلقوں میں جو داعی ہیں ان کیلئے ان کا کیا مشورہ ہے؟ تو ان کا جواب تھا:

''چینی ایسی زندگی گزار رہے ہیں جس میں روحانیت نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی اکثریت کسی معین دین پر عمل پیرا نہیں ہے' اور وہ کسی بھی مذہب کو قبول کر سکتے ہیں' اسی وجہ سے میں داعیوں کو چین آنے کی دعوت دے رہا ہوں تاکہ چینیوں کے رہن سہن اور ان کی معاشرت سے واقفیت حاصل کریں۔ اور پہلے ان سے واقف ہوا جائے پھر حکمت سے ان کو دین اسلام کی دعوت دی جائے''۔

انہوں نے مزید بتایا:

"جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے میں اپنے ساتھیوں کو چینی زبان میں اسلام کی دعوت دے رہا ہوں اور دعوت کا کام کرنے والوں کی گفتگو کا چینی زبان میں ترجمہ کرتا ہوں۔ میرے علاوہ کوئی ایسا داعی نہیں ہے جس کو چینی زبان پر عبور حاصل ہو اور اللہ ہی کی تعریف ہے کہ بہت ہی تھوڑی مدت میں سات سو سے زائد چینی اسلام قبول کر چکے ہیں اور اس وقت نئے چینی مسلمانوں کی تعداد 715 تک پہنچ چکی ہے۔ یہ محض اللہ کا فضل ہے جب کہ میں تنہا ہوں۔ میں ہی داعی کے انگریزی کلمات کو چینی زبان میں منتقل کرتا ہوں تاکہ میرے ساتھی داعی کی باتوں کو سمجھ سکیں اور یہی دعوت کا مقصد ہے کہ بات پوری طرح سمجھا دی جائے۔ (بشکریہ: تعمیر حیات لکھنو شمارہ 25 فروری 2001ء)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گواہی

(میرے جانے سے) تمہارا دل پریشان نہ ہو نہ تم خوف کرو کیونکہ میں نے تم کو پیدا نہیں کیا ہے بلکہ خدا ہمارا خالق ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے وہی تمہاری حفاظت کرے گا۔ رہا میں، تو اس وقت میں دنیا میں اس رسول خدا کے لئے راستہ تیار کرنے آیا ہوں جو دنیا کے لئے نجات لے کر آئے گا...... اندریاس نے کہا' استاد ہمیں اس کی نشانی بتا دے تاکہ ہم اسے پہچان لیں۔ یسوع نے جواب دیا' وہ تمہارے زمانے میں نہیں آئے گا بلکہ تمہارے کچھ سال بعد آئے گا جب کہ میری انجیل ایسی مسخ ہو چکی ہو گی کہ مشکل سے کوئی 30 آدمی مومن باقی رہ جائیں گے۔ اس وقت اللہ دنیا پر رحم فرمائے گا اور اپنے رسول کو بھیجے گا جس کے سر پر سفید بادل کا سایہ ہو گا جس سے وہ خدا کا برگزیدہ جانا جائے گا اور اس کے ذریعہ سے خدا کی معرفت دنیا کو حاصل ہو گی۔ وہ بے خدا لوگوں کے خلاف بڑی طاقت کے ساتھ آئے گا اور زمین پر بت پرستی کو مٹا دے گا اور مجھے اس کی بڑی خوشی ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے ہمارا خدا پہچانا جائے گا اور اس کی تقدیس ہو گی اور میری صداقت دنیا کو معلوم ہو گی اور وہ ان لوگوں سے انتقام لے گا جو مجھے انسان سے بڑھ کر کچھ قرار دیں گے...... وہ ایک ایسی صداقت کے ساتھ آئے گا جو تمام انبیاء کی لائی ہوئی صداقت سے زیادہ واضح ہو گی۔ (انجیل برناباس' باب نمبر 72)

کیا قرآن بائبل کے قصوں کا خلاصہ ہے؟

یہ مشاہدہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے کہ مغرب میں یہودی، نصرانی اور دہریئے (منکرین خدا) اس بیان پر متفق ہیں (لیکن ذرا سی بھی شہادت کے بغیر) کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بائبل کی تقلید اور پیروی میں قرآن لکھایا لکھوایا تھا۔ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ قرآن میں جو مذہبی تاریخ کے قصے دیئے ہوئے ہیں وہ بائبل کے قصوں کا خلاصہ ہیں۔ یہ رویہ ایسی ہی ناسمجھی اور بے عقلی کا ہے جیسے یہ کہا جائے کہ یسوع نے خود اپنے مواعظ کے دوران عہد نامہ قدیم سے تحریک پا کر اپنے ہم عصروں کو الو بنایا تھا۔ چنانچہ جیسا کہ ہم پہلے ہی حقیقی طور پر دیکھ چکے ہیں کہ متی کی پوری انجیل، عہد نامہ قدیم کے اسی تسلسل پر مبنی ہے۔ کیا تفسیروں کا کوئی ماہر اس دلیل سے یسوع کو ان کے پیغمبر خدا ہونے کے مرتبہ سے محروم کرنے کا خواب بھی دیکھ سکتا ہے؟ اس کے باوجود یہی وہ طریقہ ہے جس سے مغرب میں اکثر و بیشتر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کو جانچا جاتا ہے کہ ''انہوں نے کلھم یہ کیا ہے کہ بائبل کی نقل کر ڈالی''۔ یہ ایک رواروی کا فیصلہ ہے جس میں اس حقیقت کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے کہ قرآن اور بائبل ایک ہی واقعہ کو مختلف شکلوں میں پیش کرتے ہیں۔ لوگ بیانات کے اختلاف کے بارے میں بحث نہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ لوگوں کا نظریہ جو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قرآن کا مصنف قرار دیتے ہیں بالکل بودا اور کمزور ثابت ہوتا ہے۔ لوگوں میں ایک ناخواندہ شخص، ادبی محاسن کے لحاظ سے پورے عربی ادب میں کس طرح سب سے بڑا مصنف بن گیا؟ اس وقت وہ سائنسی نوعیت کے ایسے حقائق کیسے بیان کر سکتا تھا جو اس زمانہ میں کسی بھی فرد بشر کے لئے ظاہر کرنا ممکن نہیں تھا اور یہ سب بھی اس طرح کہ اس موضوع پر انکشافات کرنے میں ایک مرتبہ بھی خفیف سی غلطی کا ارتکاب نہ ہوا۔ کسی بشر کے لئے جو ساتویں صدی عیسوی میں بقید حیات ہو یہ ممکن نہ تھا کہ قرآن میں اتنے بہت سے موضوعات پر جو اس کے زمانہ سے تعلق نہ رکھتے ہوں اور جو باتیں صدیوں بعد منکشف ہونے والی ہوں بیانات دے سکے، میرے نزدیک قرآن کے لئے کوئی بشری توضیح وتشریح ممکن نہیں ہے۔ (مورس بوکائے کی کتاب ''بائبل، قرآن اور سائنس'' سے)

ضمیمہ جات

حجاب اور میری بہن کا اسلام قبول کرنا

(امریکی صحافی کے تاثرات)

یہ تحریر سموئیل کول امریکی صحافی کی ہے جسے انٹرنیٹ سے حاصل کر کے شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔

میری بہن جو تحریک حقوق نسواں کی سرگرم رکن اور سول انجینئرنگ میں سند یافتہ تھی، 1987 میں مشرف بہ اسلام ہوئی۔ وہ اس وقت پاکستان کے شہر لاہور میں رہ رہی ہے اور وہاں وہ ایک مثالی مسلمان بیوی اور چھ بچوں کی ماں کی حیثیت سے زندگی گزار رہی ہے۔

قرآن جس پر اس کا ایمان ہے اس کے تقاضے کے مطابق ہر روز پانچ وقت کی نماز ادا کرنے کے لئے اپنے سارے کام چھوڑ دیتی ہے اور جب بھی گھر سے باہر جانا ہوتا ہے تو وہ سر سے پاؤں تک حجاب میں ڈھکی ہوتی ہے۔

حجاب کی اصطلاح عربی زبان کے لفظ "حجابة" سے نکلی ہے جس کا معنی ہے "نظروں سے بچنا"۔ یہ ایک لمبی اوڑھنی اور نقاب ہے جو بہت سی مسلمان عورتیں پہنا کرتی ہیں اور یہ حجاب انہیں غیر مسلم عورتوں سے ممتاز کرتا ہے۔ ان کو ان کا اسلامی عقیدہ یاد دلاتا ہے اور غیر مردوں کی نظروں سے چھپاتا ہے۔

بہت سے روایتی مسلم معاشروں میں عورتوں میں یہ رجحان ہے کہ وہ غیر مردوں کے دائرے سے دور رہتی ہیں اور اپنے آپ کو بچوں کی نگہداشت اور گھر کی حفاظت کیلئے وقف

رکھتی ہیں۔عام اختلاط سے ان کی اس ظاہری دوری اور پابندی کی وجہ سے بہت سے امریکی یہ خیال کرتے ہیں کہ اسلامی پردہ نسوانی جبر کی ایک علامت ہے۔اس ادراک کے باوجود امریکہ میں اسلام بہت سرعت سے پھیلتا جارہا ہے اور مردوں کے مقابلے میں عورتیں زیادہ تعداد میں اسلام قبول کررہی ہیں۔ایک نومسلم مرد کے مقابل میں چار نومسلم عورتیں ہیں اور بلاشبہ میری بہن کے بقول حجاب جبر کی نہیں بلکہ آزادی وتحفظ کی علامت ہے۔

ناہید مصطفیٰ کینیڈا کی رہنے والی عورت ہے اس نے اسلام قبول کیا ہے' وہ لکھتی ہیں: نوجوان مسلمان عورتیں واپس پردہ کی طرف لوٹ رہی ہیں تاکہ انہیں دوبارہ اپنے جسموں کی حفاظت کا اختیار مل جائے۔تاہم اکثر امریکیوں کے لئے یہ عجیب دعویٰ ہے کہ ایک قانون جو عورت کے لباس پر پابندیاں عائد کرتا ہے وہ آزادی کا پیامبر کیسے بن سکتا ہے۔لیکن مسلمانوں کیلئے اس کا جواب بہت آسان ہے کیونکہ حجاب عورت کو بنیادی طور پر جنسی آلہ کے طور پر دیکھے جانے سے آزاد کر دیتا ہے"۔ ناہید مصطفیٰ مزید لکھتی ہیں: "غیر مسلم عورتوں کو بچپن ہی سے یہ بات ذہن نشین کرائی جاتی ہے کہ ان کی قدر و قیمت اور عزت واہمیت ان کی جسمانی کشش اور جاذبیت کے بقدر ہوگی"۔اور یہ بات ناقابل فہم نہیں کیونکہ خواتین کے کسی رسالہ کے اشتہارات پر نظر ڈالنے سے ایک قاری عورتوں کے اوپر بے حجابی کا ناقابل یقین دباؤ محسوس کرسکتا ہے۔

کیا یہ بات تعجب انگیز نہیں ہے کہ امریکی عورتیں کروڑوں ڈالر صرف بالوں اور اشیائے حسن پر صرف کرتی ہیں یا یہ بات کہ وہ اپنے آپ کو پلاسٹک سرجری' دواؤں اور پرہیزی غذا کا عادی بنا دیتی ہیں یا یہ بات کہ وہ شدید مایوسی میں بدنظمی' بھوک نہ لگنے اور جوع البقر جیسی نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ یہ ایک سراب کا تعاقب وجستجو ہے جو تعاقب کرنے والے کو ذلیل کرتا ہے اور تھکا ڈالتا ہے۔

حجاب مسلمان عورت کو اس ضرر رساں دباؤ اور ظلم سے نجات دلاتا ہے اور باہر جانے سے قبل میک اپ اور بالوں کو سنوارنے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔حجاب کے اندر وہ جس طرح چاہے رہ سکتی ہے' خواہ اس نے بال صاف نہ کئے ہوں' سرخی پاؤڈر نہ لگایا ہو' چہرے

کے بال نہ اکھاڑے ہوں اور جسم بھی قدرے بھاری ہو تو اسے کوئی پروا نہیں ہوتی۔ اسے اس بات کی بھی بالکل کوئی فکر نہیں ہوتی کہ لوگ اس کے بارے میں کیا سوچتے ہیں'۔

ناہید مصطفیٰ لکھتی ہیں: ''حجاب کی روایت در حقیقت عورتوں کا یہ یقین ہے کہ ان کی جسمانی شخصیت کی پرکھ کا معاشرتی معاملات میں کوئی عمل دخل نہیں ہے''۔ چونکہ مسلم عورت حجاب کی وجہ سے پس پردہ رہتی ہے تو اس کی قدر اس کی علمی صلاحیتوں کی وجہ سے کی جاسکتی ہے۔ اس طرح اس کی ظاہری ساخت کی اہمیت اس کی ذہانت اور شخصیت کے تابع ہو جاتی ہے۔

صحت کی بربادی ہی جسمانی کشش پیدا کرنے کے اس بیکار سلسلے کا سب سے برا نتیجہ نہیں ہے بلکہ وہ معاشرے جو عورتوں کو صرف ایک جنسی شے (Sexual object) سمجھتے ہیں وہاں عورتوں پر جنسی تشدد کی شرح خوفناک حد تک زیادہ ہے۔

امریکہ میں ہر چوتھی عورت زندگی میں ایک بار لازماً جنسی تشدد کا شکار ہوتی ہے حتیٰ کہ انتہائی غیر متشدد ملک کینیڈا میں بھی ہر چھ منٹ بعد ایک عورت کی عصمت دری کی جاتی ہے۔ ہمارے اس معاشرے میں عورت کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ انہیں تنگ گلیوں میں ہمیشہ محتاط رہنا چاہئے اور اجنبیوں سے خوفزدہ۔ یہ خلصتاً ایک جبر ہے اور جبر کی ایک ایسی قسم ہے جس کی بنیاد عورتوں کو محض جنسی شے سمجھنے کا نظریہ ہے۔ اگرچہ بہت سی مسلمان حکومتوں کی قرآن سے گہری وابستگی نہیں ہے، لیکن وہ بعض معاشرے جن میں قرآن کے ساتھ گہری وابستگی ہے ان میں عورتوں پر اس قسم کا جنسی تشدد بہت ہی کم ہے۔ مصر جس کا اسلامی معاشرہ نسبتاً مغرب زدہ ہے اور حکومت بھی لادینی ہے پھر بھی اس میں 1990ء میں عصمت دری کے صرف 17 واقعات ریکارڈ کئے گئے جبکہ اسی سال اسرائیل میں 369 واقعات ریکارڈ ہوئے۔

میری بہن نے مجھے بتایا ہے کہ بحیثیت ایک مسلمان عورت کے وہ پاکستان کی گلیوں میں گھومتے ہوئے ایسی عزت اور تحفظ محسوس کرتی ہے جو اس نے امریکہ میں رہتے ہوئے 30 سالوں میں کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔

اس حقیقت کو نظر انداز کرنا مشکل نظر آتا ہے کہ بہت سی مسلم خواتین ایک خاص قسم کا

تحفظ اور عزت محسوس کرتی ہیں جس کا مغرب میں کبھی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یقیناً بعض ممالک میں یہ اسلامی قوانین کی تنفیذ کا نتیجہ ہے جن میں مجرموں کو عبرتناک سزائیں دی جاتی ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس قسم کے سخت مذہبی قانون مصر اور پاکستان جیسے معتدل اسلامی ملکوں میں نافذ نہیں ہیں اور وہاں صرف اسلامی تعلیمات ہی عورتوں کی عصمت کی محافظ نظر آتی ہیں۔

عورتوں کو جنسی تشدد سے بچانے کا بہترین حل اسلام اور اس کے حجاب کے احکام ہیں۔ بعض لوگ یہ بھی سوال اُٹھاتے ہیں کہ کیا معاشرے کو مزید تعلیم کے ذریعے سے تبدیل نہیں کیا جا سکتا؟ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ معاشرے کی اصلاح اس طرح ہو کہ مردوں کو ترغیب دی جائے کہ وہ ضبط نفس سے کام لیں۔ تحریک حقوق نسواں کا گزشتہ کئی سالوں سے یہی مقصد رہا ہے۔ اگرچہ اسے عورتوں کیلئے کچھ تعلیم اور ملازمت کے زیادہ مواقع فراہم کرنے میں کامیابی حاصل ہوتی رہی ہے لیکن عورتوں پر جنسی جبر بدستور جاری ہے اور اگر کسی کو اس کا ثبوت درکار ہو تو اسے مقامی ویڈیو کی دکان میں موجود خوفناک فلموں کو دیکھنا چاہئے کہ مقبول عام فلموں میں عام طور پر وہ عورتیں ہیں جن کو تشدد کے شکار کے طور پر فلمایا ہوتا ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، امریکی اعداد و شمار نے عورتوں پر اس سے بھی زیادہ تشدد کی نشاندہی کی ہے۔

بعض مسلم مصنفین کے مطابق مغربی معاشرہ کا مسئلہ یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی مذہب و ثقافت میں مرد و عورت میں برابری کا کوئی تصور نہیں ہے۔ یہ مذاہب حضرت حوا علیہ السلام ہی کو گناہ اور نزول ارضی کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ تورات کے سفر تکوین میں موجود یہی قصہ ہماری تہذیب کا بنیادی پتھر ہے۔ اسی واقعے نے عورتوں کو فکری اعتبار سے کم تر حیثیت دی ہے جبکہ اسلام میں ایسا نہیں ہے۔ اسلام میں حضرت حوا علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کے ورغلانے کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاتا۔ دونوں سے لغزش ہوئی، دونوں اکٹھے قصوروار ہیں، دونوں نے اکٹھے ہی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔

یہ سچ ہے کہ اسلام عورت اور مرد کی بعض صفات میں فرق کرتا ہے لیکن عیسائی اور

یہودی عقائد کے برعکس قرآن مرد اور عورت کو اللہ کے روبرو پیش ہونے میں برابر کا مقام دیتا ہے اور دونوں کو فطری طور پر معاشرے کیلئے یکساں قابل قدر تصور کرتا ہے۔

بدقسمتی سے ہم میں سے بہت سے اسلام کو بم مار کر خودکشی کرنے والوں کا مذہب تصور کرتے ہیں یا باریش متعصب جنونیوں کا مذہب سمجھتے ہیں جو ہم سب کو پتھر کے دور کی ثقافت کی طرف لوٹانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ تصور غیر منصفانہ ہے۔ ہر مذہب میں کچھ خاص لوگ جنونی ہوتے ہیں۔ اسلام بہرحال توحیدی مذاہب میں سب سے بڑا اور تیزی سے بلکہ انتہائی سرعت سے پھیلنے والا مذہب ہے اور اسلام میں ایسے جنونی زیادہ ہیں لیکن سب سے زیادہ نہیں پھر بھی اسلام کے پاس ہی عورتوں کیلئے کچھ دینے کو موجود ہے۔

پائری کرائبائٹس (Pierre Craibites) ایک امریکی جج نے سو سال قبل لکھا تھا:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے 1300 سال قبل عورتوں، ماؤں، بیبیوں اور بیٹیوں کو وہ درجہ اور عظمت عطا کی جو کہ ابھی تک مغرب کے قوانین عورت کو عطا نہیں کر سکے''۔

میری بہن کا مسلمان ہونا میرے لئے کئی سالوں تک صدمہ کے ساتھ ساتھ ایک پراسرار راز بھی تھا کیونکہ تحریک نسواں کی ایک ذہین سرگرم رکن کیلئے یہ ممکن نظر نہیں آتا کہ وہ کسی جبر و اکراہ یا لالچ کے باعث اچانک اپنے سارے نظریات کو چھوڑ چھاڑ کر عورت سے نفرت کرنے والوں (مخالف نسواں) کا مذہب اختیار کر لے۔

میرے خاندان کے اندر یہ موضوع منطقی مباحث کی حدوں سے باہر رہا ہے، لیکن میری بہن کے حالیہ موصول شدہ خطوط سے مجھے اس کی اس انوکھی قسم کی تحریک نسواں کی سمجھ آرہی ہے۔ اسلام اختیار کر کے اس نے وہ تہذیب رد کر دی ہے جو عورت کو کامیابی کا محض مردانہ تصور فراہم کرتی ہے، اس کے بدلے میں اس نے ایک ایسی تہذیب کو اختیار کر لیا ہے جس میں اس کو برابری کا مقام صرف اس کی نسوانیت کی وجہ سے ملا ہے۔

(بشکریہ: انوار مدینہ، شمارہ اکتوبر 1999ء)

✽✽✽✽✽
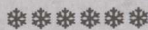
حجاب کے بارے میں غیر مسلم کیتھی چن کے تجربات

پچھلے مضمون میں آپ نے ایک امریکی صحافی کے قلم سے نومسلم خواتین کے حجاب کے بارے میں خیالات پڑھے ہیں۔ ذیل کی سطور میں ایک غیر مسلم کیتھی چن کے تاثرات و تجربات کی تلخیص دے رہے ہیں۔ کیتھی چن کے یہ تاثرات بھارت کے مسلم جریدے ہفت روزہ ''ریڈیئنس'' کے شمارہ 23 تا 29 اپریل 2000ء میں شائع ہوئے ہیں۔ کیتھی چن ایک چینی امریکی لڑکی ہے۔ وہ بتاتی ہے:

ایک دوپہر کو میں لمبا سفید لباس پہنے ایک گلی میں سے گزر رہی تھی کہ ایک ٹرک ڈرائیور نے سیٹی بجائی اور فحش آوازے کسے حالانکہ تھوڑی دیر پہلے ہی میں نے کندھوں تک لمبے اپنے سر کے بال لڑکوں کی طرح کٹوا کر ایک انچ کرائے تھے۔ میں نے بڑی ذلت اور ہزیمت محسوس کی۔ میں نے تو با اصرار اپنے بال اس قدر چھوٹے کروائے ہی اس لئے تھے کہ میری ظاہری نسوانیت ختم ہو جائے مگر میں پھر بھی مردوں کو اپنے ساتھ ''جنسی شئے'' والا رویہ اختیار کرنے سے نہ روک سکی۔ میرا یہ خیال غلط تھا کہ میری نسوانیت میرے لئے مسائل پیدا کرتی ہے' یہ نسوانیت (FEMININITY) نہیں بلکہ میری جنسی کشش (SEXUALITY) تھی۔ انہوں نے جیسا مجھے دیکھا ویسے ہی ردعمل کا اظہار کیا۔ مجھے یقین ہے کہ جو مرد عورتوں کو ''جنسی اشیاء'' کے طور پر دیکھتے ہیں اکثر وہی ان کو تنگ کرتے ہیں اور ان کے ساتھ تشدد کا رویہ اپناتے ہیں مثلاً عصمت دری' چھیڑ چھاڑ اور مار پیٹ وغیرہ۔ جنسی تشدد محض میرا خوف نہیں بلکہ یہ ایک میری تلخ حقیقت ہے۔ میرے ساتھ چھیڑ

چھاڑ اور جنسی تشدد کیا گیا۔ میرے ساتھ مردوں کے تشدد کے تجربات ہی نے مجھے غصیلہ بنایا اور مایوس کیا ہے۔

میں اس تشدد کو کیسے روکوں، میں مردوں کو کیسے باز رکھوں کہ وہ مجھے ایک عورت کے بجائے جنسی شئے کے طور پر نہ دیکھیں، میں انہیں کیسے سمجھاؤں کہ وہ عورت اور جنسی شئے کو برابر کی سطح پر نہ رکھیں؟ اس سلسلے میں، میں نے کافی تجربات کئے ہیں اور ان میں ایک تجربہ ''حجاب'' کا بھی ہے۔

حجاب سے متعلق میرا پہلا تجربہ تعلیمی نوعیت کا تھا۔ ایک نیوز میگزین کے ایک پراجیکٹ کے لئے مجھے ایک مسلمان عورت کا لباس پہن کر تین مسلمان مردوں کے ساتھ سفر کرنا تھا۔ میں نے سفید رنگ کی بازوؤں والی ایک لمبی سوتی قمیص اور جینز پہنی، پاؤں میں ٹینس شوز اور سر پر پھولدار سکارف پہنا۔ یہ سکارف میں نے ایک مسلمان عورت سے ادھار لیا تھا۔ میں صرف ایک مسلمان عورت نظر ہی نہیں آ رہی تھی بلکہ کسی حد تک محسوس بھی کر رہی تھی۔ اس سے قبل میں نہیں جانتی تھی کہ ایک باحجاب عورت کے کیا احساسات ہوتے ہیں۔ کیونکہ میں اسلامی تعلیمات سے آگاہ نہ تھی۔ لوگوں نے حجاب میں مجھے ایک مسلمان عورت سمجھا اور ایک جنسی شئے کے طور پر نہ دیکھا اور نہ کسی قسم کے فحش جملے اور فقرے کسے۔ میں نے مشاہدہ کیا کہ مردوں کی آنکھیں اب پہلے کی طرح میرے جسم کا جائزہ نہیں لے رہی تھیں۔ اب میں مکمل طور پر ملبوس تھی اور صرف میرا چہرہ ہی ننگا تھا۔ (قرآن مجید میں حجاب کی ایک اہم صفت بالکل یہی بیان کی گئی ہے۔ سورۂ احزاب میں ارشادِ الٰہی ہے: ''اے نبیؐ! تم اپنی ازواج، اپنی بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے جلابیب (سر کی چادروں) کو اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں۔ یہ عمل ان کی شناخت، نیز ان کے اذیت (چھیڑ چھاڑ وغیرہ) سے بچنے کے لئے مناسب ہے...... (مترجم)

مجھے یاد ہے کہ جب میں ایک اسلامک سنٹر میں داخل ہوئی تو وہاں ایک افریقن امریکی نے مجھے ''بہن'' کہہ کر مخاطب کیا اور مجھ سے پوچھا کہ میں کہاں سے آئی ہوں۔ میں نے اسے بتایا کہ میرا بنیادی تعلق چین سے ہے۔ اس نے کہا کہ اس سے کوئی فرق نہیں

پڑتا۔ وہاں ہمارے درمیان ایک قربت و اپنائیت کا احساس تھا کیونکہ وہ مجھے مسلمان سمجھ رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اسے حقیقت کیسے بتاؤں۔ میں ایک اور سٹور میں داخل ہوئی جس میں افریقی زیورات اور فرنیچر فروخت ہوتا تھا۔ اس سٹور سے باہر نکلتے ہوئے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا میں مسلمان ہوں؟ میں نے اس کی طرف دیکھااور مسکرا دی کیونکہ میں نہیں جانتی تھی کہ کیا کہوں اور کیا جواب دوں۔

سٹور سے باہر آ کر اپنے ساتھ سفر کرنے والے مسلمان مردوں میں سے ایک سے میں نے پوچھا: ''کیا میں مسلمان ہوں؟''۔ اس نے بتایا کہ وہ ہر ذی روح جو اللہ کے احکام کی تعمیل کرے مسلمان ہے۔ اس جواب سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ میں مسلمان ہو بھی سکتی ہوں لیکن میں اسے جانتی نہیں ہوں اور نہ میں نے اپنے اوپر ایسا کوئی لیبل لگایا ہے۔ میں اسلام کے بارے میں کوئی زیادہ نہیں جانتی کہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرسکوں۔ اگرچہ ایک عورت پانچ وقت روزانہ نماز نہیں پڑھتی، مسجد نہیں جاتی، روزے نہیں رکھتی، روزانہ سر پر سکارف بھی نہیں اوڑھتی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ یہ تو انسان کے باطن کے قدرتی مظاہر ہیں۔ حجاب کے میرے باطن پر کوئی براہ راست اثرات پڑتے ہیں یا نہیں مگر حجاب نے میرے بارے میں دوسروں کے رویوں کو ضرور بدل دیا ہے۔ میں مردوں کی طرف سے اپنے لئے احترام اور عزت کی تلاش میں تھی اس لئے میں نے شعوری طور پر حجاب کا انتخاب کیا۔ اپنے تجربات، مشاہدات اور مطالعہ کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ مغرب کا یہ پراپیگنڈہ بالکل غلط، سطحی اور گمراہ کن ہے کہ حجاب ایک جبر ہے۔ جس دن میں نے حجاب پہنا یہ نہ صرف میری زندگی کا ایک خوش گوار تجربہ تھا بلکہ پہلی بار میں نے اپنے آپ کو سب سے زیادہ آزاد محسوس کیا۔ میں نے نسوانیت کو نہیں جنسی کشش کو ڈھانپا، جنسی کشش ڈھانپی گئی تو نسوانیت کو آزادی مل گئی۔ یہی راستہ ہے مفتوح ہونے کے بجائے فتح کرنے کا۔

******

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ

کفر کے اندھیروں میں اسلام کی پھیلتی ہوئی روشنی

یہ مضمون دسمبر 1999ء میں لکھا گیا تھا اور ماھنامہ بیدار ڈائجسٹ کے شمارہ جنوری 2000ء میں شائع ھوا۔ اب اپریل 2001ء میں اس میں کچھ مزید اضافے کئے گئے ھیں۔ مضمون پڑھتے ھوئے یہ حقیقت اپنے سامنے رکھیں کہ اس مضمون میں اسلام کی پھیلتی ھوئی روشنی کی محض چند جھلکیاں دکھائی گئی ھیں۔ (ملک احمد سرور)

مستشرقین کی متعصبانہ جھوٹی تحریروں، من گھڑت صلیبی پراپیگنڈے اور کم علم بڑھک باز علماء کی وجہ سے غیر مسلم ہی نہیں بلکہ سیکولر اور ماڈریٹ مسلمان دانشوروں کا بھی یہ خیال ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا حالانکہ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ اسلام اپنے پیغام کی حقانیت اور اصولوں کی پاکیزگی کی بنا پر پھیلا۔ قرآن مجید میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "لا اکراہ فی الدین یعنی دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے" (البقرہ :256)۔ مزید فرمایا: "فمن شآء فلیؤمن ومن شآء فلیکفر یعنی اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر پر قائم رہے" (الکھف: 29)۔ سورۃ یونس میں ارشاد فرمایا: "اگر اللہ چاہتا تو زمین کے جتنے

رہنے والے ہیں سب کے سب ایمان لے آتے' کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ مومن بن جائیں''۔سورہ ق میں فرمایا: ''تو ان کو (قبولِ ہدایت پر) مجبور کرنے والا نہیں ہے جو کوئی اللہ کی وعید سے ڈرنے والا ہو اس کو قرآن کی نصیحت کیئے جا''۔سورہ الغاشیہ میں فرمایا: ''تو نصیحت کیئے جا کیونکہ تو صرف نصیحت کرنے والا ہے' تو ان پر داروغہ نہیں ہے''۔سورہ الرعد میں فرمایا: ''تیرے اوپر پیغام پہنچانے کی ذمہ داری ہے اور حساب لینے والے ہم خود ہیں''۔

قرآن مجید میں کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں ملتی جس میں کسی کافر کو زبردستی مسلمان بنانے کے لئے کہا گیا ہو بلکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اور اگر (لڑائی میں) کوئی مشرک تجھ سے پناہ کا طالب ہو تو اس کو پناہ دے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اس کو وہاں پہنچا دے کہ جہاں وہ بالکل بے خوف ہو کر رہ سکے کہ یہ لوگ بے علم ہیں''۔
(التوبہ:6)

سیرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی کوئی ایسی بات نہیں ملتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مسلمان سے کہا ہو کہ وہ کافروں کو بزورِ شمشیر مسلمان بنائے۔غزوۂ خیبر کے دوران میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو عَلَم عطا فرمایا تو حضرت علیؓ نے پوچھا: ''کیا یہودیوں کو لڑ کر مسلمان بنالیں؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نرمی کے ساتھ ان کے سامنے اسلام پیش کرو''۔

اسلام تو باپ کو بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی اولاد کو جبر و تشدد کر کے مسلمان بنائے۔محمد ابن اسحاق نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے ایک روایت بیان کی ہے کہ انصار میں سے ایک شخص کے دو بیٹے نصرانی تھے۔اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے بیٹے نصرانیت چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتے' کیا میں انہیں مجبور کر سکتا ہوں؟' اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ دین میں جبر نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجا تو فرمایا: ''نرمی کرنا سختی نہ کرنا' خوش کرنا نفرت نہ دلانا''۔ فتح مکہ کے موقع پر کسی کو قبولِ اسلام پر مجبور نہ کیا گیا۔قبیلہ بنی جذیمہ میں حضرت خالدؓ نے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

اجازت کے بغیر کشت وخون کیا تو آپ نے علانیہ اظہار برات کیا اور اس قبیلہ کے کتوں تک کی دیت ادا کی۔ حضرت عمر فاروقؓ کا غلام اسبق بیان کرتا ہے کہ میں عمرؓ بن خطاب کا نصرانی غلام تھا' آپ مجھے اسلام کی دعوت دیتے تھے مگر میں انکار کر دیتا تھا۔ اس پر آپ فرماتے: ''لا اکرہ فی الدین'' ۔پھر کہتے :''اے اسبق اگر تو اسلام قبول کر لیتا تو ہم تجھ سے مسلمانوں کے کاموں میں مدد لیتے''۔

اسلام اور تلوار کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے تھامس کارلائل (Thomas Carlyle) نے لکھا ہے: ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تلوار کے زور پر اپنے دین کی اشاعت کرنے کا بہت چرچا کیا گیا ہے' تلوار......مگر تم کو تلوار ملے گی کہاں؟ ہر نیا خیال اپنی ابتدائی منزل میں ایک اقلیت میں ہوتا ہے' وہ صرف ایک ہی شخص کے ذہن میں نشوونما پاتا ہے' دنیا بھر میں صرف ایک ہی شخص اس پر یقین رکھتا ہے'اور تنہا وہ ایک شخص تمام اشخاص کے مقابل ہوتا ہے۔ اس شخص کا تلوار ہاتھ میں لے کر اس کی اشاعت کرنے لگنا کچھ بھی مفید نہ ہو سکے گا''۔

تاریخ اسلام سے کوئی ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی جاسکتی کہ مجاہدین اسلام نے کسی کو تلوار کی نوک پر مسلمان بنایا ہو۔ ویسے بھی یہ ایک عیاں حقیقت ہے کہ تلوار ملکوں کو فتح کرتی ہے' اذہان کو نہیں۔ بالفرض مستشرقین اور متشدد علماء کا یہ نظریہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یورپ' افریقہ اور ایشیا کے بعض ممالک میں حملہ آور مسلمان جرنیلوں کی وجہ سے اسلام کو فروغ ملا تو بتایا جائے کہ آج امریکہ و یورپ میں ہر سال جو لاکھوں افراد اسلام قبول کر رہے ہیں یہ کس مسلم جرنیل کے حملہ کا نتیجہ ہے۔ مزید یہ کہ سب سے بڑے اسلامی ملک انڈونیشیا اور اس کے قرب و جوار کے مسلم علاقوں پر تو کوئی مسلم جرنیل حملہ آور نہ ہوا تھا۔ قفقاز قوم کے اسلام قبول کرنے کے پس منظر میں بھی کسی مسلم حملہ آور کا ذکر نہیں ملتا۔ منگول جو اپنے دور کی سپر پاور تھے اور مسلم دنیا کو تاخت و تاراج کر چکے تھے' سوال ہے کہ انہوں نے کس تلوار کے خوف سے اسلام قبول کیا۔ بربر جو ظلم و وحشت میں اپنی مثال آپ تھے' ان کے اسلام قبول کرنے میں بھی وعظ و تبلیغ ہی کا دخل تھا۔

اس وقت تو دنیا پر صلیبی سپر پاور کا تسلط ہے اور دیگر بڑی طاقتیں بھی اسلام سے کسی قسم کی ہمدردی نہیں رکھتیں۔ عالمی ذرائع ابلاغ پر بھی صیہونیوں کا موثر کنٹرول ہے' ان ذرائع ابلاغ سے اسلام کے خلاف زبردست مہم جاری ہے اور اسلام کا چہرہ بُری طرح مسخ کر کے پیش کیا جارہا ہے۔ ماضی میں صلیبیوں نے ظلم کی من گھڑت داستانیں اگر مسلمانوں کے خلاف پراپیگنڈہ کی بنیاد بنائی تھیں تو آج بھی ان کا رشتہ دہشت گردی سے جوڑ کر دنیا کو اسلام سے دور کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ عیسائیوں کو نہ صرف عالمی سطح پر سیاسی اقتدار حاصل ہے بلکہ سائنس سمیت دیگر ہر قسم کے علوم میں بھی انہی کی برتری ہے۔ جدید ترین اسلحہ (یعنی طاقت کی تلوار) بھی انہی کے پاس ہے جبکہ مسلمانوں کو کرۂ ارض کے ہر خطہ میں بدترین مظالم کا سامنا ہے۔ کسووا' بوسنیا' چیچنیا' اراکان' فلسطین' کشمیر' سنکیانگ' بنگشا مورو غرضیکہ ہر جگہ مسلمانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا جارہا ہے۔ امریکہ' یورپ اور دیگر ممالک میں مسلمانوں کو لامتناہی مسائل اور امتیازی قوانین کا سامنا ہے۔ بعض مسلمان ملکوں میں بھی بعض اسلامی شعائر پر پابندی ہے مثلاً ترکی میں حجاب پہننا اور داڑھی رکھنا مشکل بنا دیا گیا ہے اور یہ معاملہ صرف ترکی تک محدود نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں عیسائی مشنریوں کو ہر ملک میں سہولتیں میسر ہیں اور وہ کھربوں ڈالر کے بجٹ کے ساتھ دن رات ایک کئے ہوئے ہیں۔

اس مادہ پرست دور میں لالچ انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے اور عیسائی مشنریوں نے دنیا کے ہر خطہ میں لالچ کے جال پھیلائے ہوئے ہیں' اس کے باوجود نو عیسائیوں کی نسبت نومسلموں کی تعداد کئی گنا زیادہ ہے۔ بھارت میں ہندومت اور میانمار (برما) میں بدھ مت کو بندوق کی نوک پر پھیلانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ شاید ہی کوئی غیر مسلم ملک ہوگا جہاں مسجدوں کو شہید یا نذر آتش یا نقصان نہیں پہنچایا جارہا ہے اس کے باوجود اسلام کے پھیلاؤ کی رفتار سب سے تیز ہے۔

امریکہ جسے صلیبی دنیا میں ''صلیبی خلیفہ'' کی حیثیت حاصل ہے اور جو اس وقت اسلام کے سب سے بڑے دشمن کے طور پر میدان میں ہے وہاں بھی اسلام دیگر مذاہب کی نسبت

کہیں زیادہ تیز تر رفتار سے پھیل رہا ہے۔ امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد 60 تا 70 لاکھ بتائی جاتی ہے۔ پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنو نے انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے حوالے سے امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد 80 لاکھ لکھی ہے۔ امریکی مسلمانوں میں ہر سال اوسطاً ایک لاکھ 35 ہزار کا اضافہ ہو رہا ہے۔ نو مسلم اپنے لئے "Convert" کے بجائے "Revert" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ وہ مسلمان پیدا ہوئے مگر ماں باپ کی تعلیمات نے انہیں غلط راستے پر ڈال دیا اور اب وہ واپس اپنے مذہب کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک بطور حوالہ پیش کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بچے دین فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتے ہیں یہ ان کے ماں باپ ہیں جو انہیں عیسائی' یہودی اور مجوسی بنا دیتے ہیں''۔ جبکہ سیاہ فام مسلمانوں کا کہنا ہے کہ ان کے آباؤ اجداد مسلمان تھے جنہیں صلیبیوں نے ناقابل برداشت مظالم کر کے عیسائی بنالیا تھا اور ہم واپس اپنے دین کی طرف لوٹ آئے ہیں۔

اسلام کے پھیلاؤ کی سب سے زیادہ تیز رفتار امریکی جیلوں میں ہے۔ جیلوں میں اسلام قبول کرنے والے افراد کی تعداد 3 لاکھ سے بڑھ چکی ہے اور ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت جیلوں میں سالانہ 35 ہزار افراد اسلام قبول کر رہے ہیں۔ امریکہ کی ایک جیل میں 3000 قیدیوں میں سے 900 سے زیادہ اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ایک بھارتی جریدے نے 1998ء میں امریکہ میں اسلام کے تیز ترین فروغ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ 1990ء سے پہلے امریکہ میں صرف 5 لاکھ مسلمان تھے جبکہ 1998ء میں ان کی تعداد 60 لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ امریکہ میں رومن کیتھولک عیسائی 1973ء میں 5 کروڑ تھے جبکہ وہ 1998ء میں 6 کروڑ ہیں۔ بھارتی جریدہ لکھتا ہے کہ یہودیوں کی آبادی میں گزشتہ 14 سال میں صرف 10 لاکھ کا اضافہ ہوا ہے۔ بھارتی جریدے کے خیال میں امریکہ میں اسلام کے پھیلاؤ کی ایک بڑی وجہ امریکی لڑکیوں کا مسلمان مردوں سے شادی کرنا ہے۔ امریکی لڑکیوں کا کہنا ہے کہ مسلمان مرد وفادار شوہر ہوتے ہیں۔ نیویارک ٹائمز

نے اسلام کے پھیلاؤ کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا تھا کہ امریکہ میں مسلمانوں کو پروٹسٹنٹ عیسائیوں پر 1.62 فیصد برتری حاصل ہے۔ امریکی جریدہ کرسچین سائنس مانیٹر نے بھی 1996ء میں لکھا تھا کہ دیگر مذاہب کے مقابلے میں اسلام زیادہ تیز رفتاری سے پھیل رہا ہے اور گزشتہ پانچ سالوں میں امریکہ میں 1200 مساجد کا اضافہ ہوا ہے۔

امریکہ میں اسلام کی طرف لوٹنے والوں کی بڑی تعداد امریکی عورتوں کی ہے۔ ڈینی بلیک جو ایک امریکن انڈین ہے' نے 1997ء میں اسلام قبول کیا۔ اسلام قبول کرنے والے دیگر اہل علم کی طرح ڈینی بلیک نے بھی مذہب کے بارے میں خوب تحقیق کی اور اس نے کئی مذہبی گروپوں میں شمولیت بھی اختیار کی' وہ کہتی ہے: ''میں نے اپنی مذہبی زندگی کا آغاز کیتھولک (عیسائیت) سے کیا۔ اس کے بعد میں نے بدھ مت قبول کرلیا اور پھر میں Pentecostal (ایک عیسائی فرقہ) تحریک میں شامل ہوگئی''۔ مگر سچائی کی متلاشی کو کسی مذہب میں اطمینان نہ ملا اور آخر میں وہ اسلام کے قریب آئی ''آخر اللہ تعالیٰ نے مجھے سچا راستہ دکھا ہی دیا''۔ مارچ 1997ء میں اس نے اسلام قبول کرلیا۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد اس کا شوہر بھی مسلمان ہوگیا۔

ایک اندازے کے مطابق افریقن امریکن نومسلموں کی تعداد امریکہ میں کل نو مسلموں کی تعداد کا تقریباً نصف ہے۔ جس رفتار سے اسلام پھیل رہا ہے جلد ہی یہ امریکہ کا دوسرا بڑا مذہب بن جائے گا اور بعض کے بقول بن چکا ہے۔ امریکی جریدے یو ایس ٹوڈے کی ایک رپورٹ کے مطابق ''اس وقت تک 25 لاکھ سیاہ فام باشندے اسلام قبول کر چکے ہیں اور اس تعداد کو دیکھتے ہوئے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آئندہ دو دہائیوں تک اسلام سیاہ فام باشندوں کا سب سے بڑا مذہب ہوگا''۔ یاد رہے کہ امریکہ میں سیاہ فام باشندوں کی تعداد ساڑھے تین کروڑ سے زیادہ ہے۔

گزشتہ دس سالوں میں جس تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے اسے دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی تنظیمیں اپنے اہداف میں کامیاب ہیں۔ کئی سالوں تک امریکہ کے یہود و نصاریٰ معاشرے میں اسلام کو مناسب طریقے سے پیش ہی نہ کیا جاسکا' اسلام

کے بارے میں لوگوں کی معلومات بہت کم تھیں۔ گزشتہ چند برسوں میں کئی تنظیمیں معرض وجود میں آئیں جیسے ''کونسل آف امریکن اسلامک ریلیشنز'' نے میڈیا تک رسائی حاصل کی اور امریکی عوام کو صحیح اسلام کے بارے میں بتایا۔ امریکن مسلم الائنس نامی تنظیم نے مسلمانوں کو امریکہ کے سیاسی نظام میں لانے کی کوشش کی ہے۔

امریکہ میں اس وقت تقریباً دو ہزار مساجد' اسلامک سنٹرز اور سکول ہیں۔ بھارت کے مسلم جریدے ریڈئینس نے "www.beliefnet.org" کے حوالے سے امریکہ میں مساجد کی تعداد 4000 لکھی ہے۔ امریکہ میں پہلی باقاعدہ مسجد 1915ء میں بیڈفورڈ میں بنائی گئی تھی۔ گزشتہ چند سالوں میں بڑی تعداد میں مسجدیں تعمیر ہوئی ہیں۔ 17 جولائی 1998ء کو لاس اینجلس میں ایک بڑی مسجد کا افتتاح ہوا جو 7200 مربع میٹر رقبہ پر تعمیر ہوئی ہے۔ اس مسجد پر 8.1 ملین امریکی ڈالر خرچ ہوئے۔ غیر مسلموں کو مساجد اور اسلامک سنٹرز میں بلایا جاتا ہے اور انہیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ امریکی بحریہ کے ایک مسلمان کیپٹن کے مطابق امریکی افواج میں 18 ہزار افراد اسلام قبول کر چکے ہیں' صرف بحریہ میں آٹھ ہزار سے زیادہ مسلمان ہیں۔

(بیدار ڈائجسٹ اپریل 2000ء)

شمالی امریکہ میں ''دعوت اسلام مرکز'' 1993ء میں قائم ہوا۔ 30 سالہ علی عزام اس کے ڈائریکٹر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اوسطاً 40 خطوط روزانہ مرکز میں موصول ہوتے ہیں جن میں نومسلم اور غیر مسلم ہر دو اسلام کے بارے میں معلومات مانگتے ہیں۔ مرکز ان کو مطلوبہ معلومات فراہم کرتا ہے۔ مرکز کی طرف سے اب تک (1999ء کا شروع) 7 لاکھ افراد تک اسلام کا ضروری لٹریچر پہنچایا جا چکا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ امریکہ میں آباد ہسپانوی بھی بڑی تعداد میں اسلام میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ شاید یہ لوگ ان مسلمانوں کی اولاد ہیں جن کو جبراً عیسائی بنایا گیا تھا' ان کے لئے ہسپانوی زبان میں لٹریچر شائع کیا جاتا ہے۔

واشنگٹن پوسٹ کا ایک مقالہ نگار کریس جینکنز لاطینی امریکہ میں اسلام کے پھیلاؤ کے تین اسباب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

1- اسلام کا پیروکار بغیر کسی واسطے کے اپنے خالق (اللہ تعالیٰ) سے تعلق قائم رکھ سکتا ہے اور عیسائیت کی طرح اسلام میں اللہ سے رابطے کے لئے پادریوں اور پوپوں کی ضرورت نہیں ہے' لوگوں کو یہ بات بہت اپیل کرتی ہے۔

2- مسلم معاشرے کا مزاج و ماحول جس میں باہم تعاون' اتحاد' اتفاق' اجتماعیت اور یگانگت پائی جاتی ہے' خاص طور پر خاندانی نظام لاطینی امریکہ کے لوگوں کو اسلام کی طرف تیزی سے کھینچ رہا ہے۔

3- مسلمانوں سے روابط کے مواقع بڑھنے کے باعث خاص طور پر تعلیمی اداروں میں غیر مسلموں کے سامنے اسلام کا صحیح تعارف سامنے آنا۔ اس سے لوگوں کا رجحان اسلام کی طرف بڑھتا جارہا ہے۔

مقالہ نگار کے مطابق قرآن مجید اور دیگر اسلامی کتب کو لاطینی زبان میں ترجمہ کرنے کے ادارے قائم ہورہے ہیں' اسلام کی تبلیغ کے لئے انجمنیں اور تنظیمیں بن رہی ہیں۔ ان میں ایک تنظیم ''دی ایسوسی ایشن آف لیٹن امریکن مسلمز'' واشنگٹن کے علاقہ میں بہت کام کر رہی ہے۔ اسپینی زبان میں ''صوت الاسلام (Lavos del Islam) کے نام سے پندرہ روزہ پرچہ بھی شائع کر رہی ہے۔ (بحوالہ تعمیر حیات لکھنؤ' 25 جنوری 2001ء)

براعظم یورپ جسے مسیحی دنیا ہر حالت میں مسیحی براعظم رکھنے کے لئے پریشان ہے' وہ 21 ویں صدی میں عیسائی دنیا کے ہاتھوں سے کھسکتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ براعظم یورپ کے بارے میں راقم کو جتنی بھی تحریریں پڑھنے کو ملی ہیں' سب میں ایک بات مشترک نظر آتی ہے کہ اس براعظم میں اسلام دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کررہا ہے۔ یہ اضافہ باہر سے آنے والے مسلمانوں اور پہلے سے آباد مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ کے باعث بھی ہے مگر اضافہ کی اہم وجہ لوگوں کا بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنا ہے۔ ورلڈ المانک کے مطابق یورپ میں مسلمانوں کی تعداد 3 کروڑ 12 لاکھ 19 ہزار ہے جو کل آبادی کا 4.28 فیصد بنتے ہیں جبکہ ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ (WAMY) کے ایک اہم رہنما ڈاکٹر حماد الجوہانی کی تحقیق کے مطابق 40 یورپی ممالک میں مسلمانوں کی تعداد آٹھ کروڑ دو لاکھ ساٹھ ہزار

آٹھ سو چھپن ہے جو کل آبادی کا 11 فیصد بنتی ہے۔ وامی کی کوششوں سے 1420 ہجری میں 21 ملکوں کے 366 افراد نے اسلام قبول کیا تھا جبکہ اسی تنظیم کے ذریعے 2001ء میں 31 مارچ تک 109 افراد (80 عورتوں، 29 مردوں) نے اسلام قبول کیا ہے۔ٹائم میگزین لکھتا ہے کہ اسلام مغربی یورپ میں تیز رفتاری سے پھیل رہا ہے۔ ٹائم میگزین کے مطابق یورپی مسلمان اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور اپنے مسلمان ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ دو دہائیاں قبل وہ اپنا تعارف بطور مسلمان کراتے ہوئے شرم محسوس کرتے تھے۔ 40 سالہ یاسمین بنگوجئ جو فرانس میں پیدا ہوئی الجزائر نژاد ہے، اس کا کہنا ہے: ''ہمارے بزرگ اپنی نمازیں خفیہ پڑھا کرتے تھے'' مگر اب فرانسیسی مسلمان اسلام سے تعلق پر فخر کرتے ہیں اس لئے وہ کہتی ہے: ''فرانس میں اسلام اپنی جڑیں مضبوط کر رہا ہے''۔ 21 سالہ ایک سٹن کایا جب برلن میں ایک سٹوڈنٹ تھی تو اپنی ترک زبان میں گفتگو کرتے ہوئے شرماتی تھی اور اس کے والدین اس کی جرمن زبان کا ایک لفظ سمجھ نہ پاتے تھے، اس کا کہنا ہے: ''اس وقت ترک مسلمان ہونا میرے لئے باعث شرم تھا'' اور اب برلن میں وہ ایک ترک گروپ کی رکن ہے اور اس کا فخریہ اظہار کرتی ہے کہ وہ پہلے مسلمان اور بعد میں ترک ہے۔ وہ قرآن کی تلاوت بھی کرتی ہے اور کہتی ہے: ''اللہ پر ایمان سے میری ہمت اور اعتماد میں اضافہ ہوا ہے۔ اسلام محبت، امن، انصاف اور خوبصورتی کا مذہب ہے اور میری خواہش ہے کہ یورپی سچے اسلام کو سمجھیں''۔ ٹائم کا کہنا ہے کہ موجودہ نوجوان مسلمان نسل جس قدر مذہبی ہے، تارکین وطن کی پہلی نسل اس قدر مذہبی نہ تھی، اس کا مطلب ہے کہ نوجوان نسل اسلامی اقدار، کلچر اور ثقافت کے معنی سمجھ گئی ہے۔

برطانیہ یورپ کا اہم ملک ہے، یہاں بڑی تعداد میں اسلامی تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ 1998ء میں 250 تنظیموں نے مل کر ''مسلم کونسل آف برطانیہ'' تشکیل دی تھی۔ مقصد زیادہ تعداد میں تنظیموں کے منفی اثرات سے مسلمانوں کو بچانا اور باہم مل کر مثبت کاموں کو آگے بڑھانا تھا۔ برطانیہ میں کسی بھی غیر مسلم یورپی ملک کی نسبت مساجد کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔1950ء کی دہائی میں لندن میں ایک بڑی مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔ عرب اور دیگر مسلم

ممالک نے اس کی تعمیر میں اپنا اپنا حصہ ڈالا۔ اس وقت برطانیہ میں مسلمانوں کی تعداد بمشکل 6 لاکھ تھی جواب اللہ کے فضل سے 25 لاکھ سے بڑھ چکی ہے۔ امیر جماعت اسلامی پاکستان جناب قاضی حسین احمد نے اپنے دورۂ یورپ کے بعد ایک پریس کانفرنس میں برطانیہ میں مسلمانوں کی تعداد 50 لاکھ سے زیادہ بتائی ہے۔

اسلامک سوسائٹی آف برطانیہ 1973ء میں قائم ہوئی۔ یہ تنظیم تعلیم، تحقیق، دعوت و تبلیغ، ثقافتی احیاء اور تربیت کے شعبوں میں بھرپور کام کر رہی ہے۔ سوسائٹی خاصی تعداد میں پرائمری، انٹرمیڈیٹ اور سیکنڈری سکول بھی قائم کر چکی ہے۔ اسلامی مطالعہ کی درسی کتب بھی سوسائٹی نے شائع کی ہیں۔ سوسائٹی اب تک کل تقریباً 200 کتب شائع کر چکی ہے جبکہ کئی آڈیو اور ویڈیو کیسٹیں بھی تیار کی ہیں۔ ڈاکٹر مناظر احسن سوسائٹی کے جنرل سیکرٹری ہیں، ان کا ایک انٹرویو کچھ عرصہ پیشتر ایک سعودی اخبار ''الجزیرہ'' میں شائع ہوا جس میں انہوں نے بتایا: ''سوسائٹی کے دعوۃ ورکرز نے 33,000 افراد کو اسلام کی طرف لانے کا کام کیا ہے۔ سوسائٹی نومسلموں کی تعلیم و تربیت کے لئے کلاس رومز بھی فراہم کرتی ہے''۔ انہوں نے مزید بتایا: ''برطانیہ میں ایک ہزار مساجد ہیں جن میں 200 سے زیادہ اسلامی طرز پر تعمیر کی گئی ہیں۔ برطانوی میڈیا یہودی کنٹرول میں ہے اس لئے ذرائع ابلاغ میں اسلام کا چہرہ مسخ کر کے پیش کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کے پاس اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی طاقتور میڈیا چینل نہیں ہے''۔

کرسچین ریسرچ ایسوسی ایشن لندن کی تازہ سٹڈی کے مطابق برطانیہ میں 2002ء تک عبادت گزار مسلمانوں کی تعداد گرجا جانے والے عیسائیوں سے بڑھ جائے گی۔ اکیسویں صدی کے آغاز پر برطانیہ میں چرچ جانے والے عیسائیوں کی تعداد 7,56,000 ہو جائے گی جبکہ مسجد جانے والے مسلمانوں کی تعداد 7,60,000 سے بڑھ جائے گی۔ 1995ء میں چرچ جانے والے عیسائیوں کی تعداد 8,54,000 تھی جبکہ مسجد جانے والے مسلمانوں کی تعداد 5,36,000 تھی۔ 1992ء اور 1994ء کے دوران میں مسجد جانے والے مسلمانوں کی تعداد میں اوسطاً 32,000 سالانہ کا اضافہ ہوا جبکہ گرجا جانے

والے عیسائیوں میں اوسطاً 14,000 سالانہ کی کمی ہوئی۔

9 نومبر 1993ء کو لندن ٹائمز نے ''برطانوی خواتین اسلام کیوں قبول کر رہی ہیں؟'' کے عنوان سے ایک تفصیلی تجزیہ شائع کیا۔ مضمون کی ایک ذیلی سرخی تھی ''مغربی میڈیا کے معاندانہ رویے کے باوجود اسلام مغربی دلوں کو فتح کر رہا ہے''۔ مضمون کا لب لباب یہ تھا کہ جس بڑی تعداد میں برطانوی باشندے آج اسلام قبول کر رہے ہیں ماضی میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اخبار نے یہ بھی بتایا کہ برطانوی نومسلموں میں خواتین کی بھاری اکثریت ہے۔ اخبار کے مطابق نومسلموں میں خواتین کی تعداد مردوں سے چار گنا زیادہ ہے۔ اخبار لکھتا ہے:-

''یہ اور بھی ستم ظریفی ہے کہ اکثر برطانوی نومسلم خواتین ہیں حالانکہ مغرب میں یہ تاثر اور نظریہ بہت پھیلایا گیا ہے کہ اسلام عورتوں سے بُرا اور گھٹیا سلوک کرتا ہے''۔

اخبار اسلام کے فروغ کی وجوہات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اہل مغرب بڑھتے ہوئے جرائم' خاندانی نظام کی شکست و ریخت' منشیات اور شراب نوشی کے باعث اپنی سوسائٹی سے مایوس ہو رہے ہیں...... دین اسلام میں پائے جانے والے ڈسپلن اور سکیورٹی کی تعریف کرتے ہیں''۔

ٹائم میگزین کے مطابق فرانس میں مسلمانوں کی تعداد 40 لاکھ سے زیادہ ہے جن کی اکثریت کا تعلق شمالی افریقہ سے ہے۔ تقریباً 10 لاکھ تو الجزائری مسلمان ہیں۔ فرانس میں 400 سے زیادہ مساجد اور نماز کے مقامات ہیں۔ ڈاکٹر کتانی کے مطابق 1968ء تک فرانس میں عملاً مسلمانوں کی کوئی مذہبی تنظیم نہ تھی اور 1930ء میں جو مسجد بنائی گئی تھی وہ بھی مسلمانوں کے کنٹرول میں نہ تھی۔ اب کئی تنظیمیں وجود میں آ چکی ہیں۔ ایک تنظیم ''نیشنل فیڈریشن آف مسلمز آف فرانس'' ہے جس کے چیئرمین نومسلم فرانسیسی ڈینئل یوسف ہیں۔ ایک اور تنظیم ''یونین آف فرنچ مسلمز'' ہے۔ اس کے صدر ڈاکٹر محمد بشاری ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ''یونین کے ساتھ 570 اسلامی تنظیموں کا الحاق ہے اور اس کی شاخیں پورے فرانس میں ہیں۔ فرانس کے مسلمانوں کی صورتحال میں اب تبدیلی آ چکی ہے۔ پہلے ان کا کام

صرف اپنے اور پیچھے گھر میں اپنی فیملی کے لئے سامان زیست کے حصول کو یقینی بنانا ہوتا تھا مگر اب بیشتر مسلمان فرانس کے مستقل رہائشی بن چکے ہیں اور یہ مسلمانوں کی دوسری نسل سے تعلق رکھتے ہیں"۔ ان کا کہنا ہے کہ فرانس میں مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہودی لابی کا دباؤ اور حکومت کا مسلمانوں کے ساتھ معاندانہ رویہ ہے۔ ڈاکٹر بشاری کے مطابق فرانس میں مسلمانوں کی تعداد 50 لاکھ جبکہ مساجد کی تعداد تقریباً 1400 ہے اور مساجد سے منسلک دینی مدارس کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔

پیرس میں مساجد کی تعداد 80 ہے۔ ایک بڑی مسجد بھی ہے جو نہ صرف یورپ کی خوبصورت ترین مسجد ہے بلکہ اہم تاریخی پس منظر بھی رکھتی ہے۔ یہ سلطان عبدالحمید دوم کا خیال تھا کہ پیرس میں مسجد بنائی جائے۔ جنگ عظیم اول کے بعد ایک فرانسیسی اس خیال کے ساتھ آیا کہ پیرس میں ان ہزاروں الجزائری مسلمانوں کی یاد میں مسجد بنائی جانی چاہیے جو فرانس کا دفاع کرتے ہوئے جاں بحق ہوئے ہیں۔ 19 اگست 1920ء کو فرانسیسی حکام نے پیرس میں ایک اسلامی تنظیم بنانے کی اجازت دی اور 150,000,000 ایف ایف مسجد کی تعمیر کے لئے منظور کئے۔ مسجد کے ساتھ اسلامی مطالعہ کا انسٹی ٹیوٹ' ایک ریسٹورنٹ' ایک شاپنگ ہال اور خوبصورت باغ بھی بنایا گیا۔ مسجد اندلس و مراکش کے فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ یہ تو تھیں اس مسجد کے بارے میں "دعوۃ ہائی لائٹس" میں لکھی گئی باتیں مگر مشہور مؤرخ ثروت صولت نے بالکل مختلف لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ملک میں سب سے بڑی اور اہم مسجد پیرس میں ہے جو 1926ء میں شام میں ہونے والی بغاوت کو کچلنے کے بعد 1930ء میں تعمیر کی گئی۔ اس بغاوت میں 20 ہزار مسلمان شہید کئے گئے۔ بغاوت کو کچلنے کے بعد مسلمانوں کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے بلدیہ پیرس نے مسجد کے لئے زمین دی اور مسجد کے لئے مراکشی طرز کا نقشہ بنایا گیا۔

کیتھولک فرانس میں مسلمانوں کی تعداد پروٹسٹنٹ عیسائیوں اور یہودیوں سے زیادہ ہے۔ مغرب میں اسلام کے ماہر اور آکسفورڈ یونیورسٹی کے عالمی شہرت یافتہ ریسرچ سکالر عبداللہ کریم مراد کی تحقیق کے مطابق ایک لاکھ سے زیادہ فرانسیسی قومیت کے حامل افراد نے

حال ہی کے سالوں میں اسلام قبول کیا ہے۔

جرمنی میں بھی مسلمانوں اور مساجد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ ٹائم میگزین کے مطابق جرمنی میں اس وقت 22 لاکھ مسلمان ترک نژاد ہیں۔ پی پی آئی کے حوالے سے شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق جرمنی میں مسلمانوں کی تعداد 34 لاکھ ہو چکی ہے۔ امیر جماعت اسلامی پاکستان جناب قاضی حسین احمد جرمنی میں مسلمانوں کی تعداد 50 لاکھ بتاتے ہیں۔ جرمنی کی وزارت داخلہ کی جاری کردہ رپورٹ کے مطابق جرمنی میں 2578 اسلامی تنظیمیں ہیں جبکہ 2200 عبادت گاہیں ہیں اور 56 ہزار مسلمان بچوں کو مساجد میں دینی تعلیم دی جاتی ہے۔ جرمنی کے بارے میں مختلف جرائد میں جو رپورٹیں شائع ہوئی ہیں ان کے مطابق جرمن خواتین اسلام کی جانب تیزی سے راغب ہو رہی ہیں۔ تین سال قبل اے این این کے حوالے سے ایک خبر شائع ہوئی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ گزشتہ چار سال میں 8000 سے زیادہ جرمن خواتین نے اسلام قبول کیا ہے۔ ایک جرمن ہفت روزہ نے ستمبر 1996ء میں لکھا تھا کہ جرمنی میں ایک لاکھ افراد نے اسلام قبول کیا ہے جن میں نصف تعداد خواتین کی ہے۔ جرمنی میں مساجد کی تعداد سات سو بتائی جاتی ہے۔ جرمنی کے عیسائی اسلام کو جرمنی کا نمبر 1 مسئلہ قرار دیتے ہیں۔ عیسائی تنظیموں کا کہنا ہے کہ جرمنی میں 13 انتہا پسند اسلامی تنظیمیں ہیں جن کے ممبران کی تعداد 37 ہزار ہے۔ جرمن حکومت کا رویہ بھی مسلمانوں کے ساتھ معاندانہ ہے۔ اطلاعات کے مطاق بعض مساجد اور مراکز کے باہر ویڈیو کیمرے لگے ہوئے ہیں۔ اسلامی تنظیموں کی کوشش سے جرمن عوام کے ذہن میں تبدیلی آ رہی ہے۔ جرمنی کے شہر بون میں ایک جرمن اخبار "Die Fuch" نے سروے کروایا۔ سروے کا موضوع تھا کہ کیا اسلامی مطالعہ کو تعلیمی نصاب میں شامل کیا جائے یا نہیں؟ 1000 سیمپلوں میں 52 فیصد نے اس بات کی حمایت کی کہ تعلیمی اداروں میں ''اسلامی مطالعہ'' پڑھایا جائے' صرف 39 فیصد نے مخالفت کی۔ اکثریت نے ''اسلامی مطالعہ'' جرمن زبان میں پڑھانے کے لئے کہا۔ ایک رپورٹ کے مطابق جرمن میں ہر ماہ اوسطاً 300 افراد اسلام قبول کر رہے ہیں۔

سپین میں مسلم اقتدار کے خاتمے کو 500 سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے۔ صلیبیوں نے قبضہ کے بعد قتل عام اور بدترین تشدد سے مسلمانوں کا صفایا کر دیا۔ ہزاروں مسلمانوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ اس تشدد کی تاب نہ لا کر بڑی تعداد میں مسلمان مجبوراً عیسائی بن گئے۔ کسی بھی انسان کے لئے مسلمان بن کر زندہ رہنا ناممکن بنا دیا گیا۔ اب جب سے ظلم وتشدد میں کمی آئی ہے تو سپین میں مذہب اسلام فروغ پانے لگا ہے۔ مسلمانوں کی تعداد دوگنی ہوگئی ہے اور 100 سے زیادہ نئی مساجد تعمیر ہوئی ہیں اور صرف 1997ء میں 25 نئی اسلامی تنظیموں نے اپنے نام رجسٹر کرائے ہیں۔ یہ اعداد وشمار روزنامہ ''المندو'' نے دیئے ہیں۔ سرکاری طور پر سپین میں مسلمانوں کی تعداد 3 لاکھ ہے مگر غیر سرکاری طور پر اندازہ 5 لاکھ کا ہے۔

روزنامہ ''المندو'' کے مطابق سپین کی 17 خودمختار ریجنوں میں 200 مساجد ہیں۔ سرکاری طور پر تقریباً 100 تنظیمیں رجسٹرڈ کی گئی ہیں مگر تنظیموں کی کل تعداد 200 سے بھی زیادہ ہے۔ گرینیڈا کا شہر اندلستان ایک بار پھر اسلامی مرکز بنتا جا رہا ہے۔ تقریباً 2 ہزار مسلمان یہاں آباد ہیں جو زیادہ تر پرفیوم اور فرنیچر کا کام کرتے ہیں۔ خواتین سکارف پہنتی ہیں اور مرد داڑھی رکھتے ہیں۔ تقریباً 5 ہزار سپینی واپس اسلام کی طرف لوٹ چکے ہیں۔ شمالی افریقہ سے بھی بڑی تعداد میں مسلمان آئے ہیں۔ اسلام نے سپین پر نہ ختم ہونے والے جو اثرات چھوڑے تھے اس کا ایک مظہر خود سپینی زبان ہے جس میں تقریباً 4 ہزار عربی الفاظ اب بھی شامل ہیں۔ ایک سپینی ماہر پیڈرو مارٹینز کا کہنا ہے: ''اسلام ایک جامع مذہب ہے جس پر عام آدمی بھی عمل کرسکتا ہے''۔ مسلمانوں نے مطالبہ کیا ہے کہ انہیں اسلامی قوانین پر مشتمل نظام عدل کے مطابق اپنے فیصلے کرنے کا اختیار دیا جائے۔ مسٹر مارٹینز کا کہنا ہے کہ آئندہ چند برسوں میں سپین یورپ میں سب سے زیادہ مسلمان شہریوں کا ملک بن جائے گا۔

اٹلی میں اسلام دوسرا بڑا مذہب بن گیا ہے۔ اٹلی کی 5 کروڑ 70 لاکھ آبادی میں مسلمانوں کی تعداد 10 لاکھ ہو چکی ہے۔ ایک اطالوی صحافی کے مطابق 10 ہزار پیدائشی

اطالویوں نے اسلام قبول کیا ہے اور گزشتہ 16 سالوں میں مساجد کی تعداد 12 سے بڑھ کر 400 تک پہنچ گئی ہے۔ صرف دسمبر 1999ء میں 300 اطالویوں نے اسلام قبول کیا۔

ہالینڈ میں 1950ء میں صرف 5 ہزار مسلمان تھے جن کی تعداد 1971ء میں ایک لاکھ بیس ہزار ہوگئی۔ 1982ء میں یہ تعداد 4 لاکھ تک پہنچ گئی اور 1996ء میں 6 لاکھ ہوگئی۔ 1973ء میں مسجدوں کی تعداد 5 تھی جو 1990ء میں 300 سے بڑھ گئی۔ بے شک ہالینڈ کے مسلمانوں میں بڑا اضافہ باہر سے آنے والے مسلمانوں سے ہوا مگر مقامی طور پر بھی 5 ہزار سے زیادہ ولندیزیوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ ہالینڈ کے کل 4500 مذبحہ خانوں میں سے 500 میں اسلامی شریعت کے مطابق جانور ذبح کئے جاتے ہیں۔

آسٹریا میں اس وقت مسلمانوں کی تعداد 3 لاکھ سے بڑھ چکی ہے جبکہ 1951ء میں صرف 3000 مسلمان تھے۔ ویانا میں پہلی باقاعدہ مسجد اور اسلامی سنٹر کا سنگ بنیاد 1968ء میں رکھا گیا اور 20 نومبر 1974ء کو اس مسجد کا افتتاح ہوا۔ مئی 1979ء کو اسلام کو سرکاری سطح پر آسٹریا کے ایک مذہب کے طور پر تسلیم کرلیا گیا۔ بلقان میں مسلمانوں کی نسل کشی کی مسلسل کوششوں کے باوجود مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ صرف بوسنیا اور کسووا کی جنگوں میں دو لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو شہید کیا گیا ہے۔

روس میں 1999ء میں سائبیریا کے علاقہ ٹیومن میں ایک اجلاس ہوا' جس میں 300 مندوبین نے شرکت کی۔ اجلاس کا مقصد سائبیریا کے علاقہ میں آباد مسلمانوں میں دینی تحریک پیدا کرنا تھا اور سائبیریا کے دور دراز علاقوں میں آباد 30 لاکھ مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لینا تھا۔ اجلاس میں ایک عالم دین شیخ عین الدین نے بتایا کہ روس میں 7 ہزار سے زیادہ مسجدیں ہیں جن میں اکثر حال ہی میں بنائی گئی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ چند سال قبل پورے علاقے میں صرف چند اسلامی مراکز تھے اور اب ان کی تعداد دو ہزار تک ہوگئی ہے۔ تاتارستان میں چند سال قبل صرف 18 مساجد تھیں اور اب ان کی تعداد 800 سے زیادہ ہو چکی ہے۔ دعوۃ ہائی لائٹس میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق روس میں مسلم تنظیموں اور اداروں پر مشتمل ایک ''کوآرڈی نیٹنگ سنٹر'' قائم کیا گیا ہے۔ شیخ نفیع

اللہ اشرون سنٹر کے سربراہ ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ روس کی 150 ملین آبادی میں مسلمانوں کی تعداد 22 تا 25 ملین ہے اور اندازہ ہے کہ 2025ء میں ہر تیسرا روسی مسلمان ہوگا۔

یاد رہے کہ صلیبی زاروں اور صلیبی کمیونسٹوں نے مسلمانوں کی نسل کشی میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ صرف کمیونسٹ دور میں ایک کروڑ سے زیادہ مسلمانوں کو شہید کیا گیا۔ 1738 تا 1755ء کے دوران میں صرف قازان میں 536 میں سے 418 مساجد مسمار کی گئیں۔ الیگزینڈر بینگ سن کی کتاب کے مطابق کمیونسٹ انقلاب سے قبل روس میں 8000 مکتب تھے مگر 1928ء تک ایک بھی نہ رہا۔ 26,000 مسجدیں تھیں جو 1942ء میں صرف 1312 رہ گئیں۔ خردشیف کے دور میں صرف 400 مسجدیں رہ گئیں۔ 45,000 علماء میں سے بمشکل دو تین ہزار بچے۔ پاپولیشن والوں کی رپورٹ کے مطابق ان حالات میں بھی سوویت یونین میں 1989-1959 کے دوران میں روسیوں میں 27 فیصد اور مسلمانوں میں 125 فیصد اضافہ ریکارڈ کیا گیا۔

براعظم افریقہ میں عیسائیوں نے ہر طرح کے وسائل جھونکے ہیں۔ حکومتی سطح پر بھی مسلمانوں کو پریشان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ بڑی تعداد میں ایسے ممالک ہیں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں مگر حکمران عیسائی ہیں۔ یورپی تسلط کے دوران میں بھی یہاں مسلمانوں کا وحشیانہ قتل عام ہوا اور بڑی تعداد میں بندوق کی نوک پر مسلمانوں کو عیسائی بنایا گیا۔ اس وقت بھی مسلح عیسائیوں کے کئی دہشت گرد گروپ مسلمانوں کے قتل عام میں مصروف ہیں اور انہیں امریکہ و یورپ سے اسلحہ سمیت ہر قسم کی مدد مل رہی ہے۔ صلیبی مشنریوں نے یلغار کر رکھی ہے۔ اس کے باوجود عیسائیت کا پھیلاؤ مسلمانوں کے مقابلے میں کم ہے اور یہ دنیا کا واحد براعظم ہے جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ ہلال وصلیب کی لڑائی کا سب سے بڑا معرکہ اسی براعظم میں لڑا جا رہا ہے۔ اسلام قبول کرنے کی چند خبریں ملاحظہ فرمائیں:

☆...... جنوبی چاڈ کے عیسائی سلطان یاتریس اوران کے قبیلے اور سرکاری ملازمین سمیت 30 ہزار افراد نے اسلام قبول کیا ہے۔ چاڈ ہی میں سارا کلائی قبیلے کے 4700 افراد نے

اسلام قبول کیا جن میں 14 بشپ شامل تھے (یونیق ریمیڈ ے گیانا)

☆...... جامعہ ازہر کی ایک رپورٹ کے مطابق 1421ھ کے رمضان المبارک میں چاڈ میں تین سو سے زائد افراد نے اسلام قبول کیا۔ سوڈان کے علاقہ سنار میں 1305 افراد نے جبکہ جنوبی سوڈان میں دس ہزار سے زیادہ افراد نے اسلام قبول کیا۔ کینیا میں نیروبی کے مضافات میں ماہ رمضان میں ایک ہزار عیسائیوں نے اسلام قبول کیا۔

☆...... امپیکٹ انٹرنیشنل کی رپورٹ کے مطابق کینیا میں منکیکی تنظیم کے 13 لیڈروں نے ممباسا آ کر اسلام قبول کیا ہے۔ اس تنظیم کے ارکان کی تعداد 3 لاکھ ہے۔

☆...... بھارتی جریدے ''ریڈینس شمارہ 25 فروری تا 3 مارچ 2001ء کے مطابق ایتھوپیا کے باسو قبیلہ کے 2000 افراد نے کویت کی افریقن مسلم کمیٹی کی کوششوں سے اسلام قبول کیا ہے۔ اس قبیلے کے کل افراد کی تعداد تین ہزار ہے۔ اسی خبر میں بتایا گیا ہے کہ مڈغاسکر میں 14 دیہات کے لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ سال 2001ء میں افریقن مسلم کمیٹی کی 3 ماہ کی کوششوں سے ایتھوپیا کے جنوبی صوبے میں بورانا (BORANA) قبیلہ کے 15 ہزار افراد نے اسلام قبول کیا ہے جبکہ 25 دیہات کے لوگوں نے اسلام کے بارے میں جاننے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ ایتھوپیا میں بورانا قبیلے کی آبادی 10 لاکھ ہے۔ اسی تنظیم کی کوششوں سے زیمبیا کی مشرقی ریجن میں 5 دنوں کے دوران میں 423 افراد نے اسلام قبول کیا ہے جبکہ بینن میں 23 افراد مسلمان ہوئے ہیں۔ یاد رہے کہ گزشتہ بیس سالوں میں افریقن مسلم کمیٹی افریقہ میں 950 مسجدوں اور 840 سکولوں کے علاوہ 3750 کنوئیں تعمیر کر چکی ہے اور 9500 یتیموں کے اخراجات برداشت کر رہی ہے۔

☆...... پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنو شمارہ 25 جنوری 2001ء کی ایک رپورٹ کے مطابق جمہوریہ ٹوگو میں تشامبا کی ایک تنظیم ''اسلامک یونین'' کی کوششوں سے دو گاؤں افیم کیولی اور کنتیقولی کے عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ کلیسا کے پادریوں کی ایک ٹیم نے انہیں دوبارہ عیسائیت قبول کرنے کے لئے بڑی پیش کشیں کی ہیں مگر انہوں نے ہر پیش کش کو ٹھکرا دیا ہے۔

☆...... مغربی افریقہ کے ملک آئیوری کوسٹ میں ہر جمعہ کو اوسطاً 50 افراد اسلام قبول کرتے ہیں۔

ان چند خبروں سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ افریقہ میں اسلام کس قدر تیزی سے پھیل رہا ہے۔ افریقہ میں مسلمان 54 فیصد سے زیادہ ہیں اوران کی تعداد تقریباً 43 کروڑ ہے۔

دعوۃ اینڈ گائیڈینس سنٹر مکہ کے ذریعے 1418 ہجری میں 1416 افراد نے اسلام قبول کیا جبکہ اقلیتوں کے لئے قائم سنٹر میں 1070 افراد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آرگنائزیشنز ٹرسٹیز کے چیئرمین عبداللہ علی نے بتایا کہ اس آفس سے دو لاکھ 27 ہزار پمفلٹس اور کتابچے 5 زبانوں میں شائع اور تقسیم کئے گئے ہیں۔ یہ بات تین سال قبل کی ہے۔ عرب امارات میں قائم شیخ زید سنٹر کی رپورٹ کے مطابق اس سنٹر میں 10 ہزار افراد اسلام قبول کر چکے ہیں، نومسلموں میں سے زیادہ تر کا تعلق سری لنکا اور فلپائن سے ہے۔ فلپائنی مجاہدین کی تنظیم "مورو اسلامک لبریشن فرنٹ" کے چیئرمین استاد سلامت ہاشم نے بتایا ہے کہ منڈاناؤ جزائر کے عیسائی بڑی تعداد میں اسلام قبول کر کے مجاہدین میں شامل ہو رہے ہیں۔ الریاض اخبار کے مطابق اکتوبر، نومبر 99ء کے دو ماہ میں ریاض میں 318 افراد نے اسلام قبول کیا' ان میں 192 عیسائی' 23 ہندو اور 16 بودھ تھے۔ ایک دینی تنظیم کی رپورٹ کے مطابق کویت میں گزشتہ 9 سالوں میں 19549 افراد نے اسلام قبول کیا ہے۔ ابوظہبی میں 1998ء میں 3300 افراد نے اسلام قبول کیا۔ سعودی عرب میں گزشتہ 9 سالوں میں باہر سے آئے ہوئے 18226 افراد نے اسلام قبول کیا ہے۔ پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنو میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق جاپان میں اوسطاً روزانہ ایک سو جاپانی اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اسلامک دعوۃ سوسائٹی آف فتانی کے مطابق اس کی کوششوں سے گزشتہ دس سالوں میں تھائی لینڈ میں 10 ہزار سے زیادہ افراد نے اسلام قبول کیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی مختلف ممالک میں قبولِ اسلام کی خبریں آئے روز شائع ہوتی رہتی ہیں۔ میں نے اوپر جو کچھ بیان کیا ہے وہ تو محض چند جھلکیاں یا نمونے ہیں۔

تعصب کے باوجود عیسائی پادری بھی اسلام میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ مارچ 1997ء میں نیوز ایجنسی اف پ کے حوالے سے اخبارات میں ایک خبر شائع ہوئی تھی کہ سویڈن چرچ کے سروے کے مطابق پادریوں کی ایک بڑی تعداد اسلام کے بارے میں جاننا چاہتی ہے۔ 169 پادریوں سے کئے گئے سروے کے مطابق 70 فیصد پادریوں نے اسلامی قوانین، اسلام میں خواتین کے حقوق و فرائض اور اخلاقیات کے متعلق جاننے کی خواہش کی جبکہ 59 فیصد نے قرآن اور اسلامی فرقوں کے بارے میں جاننا چاہا۔

ماہنامہ الرسالہ دہلی نے بھی کچھ عرصہ پیشتر لندن کے اخبار سنڈے ٹائمز کے حوالے سے ایک رپورٹ شائع کی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ دنیا میں بائبل کی اشاعت میں کمی واقع ہوئی ہے جبکہ قرآن مجید کی اشاعت بڑھی ہے۔ معروف پبلشر کلیئر پیٹرسن بتاتا ہے کہ قرآن مجید اور اس کے تراجم کی بین الاقوامی مارکیٹ میں مانگ بڑھی ہے۔ دس سال قبل بائبل سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب تھی مگر اب قرآن مجید کی طلب زیادہ ہے۔

بھارت کے مسلم جریدے ''ریڈینس'' میں شائع ہونے والی ایک ریسرچ رپورٹ کے مطابق 1996ء میں مسلمانوں کی تعداد 1200 ملین تھی اور عیسائیوں کی تعداد 1800 ملین۔ گزشتہ نصف صدی میں مسلمانوں میں 225 فیصد جبکہ عیسائیوں میں 47 فیصد اضافہ ہوا۔ سال 2000ء کے آخر تک کرۂ ارض پر مسلمانوں کی آبادی ایک ارب 35 تا 40 کروڑ ہو چکی ہے اور اگلے دس سالوں میں یہ عیسائیوں سے بڑھ جائے گی۔

مسلمانوں میں اضافہ کی رفتار کی اہمیت اس وقت مزید واضح ہوگی جب ہم عیسائی مشنریوں کے کام کی بھی ایک جھلک دیکھیں گے۔ انٹرنیشنل بلٹن آف مشنری چرچ نے 1991ء کے وسط میں ایک رپورٹ شائع کی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ 1991ء میں:

☆...... عیسائی تبلیغی رسائل کی تعداد	24,900
☆...... عیسائی تنظیمیں اور خدماتی ایجنسیاں	21,300
☆...... غیر ملکی مشن بھیجنے والی ایجنسیاں	4,050
☆...... مشنری ادارے	99,580

☆...... عیسائی مقاصد کے لئے دی گئی رقوم — 163 ارب ڈالر

☆...... عالمی غیر ملکی مشنوں کی آمدنی — 18 ارب 90 کروڑ ڈالر،

☆...... سالانہ نئی کتابوں کی اشاعت — 11,500

☆...... بائبل کی تقسیم — 53,26,90,000

متعدد عیسائی مشنری تنظیموں کے مشترکہ مشن ریڈیو ''ٹرانس ورلڈ ریڈیو'' سے 1991ء میں ہر ہفتے 80 سے زیادہ زبانوں میں عیسائی تبلیغی پروگرام پیش کئے گئے۔ عیسائیت کی تبلیغ کے لئے مشنریوں کے تقریباً 22 سو ریڈیو اور ٹی وی سٹیشن قائم ہیں۔ 685 زبانوں میں بائبل کی اشاعت ہو رہی ہے۔ ہر ملک میں مشنریوں کی یلغار ہے۔ گیمبیا ایک چھوٹا سا ملک ہے جس کی آبادی صرف 10 لاکھ ہے، وہاں 135 مشنری تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ بنگلہ دیش میں 16,000 صلیبی مشنری تنظیمیں اور ادارے کام کر رہے ہیں جبکہ بھارت میں مشنری تنظیموں کی تعداد 12 ہزار 198 بتائی جاتی ہے۔ بھارت میں تو ایک صلیبی ریاست کے قیام کی بھی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ امریکہ، جرمنی، برطانیہ، اٹلی اور ہالینڈ کی عیسائی تنظیمیں صرف بھارتی تنظیموں کو ہر سال 10 ہزار کروڑ روپے دے رہی ہیں جبکہ مجموعی طور پر بھارتی تنظیموں کو عیسائی دنیا سے 2864 ہزار ڈالر کی امداد ملتی ہے۔ پوپ جان پال دوم نے 1999ء میں اپنے دورہ بھارت کے دوران میں نہرو سٹیڈیم میں 50 ہزار عیسائیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اکیسویں صدی ایشیا میں عیسائیت کی صدی ہوگی۔

شائع شدہ رپورٹوں کے مطابق 2025ء تک کے پروگرام کے لئے عیسائیوں نے 870 ارب ڈالر مختص کئے ہیں۔ دنیا کو مسیحی بنانے کے لئے 10 ہزار مواصلاتی چینل کام کریں گے۔ 24 ملین پتوں پر 360 زبانوں میں مسیحی لٹریچر بھیجا جائے گا۔ ان مشنری تنظیموں اور اداروں کو امریکہ و یورپ کی حکومتوں کی مکمل سیاسی و مالی امداد حاصل ہے۔ غریب عوام کو دولت کی چمک اور ترقی و خوشحالی کے خواب دکھائے جاتے ہیں، صلیبی دنیا کے پاس اللہ کی مخلوق کو گمراہ کرنے کے لئے ہر کشش اور ڈرانے دھمکانے کے لئے ہر قوت موجود ہے، کسی کے اندر یہ ہمت نہیں ہے کہ صلیبی مشنریوں کے راستے میں رکاوٹ بنے، بھارت

میں تین مشنریوں کو جلایا گیا تو پوری صلیبی دنیا چیخ اٹھی جبکہ ہزار ہا مسلمانوں کو جلائے جانے کی کسی کو خبر ہی نہیں' اس کے باوجود عیسائیت میں کسی کے لئے کوئی کشش نہیں۔ مشنریوں کے ہاتھوں وہی لوگ گمراہ ہو رہے ہیں جن کے پاس اسلام کی روشنی نہیں پہنچتی یا پھر صلیبی اداروں میں جن کی مکمل برین واشنگ کی جاتی ہے یا پھر جو عریانی وفحاشی اور بدکاری کے دلدادہ ہیں' مگر فیملی پلاننگ کے ذریعے مسلمانوں کا ''بی'' (بیج) مارنے میں وہ تاحال کسی حد تک کامیاب ہیں مگر یہ منصوبہ بھی انہیں زیادہ دیر اکثریت میں نہیں رکھ سکتا کیونکہ صلیبی گوروں میں شرح افزائش بتدریج گرتی جارہی ہے اور بانجھ پن میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کی خوش خبری دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا تھا ''میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا یہاں تک کہ کثرت کے سبب اس کا شمار نہ ہو سکے گا'' (بائبل کتاب پیدائش)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اولادِ اسماعیل سے ہیں۔ یہاں اولاد سے مراد پیروکار اور امت کے بھی ہیں۔ مفسرین بائبل کی اس پیشین گوئی کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی جوڑتے ہیں۔ بائبل کی یہ پیشین گوئی قرآن مجید میں ''انا اعطینک الکوثر'' کے الفاظ سے دہرائی گئی۔ ''انا اعطینک الکوثر'' (یعنی ہم نے تجھے کثرت عطا کی...... ابتر کے مقابلہ میں کثرت ہی مناسب لگتا ہے۔ مفسرین نے الکوثر کے معنی لکھے ہیں ''انتہا کی کثرت'') کا اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وعدہ فرمایا تھا اب وہ جلد پورا ہونے والا ہے۔ ان شاء اللہ 21 ویں صدی میں ہر طرف اسلام کی روشنی پھیلے گی۔ بائبل لائبریریوں اور صلیب میوزیم کی زینت بن جائے گی اور قرآن ہر گھر تک پہنچ جائے گا۔ (اپریل 2001ء)

افریقی دیہات میں 3 لاکھ 40 ہزار افراد کا قبول اسلام

افریقن مسلم کمیٹی سعودیہ آفس کے ڈائریکٹر شیخ محمد ابن حماد الخمیس نے بتایا ہے کہ مڈغاسکر کے قبیلہ انٹیمور (Antimur) کے 3 لاکھ افراد جب کہ ایتھوپیا کے بورنا قبیلہ کے 40 ہزار افراد نے اسلام قبول کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ کمیٹی کے مبلغین گزشتہ چار سال سے مڈغاسکر میں تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔ بیسیوں دیہات نے اسلام قبول کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ (ریڈینس ستمبر 2001ء)

توراۃ کی تحریف کی اندرونی شہادت

کیسی عجیب بات ہے کہ تقریباً دو ہزار سال سے جس خاکستری تورات کے بھی صرف ترجموں، غلط سلط ترجموں در ترجموں کا دنیا میں رواج ہو، جس میں ایسے واقعات اور اسماء بکثرت پائے جاتے ہوں جو قطعی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے ہیں، اف! جس میں خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات اور ان کی تجہیز و تکفین تک کی داستان درج ہو (استثنا باب 34)، کسی میں بھی جھوٹ کے برداشت کرنے کی اتنی صلاحیت ہے کہ اس کو پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب قرار دے۔ ممکن ہے کہ مذہب میں منطق کو دخل نہ ہو لیکن کیا اس حد تک کہ علانیہ جن کتابوں میں پیغمبروں پر شراب نوشی یا حرام کاری کا الزام لگایا گیا ہو، لوط علیہ السلام جیسے الوالعزم نبی اللہ کو (العیاذ باللہ) اپنی بیٹیوں سے ملوث کیا گیا ہو، خداوند قدوس کے کلام کو ایسی فحش گالیوں سے بھرا گیا ہو، جن کو بازار کے غنڈے بھی اپنی زبانوں پر لاتے شرماتے ہوں، جس کتاب کا خدا پچھتاتا ہو، روتا ہو، کیا یہ اس رب قدوس کی کتاب ہوسکتی ہے جس کی تقدیس و تحمید کا ترانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد کے رسولوں نے دنیا کو سنایا تھا۔ اس رومن کیتھولک پادری کے قلم سے گو مناظرہ کے جھونک ہی میں سہی ایک پروٹسٹنٹ عیسائی کو مخاطب کرتے ہوئے کتنے صحیح الفاظ نکل آئے ہیں: ''اب میں کسی پروٹسٹنٹ سے پوچھتا ہوں کہ بھلا وہ اپنی نجات کی دلجمعی صرف ایک ایسی کتاب کے بھروسہ پر رکھ سکتا ہے جسے وہ سمجھ نہیں سکتا، ایک کتاب ہے جسے وہ کلام الٰہی نہیں ثابت کرسکتا، ایک کتاب ہے جسے جہلا و ضعفاء اپنی ہلاکت کے لئے پڑھتے ہیں، ایک کتاب جس کے اکثر حصے کھوئے گئے، ایک کتاب جو از بس غلطیوں سے بھری گئی اور ناقص کی گئی ہے جس میں نجات پانے کی سب ضروری چیزیں نہیں ہیں۔ ایسی کتاب کیا ایمان کا قاعدہ کل اور نجات کی مکمل راہ ہوسکتی ہے؟''۔ (ترجمان القرآن، مضمون ذوقی صاحب بحوالہ کتاب مراۃ الصدق مصنفہ پادری بیڈلی، مترجمہ مسز نکلسن ص 161)

مصنف کی دیگر کتب
پہاڑوں کا بیٹا
جہاد افغانستان پر ایک منفرد، دلکش اور ولولہ انگیز ناول۔
جہاد افغانستان
(ظلم۔ استقامت۔ نصرت الٰہی)
روسیوں کے انسانیت سوز مظالم۔ افغانوں کی ناقابل تسخیر استقامت۔
نے کن کن طریقوں سے مجاہدین کی مدد کی۔ جہاد افغانستان پر ایک نہایت
اہم، منفرد اور مستند دستاویز۔
آزادی کا مسافر
(ناول)
ایک نوعمر افغان مجاہد کی داستان جس نے "کے جی بی اور خاد" کا ہیڈکوارٹر تباہ کر دیا۔
غازی اور شہید
(زیر طبع)
سربکف افغان مجاہدوں، شجاعت و استقامت کے پیکر افغان کمانڈروں اور
قرون اولیٰ کی یادوں کو زندہ کر دینے والے شہیدوں کی لازوال اور روح کو
گرما دینے والی ایمان افروز داستانیں۔
گریٹ لینڈ کا بالشتیا
(زیر طبع)
فرعون کے ایک دراز قد پیروکار کی داستانِ عبرت۔ صدیوں پہلے وہ دنیا کا سب
دراز قد اور گریٹ لینڈ کا بادشاہ تھا مگر قدرت نے اسے بالشتیا بنا کر دنیا کے لئے
عبرت بنا دیا۔ بچوں کے لئے نہایت دلچسپ، پُرتجسس، معلوماتی اسلامی ناول۔
★ عالم اسلام کے خلاف سب سے بڑی صلیبی جنگ
★ مسلمانوں پر ہزار سالہ صلیبی مظالم